

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
(رواه البخاری)

دعوات عبدیت جلد چہارم
کا

اول وعظ ملقب بہ

اصلاح النفس

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ تھانوی — دفتر الایقاع

مسافر خانہ بند روڈ کراچی
ام۔ اے جناح روڈ

دعوات عبدیت جلد چہارم کا

اول وعظ مقلب بہ

اصلاح النفس

این	مے	کھ	کیف	ماذا	مَنْ ضَبَطَ	الْمُسْتَمِعُونَ	اشْتَاتٌ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی	متفرقات
جامع مسجد	ہ صف	۳ گھنٹہ	بیٹھ کر	اپنی اصلاح کی	مولوی سید	تقریباً	
کھانا بھون	۱۳۳۰ھ			فکر، ہم ہے	مرحوم	۱۵۰ آدمی	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله نحمدہ ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ونبينا و مولانا محمد عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله وصحبه وسلم۔
 أما بعد فقد قال الله تعالى يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من صلّ إذا هتدوا يلتفتوا إلى الله مرجعكم جميعاً فينبئكم بما كنتم تعملون ه

(ترجمہ) اے ایمان والو! لازم پکڑو اپنے آپ پر اپنے نفسوں کو نہ نقصان پہنچا سکے گا تمہارا وہ شخص جو گمراہ ہے جیکہ تم نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے پس اللہ تعالیٰ تم کو

آگاہ کرے گا جو تم لوگ عمل کرتے ہو)

یہ وہی آیت ہے کہ جس کے متعلق اس کے قبل بھی بیان ہوا ہے۔ اس روز خیال تھا کہ آیت کے متعلق جتنا کچھ ضروری مضمون ہے وہ بیان ہو گیا ہے لیکن بعد کوتاہی سے معلوم ہوا کہ ابھی آیت کے ایک جزو کے متعلق بیان کرنا باقی ہے کیونکہ آیت میں ایک جملہ انشائیہ ہے اور دوسرا جملہ خبریہ جو کہ معنی انشائیہ ہے کیونکہ ہر جملہ نفسِ خیر مقصود بالذات نہیں ہوتی۔

حاصل یہ ہے کہ علوم دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں کہ خود وہ علوم ہی مقصود بالذات ہیں جیسے عقائد مثلاً تِلْهُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور الْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ۔ (آپ فرمادیجئے اللہ تعالیٰ ایک ہے وزن (اعمال کا تو لا جانا) اُس دن حق ہے) تو اس میں تو خود خبر ہی مقصود ہوتی ہے کیونکہ ان کے متعلق کوئی عمل نہیں ہوتا دوسرے وہ علوم ہیں کہ خود وہ علم مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس علم سے عمل مقصود ہوتا ہے خواہ وہ امر ہو یا نہیں ایسے مقام پر اگر خبریہ ہو تو وہ معنی انشاء ہوگا جس کی تعیین قرآن سے ہو جائے گی مثلاً اس مقام پر خدا تعالیٰ نے اول ایک امر فرمایا ہے اس کے بعد جملہ خبریہ ذکر فرمایا ہے جس سے مقصود اس امر کی تاکید ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اس امر کی مخالفت نہ کرو پس معلوم ہوا کہ اعمال میں خبر مقصود نہیں ہوتی لہذا میں اس خبر سے تعرض نہیں کرتا بلکہ صرف دو مضمونوں کو لیتا ہوں ایک امر کو دوسرے نہیں کہ جو کہ جملہ خبریہ سے مقصود ہے یعنی لَا يَضُرُّكُمْ مِّنْ ضَلُّ اِذَا هُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ تم دوسروں کی فکر میں نہ پڑو۔ گذشتہ جمعہ کو بیان کا زیادہ رُخ اسی نہیں کی طرف رہا اور آیت میں مقصود بھی زیادہ تر یہی ہے کہ دوسروں کی فکر میں نہ پڑو۔ اور اس وجہ سے امر کے متعلق کچھ بیان نہیں ہو سکا تھا اور صرف نہیں کے متعلق بہت کافی مضمون بیان ہو گیا تھا کیونکہ اس وقت تک ذہن میں یہ تھا کہ محط فائدہ صرف لَا يَضُرُّكُمْ ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ عَلَيَّكُمْ اَنْفُسَكُمْ کے بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے اور اگرچہ مسوق لہ

الکلام صرف اَلَا يَضُرُّكُمْ ہے لیکن جملہ الی اللہ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا کا زیادہ تعلق عَلَیْكُمْ کلامِ اَنْفُسِكُمْ سے ہے کیونکہ دوسروں کی فکر کرنا کچھ ایسا گناہ نہیں جس پر اس جملہ الی اللہ مَرْجِعُكُمْ کو مرتب فرمایا جائے پس وہ عَلَیْكُمْ اَنْفُسِكُمْ کے ساتھ مرتب ہے اور اس پر مرتب ہے اور اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ عَلَیْكُمْ بھی مقصود ہے کیونکہ حاصل اس کا یہ ہے کہ چونکہ تم کو خدا کے پاس جانا ہے اس لئے تم اپنی فکر کرو اور غفلت میں نہ پڑو اور اپنی اصلاح کرو بہر حال یہ ایک ضروری مضمون ہے اس مقام پر بھی اور فی نفسہ بھی اس وقت اس کے بیان کرنے کی ضرورت یہ ہوتی کہ اگر ہم اپنی حالت میں غور کریں تو ہم کو معلوم ہو کہ ہم کن کن خرابیوں میں مبتلا ہیں ہاں اگر غفلت ہی میں رہیں جیسا کہ اس وقت تک رہے ہیں تو اور بات ہے لیکن باوجود شدید غفلت کے اتنا ہر مسلمان کو علم ہے اور اگر غور کرے تو اس کو معلوم بھی ہو جائے کہ آخرت کی فکر کتنی ضروری ہے نیز اپنی حالت موجودہ میں غور کرنا اس ضرورت کو اور بھی مؤکد کر دیتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنی روزمرہ کو دیکھ لے اور سوچ لے کہ اس کے تمام وقت میں سے آخرت کی فکر میں کتنا وقت خرچ ہوتا ہے حالانکہ ہر شخص کے نزدیک موت کا آنا یقینی ہے بلکہ ایسا یقینی کہ دوسرے تمام خطرات اتنے یقینی نہیں۔ فرض کرو کہ ایک شخص کسی سخت مقدمہ میں ماخوذ ہو اور مسل پوری اس کے خلاف ہو تو اگرچہ اس کو غالب گمان اپنے سزا پانے کا ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی رہائی کا احتمال بھی باقی رہتا ہے اسی طرح ایک شخص کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو جائے تو جس طرح اس کو ہلاک ہونے کا گمان ہوتا ہے اسی طرح صحت کا بھی گمان ہوتا ہے غرض ہر امر میں دونوں پہلو ہوتے ہیں لیکن باوجود اس کے بھی کس تندھی اور توجہ سے اس کی فکر میں مشغول ہوتے ہیں اور ہم تن اسی میں کھپ جاتے ہیں۔ لیکن موت میں کسی شخص کو بھی یہ احتمال نہیں کہ میں اس سے محفوظ رہوں گا نہ کافر اس سے بچے گا نہ مسلمان حتیٰ کہ شیطان جو سب سے بڑا کافر اور شریر ہے اس کو

بھی ایک دن موت آئے گی کیونکہ اس کو جو مہلت دی گئی ہے تو قیامت تک مہلت دی گئی ہے جیسا کہ اُنظُرْنِي اِلٰی يَوْمٍ يُبْعَثُونَ (مہلت دیجئے مجھ کو قیامت تک کے لئے) سے ظاہر ہے غرض موت میں کسی کو شبہ نہیں بلکہ توحید جیسی یقینی چیز سے لوگوں نے انکار کیا مگر موت سے انکار نہیں کر سکے معاد کے متعلق مختلف رائے ہوئیں کوئی حق پر ہے کوئی باطل پر ہے لیکن موت میں سب متفق رہے۔ مگر باوجود اس قدر یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہونے کے اس کو ہم نے ایسا بھلا دیا ہے کہ یاد دلانے سے بھی ہم کو یاد نہیں آتی نہ تذکیرِ قوی سے نہ تذکیرِ فعلی سے مثلاً اگر ہمارے سامنے کوئی شخص مرتا ہے تو ہم اس کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں، قبرستان تک جاتے ہیں لیکن ہنستے کھیلتے چلے آتے ہیں ہمارے قلب پر تفکر یا تدبیر کے آثار ذرا بھی نہیں ہوتے۔ غرض کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ ہم کو اس سے موت کی طرف توجہ ہو جائے تو صاحبِ حیا یہ حالت مہل چھوڑنے کے قابل ہے کیا یہ ضروری العلاج نہیں اگر ہے تو فرمائیے آج تک اس کا کیا علاج کیا اگر نہیں کیا تو اب کرنا چاہیے اور سمجھ لیتا چاہیے کہ علاج میں جس قدر دیر اور غفلت کی جاتی ہے مرض بڑھتا جاتا ہے چنانچہ شاید ہر شخص غور کر لے کہ جس قدر خوف بچپن میں تھا جوانی میں نہیں ہے اور جس قدر جوانی میں ہے بڑھاپے میں نہیں ہے حتیٰ کہ بعض افراد ایسے بھی ہیں کہ ساہا سال تک ان کو ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور بعض کو اگرچہ موت یاد ہے لیکن خوف اور ڈہل نہیں ہے۔ دیکھو اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ میرے گرفتار کرنے کے لئے گارڈ پھرتی ہے تو اس کے قلب کی کیا حالت ہوگی کہ عیشِ تلخ ہو جاتا ہے، چین آرام برباد ہو جاتا ہے، ہر وقت یہ ڈہن ہوتی ہے کہ کسی طرح میں اس مصیبت سے نجات پاؤں غرض موت سے ہر وقت ڈرنا چاہیے خصوصاً جبکہ گناہوں کا انبا بھی سر پر لدا ہوا ہو جس سے سزا کا بھی سخت اندیشہ ہے آخرت میں بھی اور

دنیا میں بھی مگر ہم لوگ اس سے ایسے بے خبر ہیں کہ کسی مصیبت میں گناہوں کو
 کبھی یاد ہی نہیں کرتے بلکہ مصیبت میں اکثر یہ مقولہ زبان پر لے آتے ہیں کہ
 کر تو ڈر نہ کر تو ڈر مطلب یہ کہ ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا مگر اڑنگے میں آگے سو
 خوب سمجھ لو کہ یہ ایک جاہلانہ مقولہ ہے کیونکہ نہ کر کے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ
 اگر کچھ نہ کر کے بھی ڈرنا ضروری ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نعوذ باللہ
 خدا تعالیٰ کو یا ظالم ہیں خوب یاد رکھو کہ ایسا کہنا سخت توہین کرنا ہے خدا تعالیٰ
 کی۔ صاحبو! خدا تعالیٰ تو کئے پر بھی بہت کم گرفت کرتے ہیں اور بے کئے تو
 پکڑتے ہی نہیں چنانچہ قرآن شریف میں منصوص ہے مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ
 فَمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَتَعَفُّوا عَنْ كَثِيرٍ (جو تم کو پہنچتی ہے مصیبت اور
 تکلیف تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت
 سی تو درگزر ہی کر دیتا ہے یعنی ہمارے کر تو توں میں بھی بہت سی معاف ہو جاتی
 ہیں اور ان پر گرفت نہیں ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک
 چور کو گرفتار کیا اور قطعید کا حکم دیا اس چور نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ
 میرا پہلا قصور ہے مجھے معاف کر دیجئے، پھر کبھی نہ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تو غلط کہتا ہے خدا تعالیٰ پہلے جرم میں کسی کو رسوا نہیں
 کرتے۔ چنانچہ تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے قبل بھی وہ تین مرتبہ
 چوری کر چکا ہے۔

حلم حق با تو موا سا ہا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند
 ر خدا تعالیٰ کا حلم تیری رحمت و ہمدردی کرتا ہے اگر جب تو حد
 سے گذر جاتا ہے تو ذلیل کرتا ہے

خدا تعالیٰ کا حلم بہت کچھ مواسات کرتا ہے لیکن جب ہم حد سے بالکل ہی
 نکل جائیں تو آخر غیرت خداوندی ہم کو رسوا کر دیتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ گناہوں
 پر بھی ہم کو بہت کم پکڑتا ہے لیکن چونکہ ہم لوگ اپنے بہت معتقد ہیں اپنے معاصی کی

خیر ہم کو نہیں ہے اور بعض اوقات تجاہل بھی ہوتا ہے کہ عقلمندی کی وجہ سے ہم کو
 پتہ نہیں چلتا چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے ہم نے کیا گناہ کیا تھا کہ میری صیبت ہم پر
 نازل ہوئی، اللہ اکبر گویا ہم کو کسی وقت اپنے گناہ سے خالی ہونے کا بھی گمان ہوتا
 ہے۔ صاحبو! اپنے گناہوں سے عقلمندی کرنا بہت بڑا مرض ہے جس میں ہم سب مبتلا
 ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کے معتقد ہیں ایسے لوگ اور
 بھی زیادہ تباہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اپنے تقدس کی گویا دلیل بھی موجود ہوتی
 ہے کہ جب اتنے لوگ ہم کو اچھی کہتے ہیں تو یقیناً ہم اچھے ہوں گے ہماری بالکل وہ
 حالت ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک مکتب کے لڑکوں نے اتفاق کیا کہ آج استاد
 صاحب سے چھٹی لینی چاہیے اور تو کوئی سبیل نہ بچل سکی آخر اس پر رائے ٹھہری
 کہ جب استاد صاحب آئیں تو سب مل کر ان کی مزاج پرسی کرو اور ان کو بیمار بتلاؤ
 چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا دو چار لڑکوں کو تو استاد صاحب نے جھٹک دیا لیکن
 جب متواتر سب نے یہی کہا تو استاد صاحب کو بھی خیال ہوا آخر سب کو لے کر
 گھر چلے گئے اور حکم کیا کہ تم دہلیز میں بیٹھ کر پڑھو میں گھر میں آرام کرتا ہوں
 لڑکوں نے دیکھا کہ مقصود اب بھی حاصل نہ ہوا تو آخر نہایت زور سے چلا کر
 پڑھنا شروع کیا استاد صاحب کو مصنوعی درد وغیرہ تو پیدا ہو ہی گیا تھا
 چلا کر پڑھنے سے اس میں واقعی ترقی ہونے لگی مجبور ہو کر سب کو چھوڑ دیا جیسا
 وہ معلم لڑکوں کے کہنے سے مبتلائے وہم مرض جسمانی ہو گیا تھا سب معتقدین کے
 کہنے سے مبتلائے وہم مرض نفسانی یعنی گمان تقدس ہو گئے ہیں لیکن بطور لطیفہ
 یہ بھی کہا جائے گا کہ ایسے لوگوں میں جہاں اپنے کو مقدس سمجھنے کا مرض ہے اس
 کے ساتھ ہی یہ خوبی بھی ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی مقدس سمجھتے ہیں
 کہ ان کے خیال کو باوقوت جانتے ہیں تو خیر ان میں جہل کے ساتھ تو واضح بھی ہے
 مگر یہ اعتقاد دوسروں کو اس باب میں سچا سمجھنے کا ایسا ہے کہ جیسے کسی نائن نے
 ایک عورت کو دیکھا کہ وہ نتھ اتار کر منہ دھور رہی ہے نتھ اتاری دیکھ کر فوراً

اپنے شوہر کے پاس دوڑی گئی اور کہا کہ بیوی صاحبہ تو بیوہ ہو گئیں جلدی ہا کر
 اس کے شوہر کو خبر کرنا نانی صاحب فوراً اس بیوی کے شوہر کے پاس پہنچنے
 اور کہا کہ حضور آپ کیا بے فکر بیٹھے ہیں آپ کی بیوی صاحبہ بیوہ ہو گئیں جحمانِ حنا
 نے رونا شروع کر دیا گر یہ دیکھ کر کی آواز سن کر دوست احباب جمع ہو گئے سب بے چہا
 تو یہ لغو حرکت معلوم ہوئی دوستوں نے کہا کہ بھائی جب تم زندہ ہو تو تمہاری
 بیوی کیونکر راند ہو گئیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ
 نانی نہایت معتبر شخص ہے یہ جھوٹ نہ بولے گا۔ یہی ہماری حالت ہے کہ اپنے
 گناہوں کا ہم کو علم ہے اپنی حالت خوب جانتے ہیں لیکن محض اس وجہ سے کہ دوسرے
 لوگ ہم کو اچھا کہتے ہیں ہم بھی اپنے معتقد ہو گئے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کا
 کوئی معتقد نہیں لیکن وہ پھر بھی اپنے معتقد ہیں تو چونکہ تقدس کا یقین اپنے اوپر
 ہے اس لئے اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیوں ہم پکڑے گئے
 صاحبو! ہم کو تو نہ پکڑے جانے پر تعجب ہوتا چاہیے۔ جو شخص روزانہ ڈیکھتی ڈالتا
 ہو اگر چھ ماہ تک بچا رہے تو تعجب ہے اور گرفتار ہو جائے تو کچھ بھی تعجب نہیں۔
 ہم لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جن گناہوں پر مؤاخذہ نہیں ہوا ان سے خدا تعالیٰ
 ناراض نہیں ہوئے۔ چنانچہ جب مصیبت کے التفات کرتے ہیں تو نئے گناہوں
 کو دیکھتے ہیں۔

حالانکہ یہ کچھ ضروری نہیں کہ اگر گناہ آج کیا ہو تو آج ہی مؤاخذہ بھی ہو
 دیکھئے اگر کوئی شخص کچی مٹھائی کھالے تو عادتاً پھوڑے پھنساں نکلتی ہیں لیکن
 یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس روز کھایا ہے اسی روز نکلنے لگیں۔ فرعون نے چار سو
 برس تک خدائی کا دعویٰ کیا لیکن سر میں درد بھی نہیں ہوا اور پکڑا گیا تو
 اس طرح کہ ہلاک ہی کر دیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے ہاں ہر کام حکمت سے ہوتا ہے۔
 کبھی ہاتھ در ہاتھ سزا مل جاتی ہے اور کبھی مدت کے بعد گرفتاری ہوتی ہے۔
 علیٰ ہذا نیکیوں میں بھی کبھی ہاتھ در ہاتھ جزا دیدی جاتی ہے۔ کبھی توقف ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا فرمائی اور قبول بھی ہوئی
چنانچہ ارشاد ہوا فَتَدَّ اُجْدِبَتٌ دَعْوَتُكُمْ (بیشک تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی) لیکن
باوجود دعا کے قبول ہو جانے کے اسی وقت اس پر اثر مرتب نہیں ہوا بلکہ ساتھ ہی
یہ بھی ارشاد ہوا کہ فَاسْتَقْبِلْهَا وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (پس
تم دونوں موسیٰ و ہارون علیہما السلام) ثابت قدم رہنا اور نادانوں کا طریقہ اختیار نہ
کرنا) کہ تم دونوں ترقی اثر میں جلدی نہ کرنا کہ یہ نادانوں کا طریقہ ہے بلکہ استقامت
اور استقلال سے کام لینا حتیٰ کہ چالیس برس تک حضرت موسیٰ نے انتظار کیا اور
اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک ہوئی ان دونوں واقعوں سے معلوم ہو گیا
ہوگا کہ نہ کسی جرم پر فوراً اثر مرتب ہونا ضروری ہے نہ نیکی پر۔ چنانچہ فرعون کو
چار سو برس کی مہلت دی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال تک
منتظر رکھا گیا اور جب یہ ہے تو کبھی جرم کی فوراً سزا نہ ملی تو اس کی نسبت یہ خیال
نہ کرنا چاہیے کہ اس جرم سے خدا تعالیٰ ناخوش نہیں ہوتے یا یہ جرم قابل سزا
و گرفت نہ تھا یا ہم کو معاف کر دیا گیا لوگ اس غلطی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جب
کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہمیشہ نئے گناہ کو دیکھا کرتے ہیں اور جب کوئی
نیا گناہ نظر میں نہیں آتا تو اپنی مصیبت پر تعجب کرتے ہیں اور گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ
کی طرف ظلم کی نسبت کر کے یہ کہتے ہیں کہ کر تو ڈر نہ کر تو ڈر۔ صاحبو! کسی مسلمان
کے منہ سے اس جملہ کا نکلنا سخت حیرت ہے کیا کسی کے نزدیک خدا تعالیٰ کی
سلطنت اودھ کے توایوں کی سلطنت ہے کہ جس کا کوئی ضابطہ ہی نہیں جب
جس طرح جی چاہا کر لیا، خیر یہ جملہ معترضہ تھا مقصود یہ ہے کہ دنیا کے خطرات کو
تو یہاں تک مہتمم بالشان بنایا کہ کچھ نہ کر کے بھی ڈرتے ہیں اور آخرت کے بارے
میں اس قدر غفلت ایسی بے پروائی کہ آئے دن سینکڑوں خرافات میں مبتلا ہیں
ہزاروں گناہوں کے بارے میں دبے جاتے ہیں لیکن ذرا بھی پروا نہیں کیا یہ
مرض نہیں ہے اور اگر ہے تو کیا اس کی تدبیر ضروری نہیں ہے۔ صاحبو یہ یاد رہے کہ حقیقہ

اس کی جانب غفلت ہوگی تدبیر دشوار ہوتی جائے گی۔ اور صاحبو ہماری وہ حالت ہے کہ صحت ہمہ داغ داغ شدہ پنبہ کجا کجا نہم۔ یعنی ایک تو یہ مرض تھا جو ابھی بیان ہوا۔ دوسرا مرض جو دینداروں میں زیادہ ہے یہ ہے کہ جب کبھی ان کی حالت زار ان کو یاد دلائی جاتی ہے تو تنبہ ہوتا ہے لیکن صرف اس قدر کہ تھوڑی دیر روئے بڑی ہمت کی ایک دو وقت کا کھانا ترک کر دیا، صورت غمگین بنا کر بیٹھ گئے لیکن تدبیر کی جانب ذرا توجہ نہیں بلکہ اس غمگینی میں بھی اگر کوئی دنیا کا قصہ یاد آگیا تو فوراً اس میں مصروف ہو گئے۔ خوب کہا ہے

زہنہارا زان قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بدردے

تم اس قوم میں سے مت ہو جو کہ حق تعالیٰ کو فریب میں ڈالتی ہے اپنے سجدے سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو درود سے

بعض لوگ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ تاسف سے پریشان بھی ہوتے ہیں لیکن باوجود اس کے بھی کبھی تدبیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور تدارک کا خیال نہیں ہوتا حالانکہ نری پریشانی سے کیا ہو سکتا ہے اگر کسی شخص کو اول درجہ دق کا شروع ہو جائے اور اس کو اطلاع بھی ہو جائے اور پریشانی بھی ہونے لگے لیکن وہ صبر نہی کرے کہ جب کوئی اس سے ملنے کو آئے تو اس کے سامنے رونا شروع کرے اور دن رات کڑھا کرے مگر علاج کی طرف توجہ نہ کرے تو نتیجہ اس کا کیا ہوگا۔ صرف یہی کہ دس پانچ روز میں دوسرا تیسرا درجہ بھی شروع ہو جائے گا اور آخر کار ایک روز خاتمہ ہو جائے گا تو غلطی اس کی یہ ہے کہ پریشانی کو علاج سمجھتا ہے حالانکہ تدبیر اس کی یہ تھی کہ روپیہ خرچ کرتا طبیب سے رجوع کرتا تلخ دواؤں پر صبر کرتا اور پرہیز پر مستعد ہو جاتا اگرچہ کسی ایک کے آگے بھی پریشانی کا اظہار نہ کرتا۔

اسی طرح امراض باطنی اور معاصی میں بھی اصل تدبیر یہی ہے کہ کسی کامل کی طرف

رجوع کرے گناہوں سے پرہیز پر مستعد ہو جائے تلخ بتھاویز پر صبر کرے۔ اس
تدبیر سے ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں امراض دور ہو جائیں گے اور اخلاق حسنہ
پیدا ہوں گے خوب کہا ہے ۷

عاشق کہ شد کہ یار بجا لش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست مگر نہ طیبیت

دوہ عاشق ہی کیسا جس کی طرف محبوب نے کبھی التفات ہی نہ کرے۔ اے دوست

تجھے کوئی مرض ہی نہیں ورنہ طیب تو موجود ہے وہ کیوں برائے علاج نہیں آتا

یہ شیطان کی رہزنی ہے کہ دین کے رنگ میں دین سے ہٹا رہا ہے یعنی یہ خیال

میں جما دیا ہے کہ صرف گریہ و بکا ہی کافی ہو جائے گا۔ عرنی کہتا ہے ۷

عرنی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال صد سال می توں بہ تمنا گریستن

اگر رونے گریہ کرنے سے وصال میسر آجاتا تو سو سال اسی طرح تمناؤں میں گزار دیتے

مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک بدوی کو دیکھا کہ وہ بیٹھا رو رہا ہے اور سامنے

ایک کتا پڑا سسک رہا ہے، بدوی سے رونے کا سبب پوچھا تو کہا یہ کتا میرا رفیق تھا

چونکہ مر رہا ہے اس کے غم میں رو رہا ہوں اس شخص نے کتے کے مرنے کا سبب پوچھا

تو بدوی نے کہا کہ صرف بھوک سے مر رہا ہے۔ یہ سن کر اس شخص کو بہت صدمہ ہوا نظر

اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تو ایک پوری نظر پڑی بدو سے پوچھا کہ اس پوری میں کیسا

چیز ہے بدو نے جواب دیا کہ اس میں روٹی ہے اس شخص نے کہا کہ ظالم تیرے

پاس روٹی موجود ہے اور کتا بھوکوں مر رہا ہے اور اُس کے مرنے کا تجھے غم ہے

تو اس میں سے روٹی نکال کر کیوں نہیں کھلا دیتا تو آپ کہتے ہیں کہ صاحب اتنی محبت

تمہیں کہ اس کو روٹی بھی دیدوں کیونکہ اس کو دام لگتے ہیں ہاں اتنی محبت ہے

کہ اس کے غم میں رو رہا ہوں کیونکہ آنسو میں تو دام نہیں خرچ ہوتے ۷

گر جاں طلبی مضائقہ نیست و زر طلبی سخن دریں دست

اگر جان طلب کرو تو کوئی حرج نہیں ہے اگر پیسہ طلب کرو تو کلام اس میں ہے

ہماری وہی حالت ہے کہ گھر باہر رب تمہارا لیکن کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ کہ

گناہوں میں مبتلا ہونے سے رنج بھی ہے اور ان کے مٹ جانے کی تمنا بھی ہے لیکن تدریجاً نام کو نہیں ہاں ہے تو صرف اس قدر کہ دو آنسو بہا لے اور بعض لوگوں کو توجہ بھی ہوتی ہے تدریجاً بھی کرتے ہیں لیکن یہ کہ کسی بزرگ کے پاس گئے اور اپنی حالت بیان کر کے فرمائش کی کہ آپ کچھ توجہ کیجئے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص طبیب کے پاس جانے اور اپنے امراض کو بیان کرے اور جب طبیب نسخہ تجویز کرے تو اس سے کہے کہ حکیم صاحب میری طرف سے یہ نسخہ آپ ہی پی لیں۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کو ساری دنیا احمق کہے گی اور سب لوگ قہقہہ لگائیں گے۔ بس یہی حالت طالبین توجہ کی بھی ہے کہ مریض تو یہ مگر توجہ کریں بزرگ اور یہ توجہ نہ کریں۔ حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرتدہ جب بھئی تشریف لے گئے تو ایک سو داگر لے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھے حج نصیب کرے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کروں گا وہ یہ کہ جس دن جہاز چلے اُس دن مجھے پورا اختیار اپنے نفس پر دے دو کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر چہار میں تم کو بٹھلا دوں اور وہ جہاز تم کو لے کر روانہ ہو جائے اور جب تک یہ نہ ہو صرف میری دعا سے کیا کام چل سکتا ہے کیونکہ جب تم قصد نہ کرو گے دنیا کے کاروبار کو نہ چھوڑو گے نہ وہ خود کم ہوں گے تو صرف میری دعا تم کو حج کیونکر کرادے گی۔ کیونکہ خود کعبہ تو تم تک آنے سے رہا اس کو کیا غرض پڑی ہے اور جن کو یہ شرف نصیب ہو بھی گیا ہے تو ان کو بھی اس صورت سے حج نصیب نہیں ہوا اور یہ مضمون کہ بعضوں کو یہ شرف کعبہ کے از خود آنے کا نصیب ہوا ہے قابل ذکر کے نہ تھا کہ نازک مضمون ہے لیکن عنودت اس کے ظاہر کرنے کی یہ ہوئی کہ آج کل تمام علوم اردو میں ہوتے جلتے ہیں ممکن ہے کہ کسی کی نظر سے یہ حکایت گذرے کیونکہ بعض بزرگوں کی نسبت یہ مشہور ہے کہ مکہ معظمہ پہنچے تو جا کر دیکھا کہ کعبہ نہیں ہے سخت حیرت ہوئی اور باری تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اس وقت کعبہ کہاں ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ ہم منکشف کئے دیتے ہیں۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ

ایک بزرگ آرہے تھے کعبہ ان کے استقبال کو گیا ہوا تھا، اور یہ حکایت تین فرقوں کو مضر ہوئی۔ ایک تو ان کو جنھیں دین سے کچھ بھی تعلق اور واسطہ نہیں ایسے لوگوں نے تو اس کی تکذیب کی اور کہنے والوں کو ہنتا اور وہم پرست کہنا شروع کیا دوسرے ان دینداروں کو جو کہ محض ظاہر پرست ہیں ایسے لوگوں نے ان کو صوفیہ کے ڈھکوسلے کہہ کر اڑایا۔ تیسرے ان لوگوں کو جو فلسفی دماغ کے ہیں اور تاریخ ان کا نصب العین ہے انھوں نے اُس کو خلاف عقل بتلایا اور یہ اعتراض اس پر کیا کہ اگر ایسا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا، سوہم نے کسی تاریخ میں نہیں دیکھا حالانکہ ان تینوں کی حالت یہ ہے۔

ص: چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ روند

غرض اس ضرورت سے اس مضمون کا ذکر ضروری ہوا تو سمجھو کہ ایک تو کعبہ ظاہری اُس کا مظہر ہے۔ پس جن بزرگ نے یہ دیکھا کہ کعبہ اپنی جگہ نہیں ہے اُس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ روح کعبہ زائرین کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ ان بزرگ کی طرف متوجہ ہے۔ غرض بعض ایسے بزرگ ہوئے ہیں کہ جن کی طرف کعبہ نے خود توجہ کی لیکن حج کرنے کے لئے ان کو بھی خود کعبے ہی میں آنا پڑا، اور جب ایسوں کو بھی خود کعبے کی طرف جانے کی احتیاج تھی تو اس سو داگر کو تو کیوں ضرورت نہ ہوگی اور یہ تجارت چھوڑ کر جائیں نہیں تو محض حاجی صاحب کی دعا سے ان کو کیا نفع ہو سکتا ہے تو جو لوگ کچھ تدبیر کرتے بھی ہیں صرف اس قدر کہتے ہیں صاحبو! خیال کیجئے ابو طالب جو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں اور بہت بڑے محب کہ جس موقعہ پر تمام قریش نے مخالفت کی اور آپ کے دشمن ہو گئے اُس موقعہ پر بھی ابو طالب نے ساتھ دیا اور اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی اور آپ نے بے حد کوشش ان کے مسلمان ہونے کی فرمائی لیکن محض اس وجہ سے کہ انھوں نے نہیں ارادہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش اور محبت کچھ بھی ان کے کام نہ آئی اور آخر کا

اپنی قدیم ملت پر ان کا خاتمہ ہو گیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنج ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ (بیشک آپ ہدایت نہیں دیتے جس شخص کو آپ چاہیں لیکن بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں) اس موقع پر ایک بات طالب علموں کے کام کی ذہن میں آئی وہ یہ کہ یَشَاءُ کی ضمیر جس طرح خدا تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ چاہیں ہدایت دیں اسی طرح مَنْ کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص خود اپنی ہدایت چاہے اُس کو خدا تعالیٰ ہدایت فرماتے ہیں اور دلیل اس معنی کے صحت کی یہ آیت ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعَىٰ لَهَا سَعِيْهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعِيْهُمْ مَشْكُوْرًا (اور جو شخص آخرت رکے ثواب کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے جیسی سعی کرنا چاہیے ویسی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی) کیونکہ اَرَادَ اور يَشَاءُ ایک ہی بات ہے تو معلوم ہوا کہ اصلاح کا مدار خود اپنے چاہنے پر ہے دوسرے کے چاہنے اور کوشش کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کا ارادہ اسی وقت بار آور ہوگا کہ جب خدا تعالیٰ بھی چاہیں لیکن اس کا چاہتا بھی ضرور ہے تو مَنْ کی طرف اگر ضمیر راجع ہو تو معنی بہت لطیف ہوں گے کہ ہدایت اس کو ہوتی ہے جو خود اپنی ہدایت چاہے اور ابو طالب نے چاہا نہیں اس لئے ہدایت نصیب ہوئی نہیں اور جب ابو طالب کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے سے کچھ نفع نہ ہوا تو آج کون شخص ہے جو ابو طالب سے زیادہ حق دار ہو اور کون بزرگ ہے جس کی تمنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمنا سے زیادہ مقبول ہو۔ پس معلوم ہوا کہ جب تک خود ارادہ نہ کرے دوسرے کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کیونکہ تمنا دوسری چیز ہے، ارادہ دوسری چیز ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میرے بچپن میں دو شخص حج کو جانے کی بابت تذکرہ کر رہے تھے ان میں سے ایک

نے کہا بھائی ارادہ تو ہر مسلمان کا ہے میں نے کہا کہ صاحب یہ بالکل غلط ہے اگر ارادہ ہر مسلمان کا ہوتا تو ضرور سب کے سب حج کر آتے۔ ہاں یوں کہتے کہ تمنا ہر مسلمان کی ہے سو نری تمنا سے کام نہیں چلتا ارادہ کہتے ہیں سامان کے مہیا کرنے کو مثلاً ایک شخص تو زراعت کرنا چاہتا ہے لیکن اس کا کوئی سامان مہیا نہیں کرتا اور ایک شخص اس کا سامان بھی کر رہا ہے تو پہلے شخص کو متمنی اور دوسرے کو مرید کہیں گے اسی طرح اگر دو شخص جامع مسجد پہنچنا چاہیں مگر ایک تو اپنی جگہ بیٹھا ہوا تمنا ظاہر کئے جائے اور ایک شخص چلنا شروع کر دے تو دوسرے کو مرید کہیں گے اور پہلے کو متمنی تو جب ارادہ ہوتا ہے کام بھی ضرور پورا ہو جاتا ہے اگر کسی وجہ سے خود قدرت نہیں ہوتی تو کوئی رہبر مل جاتا ہے جو معین ہو کر کام پورا کر دیتا ہے اسی کو کہتے ہیں **السَّعْيُ مُصْتَبِيٌّ وَالْإِتْمَانُ مِنْ اللَّهِ** (کوشش کرنا میری طرف سے ہے اور اس کو پورا کرنا اللہ کی طرف سے ہے) پس کام شروع کر دینا چاہیے خدا تعالیٰ خود مدد کریں گے اور کام پورا ہو جائیگا میں ایک عالی ہمتی کی حکایت آپ کو سناتا ہوں۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے بلایا ہے تو جس مکان میں ان کو لے کر گئی ہے تو یکے بعد دیگرے سات حصے اس مکان کے تھے اور ہر حصہ مقفل تھا اور قفل بھی ہر حصے کے نہایت مضبوط تھے غرض پورا سامان کیا گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام باہر نکل کر نہ جاسکیں آخر زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش کا اظہار کیا دھمکی بھی دی لجاجت بھی کی لیکن عصمتِ نبوت کے سامنے ایک بھی نہ چلی۔ واقعی حضرت یوسف علیہ السلام ہی کا کام تھا کہ اس مصیبت میں بھی ان کو اتنا قوی توکل رہا جو آگے معلوم ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ مکان سب مقفل ہیں نکلنے کی کوئی صورت بظاہر نہیں مگر ساتھ ہی قوتِ توکل نے ہمت دلائی کہ مجھ کو اپنا کام تو کرنا چاہیے خدا تعالیٰ ضرور مدد کریں گے۔ چنانچہ آپ نے وہاں سے بھاگنا شروع کیا اور زلیخا آپ کے پیچھے ہوئی، لکھا ہے جس دروازے پر آپ

پہنچتے تھے قفل ٹوٹ کر جاتا تھا اور دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا۔ اسی طرح ساتوں دروازے کھل گئے اور آپ صبح و سالم عفت کے ساتھ باہر نکل آئے اسی کی طرف اشارہ کر کے مولانا فرماتے ہیں

گرچہ رخت نیست عالم را پدید خیرہ یوسف وارے باید دوید
 کہ اگرچہ قصر عالم میں کوئی دروازہ نظر نہیں آتا کہ اس سے نکل کر تم نفس شیطان
 کے پھندے سے بچ سکو لیکن مایوس پھر بھی نہ ہونا چاہیے۔ حضرت یوسف
 علیہ السلام کی طرح دوڑنا تو چاہیے پھر دیکھئے دروازہ پیدا ہوتا ہے کہ نہیں۔
 بہت لوگ اس انتظار میں ہیں کہ فلاں کام سے فراغت کر لیں تو پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح
 کی تدابیر میں لگیں کسی کو لڑکے کی نکاح کی فکر ہے، کسی کو مکان بنانے کی فکر ہے کسی کو
 جائداد کا شغل ہے۔ صاحبو! ذرا غور کرو کتنے برس یہ کہتے ہوئے گذر گئے کہ اب کے
 برس کچھ ضرور کر لیں گے مگر آج تک ضروریات اور حاجات کا سلسلہ ختم ہونے نہیں
 آتا۔

ع لا ینتھی ارب الاری الارب

دنیا کی ہر ضرورت کا خاتمہ ایک ہی ضرورت پر ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ دوسری
 ضرورت پر وہنکڈا الی غیر النہایت۔ آخر یہ عمر دنیا یوں ہی تمام ہو جاتی ہے۔
 پس امروز فردا پر ٹالنے سے کیا فائدہ، ہمت کر کے کام شروع کر دینا چاہیے۔
 خدا تعالیٰ خود مدد کریں گے کامل نہ ہو گے تو خالی بھی نہ رہو گے اگر تم کو صدیقیت کا
 درجہ بھی نصیب نہ ہو تو کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی ہو رہو گے کم از کم خدا تعالیٰ کے ساتھ
 ایک محبت اور لگاؤ دنیا سے بے تعلقی اور طبیعت کا اچھا و ضروری ہو جائیگا۔
 مگر افسوس ہے کہ ہماری یہ حالت ہے۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم

باز چوں فردا شود امروز فردا کستم

(ہر رات وعدہ کرتا ہوں کہ کل اس پاگل پن کو چھوڑ دوں گا اور جب کل ہو جاتی ہے

تو اگلے دن پر ٹال دیتا ہوں)

کہ روزِ یہی وعدہ رہا کہ کل ضرور کر لیں گے مگر ساری عمر اسی کل کل میں گذر گئی اور کل نصیب نہ ہوئی حتیٰ کہ موت کا وقت سر پر آجاتا ہے اور اس وقت بجز حسرت کے اور کچھ نہیں بن پڑتا اور یہ تمنا کرتا ہے کہ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْتُ وَأَكُنُّ مِنَ الصَّالِحِينَ (اے میرے پروردگار کیوں نہیں موخر کر دیا مجھ کو تھوڑی سی مدت کے لئے تاکہ میں تصدیق کرتا اور صالحین میں سے ہو جاتا) مگر یہ تمنا رد کر دی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا أَجَلُهَا (اور ہرگز نہ مہلت دے گا اور اللہ تعالیٰ کسی نفس کو جبہ آجائے اُس کا وقت) کہ اب ایک ساعت کی مہلت بھی نہیں مل سکتی اور صاحبو ہم تو کیا چیر ہیں کہ ہم کو کچھ مہلت مل سکے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو کہ نبی معصوم و مقبول ہیں انہوں نے جب بیت المقدس کی تعمیر شروع فرمائی اور اختتامِ تعمیر سے قبل آپ کی وفات کا وقت آگیا تو آپ نے یہ تمنا کی کہ بیت المقدس کی تعمیر تیار ہو جائے تاکہ مہلت دی جائے لیکن قبول نہ ہوئی غور کیجئے نبی کی درخواست اور بیت المقدس کی تعمیر کیلئے مگر نامنظور۔ آخر آپ نے یہ درخواست کی کہ مجھے اس طرح موت دی جائے کہ جنات کو میری موت کی اطلاع اس وقت تک نہ ہو جب تک کہ یہ تعمیر پوری نہ ہو جائے چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی اور آپ حسبِ عادت اپنے عصا پر سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور اسی حالت میں روح قبض ہو گئی اور سال بھر تک آپ کی لاش اسی طرح کھڑی رہی۔ جنات نے آپ کو زندہ سمجھ کر کام جاری رکھا حتیٰ کہ جب تعمیر پوری ہو گئی اس وقت آپ کی لاش زمین پر گر گئی اور جنات کو اس وقت آثار سے معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو اس قدر زمانہ گذر گیا ہے اسی کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں مَا دَلَّكُمْ عَلَىٰ صُوتِهِمْ إِلَّا دَابَّةٌ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَدَّ بَتَيْنَتِ الْجِبْتِ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبِ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُبِينِ ۝ (اور نہیں خبردار کیا ان جنات) کو ان (حضرت سلیمان علیہ السلام) کی موت کے واقع ہونے پر لیکن زمین پر ریگنے والے جانوروں نے جو کھا رہے تھے اس ڈنڈے کو

پس جب وہ گرے تب جنات پر دلیل ظاہر ہوئی کہ اگر غیب کی باتوں کو جانتے ہوتے تو اس رسوائی کے عذاب میں نہ ٹھہرے رہتے) اور اس طریقہ پر موت دینے سے لوگوں کو یہ بھی ہدایت ہو گئی کہ جنوں کو علم غیب نہیں تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس تیار کرنے کے لئے مہلت نہیں دی گئی تو ہم کو بیت المقدس تیار کرنے کے لئے مہلت کب مل سکتی ہے۔

غرض اس جملہ تقریر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم لوگ ارادہ تو کرتے ہیں لیکن ارادۃ الفعل نہیں کرتے کیونکہ ارادۃ الفعل وہ ہے جو کہ مقارن ہو فعل کے ساتھ کہ اس کے بعد فعل متخلف ہی نہ ہو اور جس کو ہم ارادہ کہتے ہیں وہ نری ہو س ہے دیکھئے اگر ایک شخص کھانا کھانے کا ارادہ کرے لیکن نہ ہاتھ ہلائے نہ منہ چلائے نہ منہ کھولے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے کھانے کا ارادہ کیا ہاں یہ کہیں گے کہ اس نے کھانے کی ہوس اور تمنا کی اور جو لوگ بزرگوں کی توجہ کے امیدوار بیٹھے ہیں ان سے کوئی یہ تو پوچھے کہ کیا ان بزرگ کو بھی نری توجہ سے سب کچھ حاصل ہو گیا تھا یا ان کو کچھ کرنا پڑا تھا اگر ان کو کچھ خود بھی کرنا پڑا ہے تو کیا وجہ کہ تم کو نری توجہ سے حاصل ہو جائے۔ اور بزرگوں کی توجہ سے ازکا نہیں بیشک بزرگوں کی توجہ سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے لیکن اس توجہ کے اثر کے لئے محل قابل کی بھی ضرورت ہے دیکھو اگر کھیتی کرنا چاہو تو زمین میں تخم ریزی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ تخم ریزی اس وقت کارآمد ہوتی ہے جبکہ زمین بنجر نہ ہو ورنہ تخم بھی ضائع ہوتا ہے اور محنت اور جانکاہی بھی رائیگاں جاتی ہے پس اول قابلیت پیدا کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول ارادہ کرو ہاں نرا ارادہ بھی کافی نہیں جب تک کہ توجہ بزرگان نہ ہو، کیونکہ

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق گر ملک باشد یہ ہستش ورق
 (بغیر خدائے تعالیٰ اور ان کے مخصوص بندوں کی عنایت اور مہربانیوں
 کے اگر بادشاہ ہو تو اس کی ہستی کا ورق بھی سیاہ ہو جاتا ہے)

اصل میں ارادہ کے پورا ہونے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ عنایتِ خداوندی متوجہ ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ بزرگانِ خود متوجہ ہوں اکیلے کوئی کسی کا کام نہیں ہوا ہے

یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاؤ ز اندرین صحرا مرو
کہ اس جنگل میں تنہا نہ چلو کسی رہبر کو ضرور ساتھ لے لو کہ وہ تم کو راستے کے خطرات سے محفوظ رکھے آگے کہتے ہیں

ہر کہ تنہا نادر این رہ را برید ہم بہ نغون ہمت مرداں رسید

راول تو یہ سفر بہت ہی کم لوگ طے کر پاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ

وہ بھی کسی واسطہ سے بزرگوں کی توجہ ہی سے کامیاب ہو گئے

کہ اگر تم نے کسی کی حکایت سن لی ہو کہ وہ بغیر کسی رہبر کے اس رستے کو طے کر گئے تو اول تو یہ نادر ہے دوسرے واقع میں وہ بھی کسی کی ہمت کی بدولت منزل تک پہنچے ہیں اگرچہ ظاہر نظر میں معلوم نہ ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی بہت سی مخلوق بلا کسی تعلق کے ہمارے لئے دعا کرتی ہے گو ہم کو خبر بھی نہ ہو تو کوئی شخص اپنے کو مستغنی نہ سمجھے اسی لئے فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

بے رفیقی ہر کہ باشد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

گر ہولتے این سفر داری و لا دامن رہبر بگیری پس بیا

دیر را رادت باش صادق ای فرید تا بیا بی گنج عرفاں را کلید

(بغیر ساتھی کے جو بھی عشق کے راستے میں چلا تو اس کی عمر تمام ہو گئی اور وہ عشق سے

آگاہ نہ ہو سکا۔ اے دل اگر اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو کسی راستہ بتانے والے کا

دامن پکڑ پھر چل اپنے ارادے میں مخلص ہو جا اے فرید تاکہ معرفت کے خزانہ

کی کنجی تیرے ہاتھ آئے)

غرض نہ بغیر چلے کام چلتا ہے نہ بے رفیق سیدھا راستہ ملتا ہے۔ دیکھو اگر ایک نابینا شخص کسی جگہ پہنچنا چاہے تو اول اس کو چلنے کی ضرورت ہے اگر چلے ہی نہیں

تو ہزار رفیق ملنے پر بھی رستہ قطع نہیں ہوگا اور چلنے کے بعد رفیق و رہبر کی ضرورت ہے کیونکہ اگر رہبر نہ ہو تو نا آشنا رستہ میں کسی جگہ ضرور ٹکڑ کھا کر گرے گا۔ بے خطر منزل پر پہنچنے کی صورت یہ ہی ہے کہ اپنے پیروں چلے اور رہبر کا ہاتھ پکڑ لے بالکل ایسی ہی حالت اس رستہ کی بھی ہے کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کر دینا اپنے پیروں چلنا ہے اور کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا رہبر کا ہاتھ پکڑنا ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ لوگ جو آج کل نری پیری مریدی کو اصل کام سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے۔ نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا اصل کام خود چلنا ہے اور کسی رہبر کا ہاتھ پکڑ لینا اگرچہ مرید کسی سے بھی نہ ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ سلسلہ میں داخل ہونے کے برکات کچھ بھی نہیں ہیں اس کے برکات ضرور ہیں لیکن اسی کو اصل الاصول سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ آج اس پیری مریدی کے متعلق وہ جہل پھیلا ہے کہ الامان الحفیظ۔ میرے ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ ایک مکار پیر صاحب کسی گائوں میں پہنچنے اتفاق سے بہت ہی نحیف ہو رہے تھے، مریدوں نے پوچھا کہ پیر تم اس قدر ضعیف کیوں ہو پیر صاحب نے جواب دیا کہ ظالموں تمہیں میرے ضعف کی خبر نہیں دیکھو میں اپنا بھی کام کرتا ہوں اور تمہارا بھی۔ تم نماز نہیں پڑھتے میں تمہاری طرف سے نماز پڑھتا ہوں تم روزہ نہیں رکھتے میں تمہاری طرف سے روزے رکھتا ہوں اور سب سے بڑی مشقت یہ ہے کہ سب کی طرف سے پل صراط پر چلتا ہوں جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے بس ان فکروں نے لاغر کر دیا۔ مرید یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور ایک گوجر نے خوش ہو کر کہا کہ پیر میں نے تجھے اپنا موبخی کا کھیت بخش دیا پیر کو خیال ہوا کہ دیہاتی لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے اسی وقت چل کر قبضہ کر لینا چاہیے۔ کہا بھائی ابھی چل کر دیدو چنانچہ وہ گوجر ساتھ ہولیا رستہ میں اتفاق سے کسی ڈول سے پیر صاحب کا پیر پھسل گیا۔ اور گر گئے۔ گرنے کے ساتھ ہی اس گوجر نے ایک لات رسید کی اور کہا کہ توجیب اتنی چوڑی سینڈ پر

نہیں چل سکا تو پل صراط پر کس طرح چلتا ہوگا تو جھوٹا ہے جاہم تجھے اپنا کھیت نہیں دیتے تو صابو! سچ بات یہ ہی ہے کہ کام اپنے ہی کئے سے ہوتا ہے کسی دوسرے کے کئے کوئی کام نہیں ہوتا اور میں کہتا ہوں کہ اگر دوسرے کے کرنے سے کام ہو جاتا، اور اپنے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تو اس کی کیا وجہ کہ یہ قاعدہ دین ہی کے کاموں میں برتا جاتا ہے دنیا کے کاموں سے بھی کیوں ہاتھ نہیں اٹھا لیا جاتا اور ان کو بھی کیوں پیر صاحب کے بھروسہ پر نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ بس نہ کھاؤ نہ پیو نہ کھیتی کرو سب کام تمہاری طرف سے پیر ہی کر لیا کریں گے۔ ان ہی کے کھانے سے تمہارا پیٹ بھر جائے گا ان ہی کے پانی پینے سے تمہیں تسکین ہو جائے گی افسوس ان کاموں میں تو اس قاعدے پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اپنے کرنے کو ضروری سمجھا گیا اور دین کے کام کو اس قدر رستا اور بے وقعت سمجھا گیا کہ اُس میں اس قسم کے قاعدے برتے گئے۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ اودھ میں ایک پیر تھے کہ وہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ان کے مرید کہا کرتے تھے کہ ننگہ مکرمہ میں جا کر نماز پڑھتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے سُن کر کہا کہ صاحب اس کی کیا وجہ کہ نماز کے لئے تو مکہ مکرمہ کو اختیار کیا جائے اور کھانے پکھانے کے لئے ہندوستان کو اگر نماز وہاں پڑھی جاتی ہے تو کھانا ہگنا بھی وہیں ہونا چاہیے اور اگر یہ ہندوستان میں ہوتا ہے تو نماز بھی ہندوستان میں ہونی چاہیے کیونکہ ہندوستان میں ہم پوس نہیں ہے اور اپنے اس قاعدے میں کہ سب پیر ہی کریں گے غور کر کے دیکھو اس کا حاصل تو یہ ہے کہ گویا پیر تمہارے کمین ہیں کہ گناہ تم کرو اور پیر اس کو اٹھائیں یاد رکھو کہ پیر صرف رستہ بتلانے کے لئے ہیں کام کرنے کے لئے نہیں کام تم کو خود کرنا چاہئے۔ اس تقریر پر شاید اہل فن کو یہ شبہ ہو کہ بعض مرتبہ مرشد کی توجہ سے طالب کے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ خود محنت کرنے سے پیدا نہیں ہوتی سو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف اس کیفیت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اگر خود کچھ نہ کیا جائے تو یہ کیفیت باقی بھی نہیں رہتی۔ اس کیفیت کی

مثال ایسی سمجھتی چاہیے جیسے آگ کے سامنے بیٹھنے سے بدن کا گرم ہو جانا لیکن یہ گرنی باقی نہیں رہتی آگ کے سامنے سے ہٹ کر ہوا لگی کہ بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوئی۔ اسی طرح اس کیفیت میں بھی پیر سے جدا ہوتے ہی کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔

ایک بزرگ نے اپنے ایک ہم عصر بزرگ سے کہا کہ تم اپنے مریدوں سے محنت لیتے ہو اور ہم نہیں لیتے انھوں نے یہ سن کر اپنے مرید سے کہا کہ تم ذرا ان کے مرید سے مصافحہ تو کرو مصافحہ کرنا تھا کہ وہ کم محنت مرید خالی رہ گئے پیر نے ان سے کہا کہ دیکھا نتیجہ محنت نہ کرنے کا اب تم ہمارے کسی مرید کو تو اس طرح کورا کر دو بات یہ ہے کہ اپنی کمائی کی قدر بھی خوب ہوتی ہے اور مفت کی چیز کی کچھ قدر نہیں ہوتی ہے

ہر کہ اور زراں خود اور زراں دہد گوہرے طفلے بقصریں ناں دہد

جو شخص سستا کما تا ہے وہ سستا دیتا ہے۔ بچہ روٹی کی ٹکیہ کے بدلے

موتی دے دیتا ہے)

مشہور ہے کہ ایک شخص ادھوڑی کا جو تہ دو شالے سے جھاڑ رہا تھا لوگوں نے اس سے سبب پوچھا تو کہا کہ دو شالہ تو میرے والد کی کمائی کا ہے اور جو تہ میری کمائی کا ہے۔ تو جو لوگ اپنے بونہ پر کرتے ہیں ان کی حالت ساری عمر یکساں رہتی ہے البتہ ان میں شور و غل اچھل کود نہیں ہوتی اور نہ یہ مطلوب ہے دیکھو اگر کوئی بچے کی تربیت کرنا چاہے تو طریقہ اس کا یہ ہے کہ اس کو تھوڑا تھوڑا کھلائے کہ جڑ و بدن ہو اور اس سے نشوونما پیدا ہو۔ اسی طرح شیخ کامل بھی ایک ہی دن رب کچھ نہیں بھردیتا کیونکہ اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ طالب کو حالات کا ہیضہ ہو اور ایک ہی دن میں خاتمہ ہو جائے بلکہ وہ بتدریج اس کو آگے کو بڑھاتا ہے اور جو لوگ اناڑی ہیں اور طریق تربیت سے ناواقف و نا آشنا ہیں وہ ایک دم میں بھردیتا چلہتے ہیں

ایسے لوگوں کو عوام الناس بہت بزرگ سمجھتے ہیں حالانکہ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے تعلقات اس سے چھوٹ جاتے ہیں نہ بیوی کے کام کا رہتا ہے نہ بچوں کے اور یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

(تو ملانے کے لئے آیا ہے نہ کہ جدائی پیدا کرنے کے لئے)

خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں ایک عام عنوان سے فرماتے ہیں وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ (اور وہ لوگ قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) افسوس آج اسی کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں دیکھتے اولاد کو منہ بھی نہیں لگاتے بیوی تک کو نہیں پوچھتے ہر وقت قربِ خداوندی میں غرق رہتے ہیں۔ صابو کیا کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی قریب میں زیادہ ہو سکتا ہے کبھی نہیں۔ پھر دیکھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت کیا تھی، آپ ازواجِ مطہرات کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے اولاد کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک کو پیار کر رہے تھے اور ایک بچہ کے رئیس پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دس بیٹے ہیں میں نے تو آج تک کسی ایک کو بھی پیار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا اگر خدا تعالیٰ نے تیرے دل ہی میں سے رحم نکال نکال لیا تو اس کو میں کیا کروں۔ اور آپ کا ارشاد ہے مَنْ لَوْ يَرْحَمُ صَغِيرَنَا وَلَوْ يُؤْتِرُ كِبِيرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا (جس شخص نے نہیں رحم کیا ہمارے چھوٹوں پر اور جس شخص نے نہ احترام کیا ہمارے بڑوں کا پس وہ ہم میں سے نہیں) اس واقعہ سے پورا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت اور مرضی کا ہو گیا ہوگا۔ پس نرا جوش اور مستی یا ترکِ تعلقاتِ واجبة الالبتار

بزرگی نہیں ہو سکتا اور اگر کسی کا نام بزرگی ہے تو شہۂ شراب اور حالت جنون بھی بزرگی ہے کیونکہ ان دونوں میں یہ بات خوب حاصل ہو جاتی ہے صاحبو بزرگی کا معیار یہ ہے کہ جتنی درویشی میں ترقی ہوتی جائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشابہت بڑھتی جائے کیونکہ ولایت مستفاد عن النبوة ہے افسوس یہ ہے کہ یہ لوگ علماء کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لئے بہت سی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ بزرگی کا ایک معیار یہ بھی تراش رکھا ہے کہ جو شخص آنکھیں چا رہے ہوتے ہی مدہوش کر دے اٹھا کر زمین پر پٹک دے وہ بڑا بزرگ ہے حالانکہ یہ بالکل ہی لغو ہے، اگر یہ بزرگی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ضرور اس کو برتنا چاہیے تھا پھر کیا وجہ کہ جب کفار نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ اس کے منتظر رہے کہ یہ لوگ غافل ہو جائیں تو میں نکل کر جاؤں، کیوں آپ نے ایک ہی نگاہ میں سب کو مدہوش نہیں کر دیا۔ جب مدینہ طیبہ تشریف لے چلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاروں طرف دیکھتے چلتے تھے۔ سراقہ جو کہ آپ کی تلاش کے لئے بھیجا گیا تھا جب سامنے آ گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراقہ چلا آ رہا ہے۔ آپ نے اس وقت بھی خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اَللّٰهُمَّ اَكْفِتْنَا شَرَّكَ رَاۤءِ اللّٰهِ رُوک دے ہم سے اُس کے شر کو، چنانچہ پیٹ تک اس کا گھوڑا زمین میں دھس گیا۔ سراقہ نے کہا کہ غالباً آپ نے میرے لئے بد دعا کی ہے میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں قریش کو آپ کا پتہ نہ دوں گا۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور اُس کا گھوڑا زمین سے نکل آیا اور پھر کسی سے اطلاع نہیں کی اس واقعہ سے آجکل کے لوگوں کو سبق لینا چاہیے کہ اس زمانہ کے کفار میں بھی صدق و ایقانے عہد تھا۔ آج کل کی طرح پولیٹیکل چالیں نہ تھیں بلکہ آج سے

چند روز پیشتر تک بھی یہ اوصاف اکثروں میں موجود تھے مگر صد حیف کہ آج بالکل مفقود ہیں اور بالخصوص مسلمانوں کی حالت تو اس وقت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے دن میں سینکڑوں جھوٹے وعدے کرتے ہیں بیسیوں لکر کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ رنج کی بات یہ ہے کہ مقدمہ بھی اس حالت سے پاک نہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

بقمار خانہ رستم ہمہ پاکباز دیدم چو بہ صومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی
 کہ میں قمار خانہ میں گیا تو دیکھا کہ سب پاکباز جمع ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قمار خانہ کے جو مقرر کردہ اصول تھے سب کے سب ان پر چل رہے تھے اس میں کسی قسم کا دخل نہ تھا اور بعنوان محاورہ کسی قسم کی بے ایمانی نہ تھی کیونکہ وفائے عہد کو لوگ ایمان داری کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جن اصول پر قمار ٹھہرا تھا ان میں خلاف عہد نہ ہوتا تھا اور جب صومعہ میں گیا تو دیکھا کہ جن اصول پر یہاں حق تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس میں وفا نہیں اور ان کو پورا نہیں کیا جاتا مثلاً عہد کیا تھا کہ رَاتَا لَكَ نَعْبُدُ وَرَاتَا لَكَ نَسْتَعِينُ (ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی درخواست اعانت کی کرتے ہیں) حالانکہ اس عہد کو وفا نہیں کیا جاتا کیونکہ دل میں ہزاروں غیر اللہ من وجہ درجہ معبودیت اور مستعانتہ لئے ہوئے بھرتے ہیں۔ صاحبو پہلے لوگ اس قدر سیدھے سادے بھولے ہوتے تھے کہ ان کی کسی قسم کی چالاکی آتی ہی نہ تھی میرے ایک رشتہ دار بزرگ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد زمیندار تھے ایک مرتبہ کاشتکار اناج لایا۔ اُن زمیندار نے پوچھا کہ یہ کس قدر ہے کاشتکار نے نوٹے من بتلایا انھوں نے کہا کہ ہم سے تو اسی من ٹھہرا تھا کاشتکار نے کہا نہیں جناب نوٹے من ٹھہرا تھا بہت دیر تک اس میں جھگڑا رہا۔ آخر ان کے صاحبزادے نے بہت سی کنکریاں جمع کر کے ایک ڈھیر نوٹے کنکریوں کا اور دوسرا اسی کنکریوں کا رکایا اور ان زمیندار سے گنگوا کر پوچھا کہ یہ اسی زائد ہیں یا نوٹے انھوں نے نوٹے کو زائد بتلایا تو انھوں نے کہا کہ کاشتکار اس قدر من دینا چاہتا ہے جس قدر یہ نوٹے کنکریاں ہیں تب ان دونوں کا جھگڑا ختم ہوا۔ سبحان اللہ کیسے اچھے وقت تھے کہ کفار میں بھی چالیں نہ تھیں۔ یہی وجہ

تھی کہ سرات نے جو عہد آپ سے کیا تھا اس کو پورا کیا۔ اور جو شخص اس کو رستے میں ملتا گیا اس سے کہتا گیا کہ میں بہت دور تک دیکھ آیا ہوں ادھر کہیں نہیں ملے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت امن و امان سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرات کے ساتھ یہ نہیں کیا کہ اس کو ایک نظر میں اڑا دیتے یا گرا دیتے بلکہ خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشویش سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا یعنی نظر بے ہوش کرنے کا کبھی احتمال ہی نہ تھا ورنہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان نہ ہوتے بلکہ مطمئن رہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نظر بھی کریں گے تو یہ فوراً لوٹ پوٹ ہو جائے گا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ ہاں نظر و توجہ سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ راہ پر لگایا جائے آگے جو کچھ ہوتا ہے اپنے کرنے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ بڑے امیر زادہ ہیں اور نظر کردہ ہیں ان کی حالت یہ تھی کہ متوحشاتہ جنگلوں میں پھر کرتے تھے، ان کے والد ان کو نکما بیکار سمجھا کرتے تھے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کو مکشوف ہوا کہ فلاں مقام پر فلاں رئیس کا ایک لڑکا ہے اُس کی تربیت کرو۔ حضرت نجم الدین تشریف لائے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ کے والد نے نہایت تعظیم و تکریم سے مہمان کیا اور عرض کیا کیسے تکلیف کی انھوں نے فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو جمع کرو چنانچہ انھوں نے حافظ رحمۃ اللہ کے سوائے سب بیٹوں کو بلا کر پیش کیا، آپ نے سب کو دیکھا اور فرمایا کہ کیا ان کے سوا کوئی اور لڑکا نہیں حافظ رحمۃ اللہ کے والد حافظ رحمۃ اللہ کو کا لعدم کہتے تھے اس لئے جواب دیا کہ اور کوئی نہیں، انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے اور وہ ان میں معلوم نہیں ہوتا تب انھوں نے کہا کہ ایک اور ہے مگر نہایت آوارہ دار جنگلوں میں پھرتا ہے۔ حضرت نجم الدین نے فرمایا کہ ہاں اسی کی ضرورت ہے،

حافظ رحمہ اللہ کے والد کو بڑا تعجب ہوا کہ اس دیوانے سے حضرت کو کونسا کام ہوگا اور یہ خبر نہ تھی۔

ع: کہ آپ چشمہٴ حیواں درون تار کی رست

(اب حیات کا چشمہ تو تار کی میں ہے)

چنانچہ تلاش کے بعد حافظ علی وحشی خاک آلودہ اور ان کو حضرت نجم الدین کبریٰ کے سامنے پیش کیا گیا حافظ رحمہ اللہ نے جب حضرت کی صورت دیکھی تو بے اختیار زبان سے نکلا۔

آنا تکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشہٴ چشمے بما کنند

دردم نہ ہفتہ بہ طبیبان مدعی

یا شد کہ از خزانہٴ عینیش دوا کنند

دکھیا وہ ہماری جانب بھی التفات فرمائیں گے ان بڑے بڑے دعوے

کرنے والے طبیبوں سے میرا درد چھپائے رکھنا ہی اچھا ہے۔ انہیں چاہیے

کہ خزانہٴ غیب سے میری دوا کریں۔

آپ نے سینے سے لگا کر فرمایا کہ بہ تو نظر کردم۔ حضرت نجم الدین کبریٰ بہت بڑے شخص ہیں ان کا انتقال اس طرح ہوا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے کسی کو کوئی شعر پڑھتے سنا کہ اس کا ایک مصرعہ یہ تھا

جاں بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ

آپ نے فرمایا کہ افسوس محبوب جان طلب کر رہا ہے اور کوئی نہیں

سنتا اور فرمایا کہ۔ جاں دادم و جاں دادم و جاں دادم اور اس میں انتقال

ہو گیا۔ غرض حافظ رحمہ اللہ کو سینے سے لگا کر انھوں نے فیض دیا لیکن وہ فیض

کافی نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد یا اس سے قبل مجاہدے کی بھی ضرورت ہوئی یہ

دوسری بات ہے کہ قابلیتِ تامہ کی وجہ سے زیادہ مجاہدہ کی ضرورت نہ ہوئی

ہو۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ قوی الاستعداد ہوتے ہیں

ان کو تھوڑے کام میں بہت کچھ نفع ہو جاتا ہے۔ حضرت سلطان نظام الدین

اولیاءِ قدس اللہ سرہ کے پاس ایک شخص آیا اور ایک ہفتہ میں خلافت لے کر چلا گیا آپ کے دوسرے مرید اس کو دیکھ کر دل میں بہت خفا ہوئے اور یہ دوسرے مرید ہوا کہ شیخ ہماری طرف پوری توجہ نہیں فرماتے آپ نے ان لوگوں کے انداز سے اس دوسرے کو تاڑ لیا اور ان کے علاج کے لئے فرمایا کہ کچھ تراور کچھ سوکھی لکڑیاں جمع کرو جب جمع ہو گئیں تو فرمایا کہ گیلی لکڑیوں میں آگ لگاؤ سب نے بہت کوشش کی لیکن ان میں آگ نہ لگی اس کے بعد فرمایا کہ ان سوکھی لکڑیوں میں آگ لگا دو چنانچہ ان میں فوراً آگ سلگ اٹھی آپ نے فرمایا کہ کیا وجہ یہ لکڑیاں اس قدر جلد کیوں سلگ اٹھیں اور پہلی لکڑیوں میں کیوں آگ نہیں لگی۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضور پہلی لکڑیاں گیلی تھیں اور یہ سوکھی ہیں گیلی لکڑیوں میں آگ نہیں لگا کرتی۔ آپ نے فرمایا کہ ظالمو تم گیلی لکڑیاں ہو کر میری شکایت کرتے ہو اور اس سوکھی لکڑی کے جل اٹھنے پر تعجب کرتے ہو وہ سوختہ ہو کر آیا تھا صرف ایک پھونک کی ضرورت تھی چنانچہ ایک ہی پھونک میں بھڑک اٹھا اور تم گیلی لکڑی ہو کہ رات دن دھونکا تا ہوں مگر تم آگ ہی نہیں پکڑتے سو اس میں میری جانب سے کمی ہے یا تمہارا قصور ہے بغرض بعض سوختہ دل ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے تھوڑے ہی کام میں سب کچھ حاصل ہو جائے لیکن آگے یا پیچھے کچھ نہ کچھ مجاہدہ ضرور کرنا پڑتا ہے۔ اور کرنے پر بھی جو کچھ ملتا ہے وہ محض فضلِ خدا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ پر کسی کا زور نہیں ہے مگر عَادَةُ الشَّرِیوں جاری ہے کہ جو اُدھر توجہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو بہت کچھ دیتے ہیں **مَنْ تَقَرَّبَ إِلَى شَيْءٍ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ يَأْتِيهِ** جو شخص میری طرف ایک بالشت ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں) کے یہی معنی ہیں تو صابو کیا یہ بات کچھ کم ہے کہ کام پیسے کا کیا جائے اور ملے ایک اشرفی سے

خود کہ باید ایس چنیں بازارا کہ بیک کل مے خری گلزارا
(اپنے لئے اتنا بڑا بازار حاصل کرتے ہیں جو کہ ایک پھول دے کر باغیچہ خریدتا ہے)

کہ دیا تو ایک پھول اور اس کے عوض مل گیا ایک باغ خوب کہا ہے ۵
 نیم جاں بتاند و صد جاں دہد این چه دردہمت نیاید آن دہد
 (آدھی جان لیتے ہیں اور سو جانیں دیتے ہیں اور جو خیر تمہارے دہم و گمان میں بھی
 نہیں ہوتی وہ عطا کرتے ہیں)

کہ آدھی جان لے کر سینکڑوں جانیں دیتے ہیں غرض یہ ہے کہ جو تدبیر کرنے کی ہے
 لوگ اُسے نہیں کرتے صرف ناتمام تدابیر پر اکتفا کرتے ہیں حالانکہ تدبیر پوری
 کرنی چاہئے تب فائدہ مرتب ہوتا ہے۔ اب میں مختصر کرتا ہوں اور غفلت عن الآخرة
 کے مضمون کو ایک جملہ سے واضح کرتا ہوں کہ دیکھئے جب کسی سفر کا قصد ہوتا ہے
 تو اس کے لئے کس قدر سامان کرتے ہو کہ مثلاً چار دن پہلے سے دھوبنی کو حکم کرتے
 ہو کہ کپڑے جلدی دینا ناشہ کا سامان کرتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ نہیں کیا جاتا کہ
 عین وقت پر سارا سامان کیا جائے بلکہ اگر ایسا کیا جاتا ہے تو بیوقوف بنائے
 جاتے ہیں اور خود بھی اپنے کو بیوقوف سمجھتے ہیں کیوں صاحب جب اس چھوٹے
 سے سفر کے لئے اتنے پیشتر سامان فراہم کیا جاتا ہے تو یہ موت کا اتنا بڑا سفر
 کتنے پہلے اور کتنا بڑا سامان چاہتا ہوگا، کیونکہ یہ وہ سفر ہے کہ اس سے پھر بھی
 واپسی ہی نہ ہوگی پھر اس کے لئے کیا سامان مہیا کیا۔ دنیا میں دو قسم کے لوگ
 ہیں ایک وہ جو اطاعتِ خداوندی میں سرگرم ہیں دوسرے وہ جو مخالفت میں پھنسے
 ہیں پہلی قسم کے لوگوں کے لئے یہ سفرِ رغبت اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے
 سفرِ ہبت ہے اور یہ دونوں صورتیں دنیا کے سفروں میں بھی ہوتی ہیں پس دیکھ لیجئے
 کہ اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کا مدعو ہو جو کہ سفرِ رغبت ہوگا تو اس کے لئے کیا کچھ سامان
 پہلے سے کرے گا اپنے پاس نہ ہوگا تو دوسروں سے قرض لے کر مستعار مانگ کر چیزیں
 جمع کرے گا۔ اور ہر طرح سے درست ہو کر ارادہ سفر کرے گا اسی طرح اگر کسی شخص نے
 مثلاً چوری کی ہو اور گورنمنٹ کی طرف سے اس کے نام سمن آگیا ہو تو غور کیجئے کہ
 جانے سے پہلے وہ کیا کیا سامان کرے گا اپنی صفائی کے گواہ جمع کرے گا دکھلا کر

مل کر مشورہ کرے گا، دوست احباب سے رائے لے گا وغیرہ وغیرہ غرض دونوں قسموں کے سفر میں مختلف طرح کے سامان کئے جاتے ہیں۔ تو کیا وجہ جت ہی دونوں صورتیں آخرت کے سفر میں بھی محتمل ہیں اس میں کیوں سامان نہیں کیا جاتا اور سہل انکاری برتی جاتی ہے۔ صاحبو یہ تو یقینی ہے کہ سفر آخرت آنے والا ہے پس اگر ہم مطیع ہیں تو یہ سفر ہمارے لئے رغبت اور شوق کا سفر ہوگا ورنہ بہت اور خوف کا سفر ہوگا۔ پس بتلائیے کہ آپ نے رغبت کے کیا سامان جمع کئے ہیں اور خلاصی کی کونسی صورتیں پیدا کی ہیں کونسی عبادت کی ہے کتنے حق العبد ادا کر دیئے ہیں۔ بلکہ اگر غور سے دیکھو تو سفر آخرت ہر مسلمان کے لئے رغبت اور بہت دونوں پہلو لئے ہوئے ہے کیونکہ ایمان بین الخوف والرجا ہے، یعنی نہ خدا تعالیٰ پر ناز ہو سکتا ہے اور نہ مایوس ہونا چاہیئے۔

عافل مرد کہ مرکب مردان زہدرا در سزگلاخ باد یہ پہیا بڑیدہ اند

نومید ہم مباش کہ زندان بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

تو مسلمانوں کی اصل حالت یہ ہونی چاہیے کہ رغبت اور بہت ملی ہوئی ہو چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی حالت بیان فرماتے ہیں **يَا عِدْنَآ رَغْبًا وَرَهْبًا وَصَفَانِ فِي جَمْعٍ**۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میدانِ قیامت میں یہ ندا ہو کہ صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو مجھے یہ امید ہوگی کہ وہ شخص میں ہوں۔ اور اگر یہ ندا ہو کہ صرف ایک شخص جہنم میں جائے گا تو مجھے یہ اندیشہ ہوگا کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ غرض مسلمان کو ہر وقت رغبت بھی ہونی چاہیے اور بہت بھی اور جب یہ ہے تو ہر وقت استغفار بھی کرتے رہنا چاہیے۔ اور اعمال میں بھی پوری کوشش ہونی چاہیے۔ اور صاحبو! ایک آدھ وقت کر لینے سے کام نہیں چلتا ضرورت اس کی ہے کہ روز کا دھندا ہو جائے فرماتے ہیں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاسْتَنْظِرُوا نَفْسَ مَا قَدَّمْتُمْ لِغَدٍ** اے ایمان والو!

خدا سے ڈرو اور چاہیے کہ نظر میں رکھے نفس اس چیز کو جس کو اس نے کل کے لئے بیچا، یعنی اس کو سوچو کہ کل کیلئے کیا کر رکھا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے سائے کام چھوڑ کر معطل ہو جاؤ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی دھن لگ جا، اگر روزانہ نصف گھنٹہ بھی اس تفکر کیلئے نکال لیا جاتا تو اللہ تعالیٰ بہت کم نافرمانی ہوگی اور دنیا کی محبت جاتی رہیگی پھر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ حالت ہوگی کہ تم دنیا کے سبکارو بار کرو گے لیکن ان کاموں میں جی نہ لگے گا۔ اور اس کے بعد وہ چیزوں کی اور ضرورت ہوگی ایک تو بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنے کی سوچو اللہ اب اس کا سامان بہت میسر ہو گیا ہے اور ہر شخص کو ہر جگہ رہ کر اسکا سیکھنا آسان ہے اس کے لئے یہ کرو کہ کوئی جامع رسالہ لیکر اس کو کسی عالم سے پڑھنا یا اگر پڑھنے کا موقع نہ ہو تو نہایت غور سے دیکھنا شروع کر دو اور ہمیشہ اس کا ورد رکھو دوسرے کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کر لو مگر تعلق دین کیلئے پیدا کرو دنیا طلبی کیلئے اہل اللہ سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہئے ہاں شاذ و نادر اگر کوئی دنیا کا کام بھی ان سے نکل جا تو مضائقہ نہیں لیکن محض دنیا ہی کو نصب العین بنا کر ان سے راہ اور رسم پیدا کرنا نہ چاہئے۔ مثلاً بعض لوگ اہل اللہ سے اس لئے ملتے ہیں کہ ان کی ملاقات بڑے لوگوں سے ہے، ان کے ذریعہ سے ہمارے کام نکلیں گے یا بعض لوگ تعویذ گنڈوں کے لئے ملتے ہیں حالانکہ اہل اللہ سے اس قسم کے کام لینے کی ایسی مثال ہے کہ کسی سٹار سے کھری پابنلے یا لوہار سے زیور بنانے کی فرمائش کی جا بعض لوگ مشورہ کیگرتے ہیں کہ ہم کس قسم کی تجارت کریں۔ اندج کی تجارت کریں یا کپڑے کی خدا جانے یہ لوگ اہل اللہ کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار سمجھتے ہیں کہ ان کا بتلانا خدا کا بتلانا ہوگا اور جب خدا تعالیٰ بتلا دیکتا تو اس کلام میں ضرور نفع ہوگا یا خدا تعالیٰ کا راز دار سمجھتے ہیں کہ یہ خدا سے مشورہ کر کے بتلا دیں گے ابھی کل کی بات ہے کہ ایک صنایعہ لگے کہ مولوی صاحب آپ کو تو سب خیر ہوگی۔ صاحبو! اس دربار میں انبیاء علیہم السلام کا پتہ بھی پانی ہوتا ہے دوسروں کی تو کیا مجال ہے۔

ہست سلطانی مسلم مرورا
نیست کس راز ہرہ چوں و چرا

رہ بادشاہت اور سلطانی صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے اس میں کسی کو اعتراض کرنے کی مجال نہیں ہے۔
فرماتے ہیں قُلْ مَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
(آپ یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین

میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے، تو انبیاء کی نسبت جب یہ کہا جا رہا ہے تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔ ایک صانع مجھ سے یاد نہیں رہا کوئی دنیوی فرمائش کی میں نے کہا یہ کام مجھ کو نہیں آتا کہنے لگے کہ اللہ والوں کو سب کچھ آتا ہے میں نے کہا کہ اگر سب کچھ آتا ہے تو کل ایک چار پائی بھی لے آنا کہ اس کو بن دیجئے۔ عرض ہو یوں سے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام پوچھئے اور اہل طریقت اللہ تعالیٰ کا نام پوچھتے دنیا کی فرمائش کسی نہ کیجئے ہاں دنیا کے لئے دعا کرنا میرا مضائقہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں میں کسی قسم کا ازکا دخل سمجھنا سخت غلطی ہے دعا کے متعلق بھی یہ نہ کرو کہ صراحت ہی پر ڈال دو بلکہ تم خود بھی اپنے لئے دعا کرو اور بزرگوں سے بھی دعا کرو۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ میں اس قابل ہی نہیں کہ خود دعا کروں، میں نے کہا کہ کلمہ بھی پڑھتے ہو یا نہیں کہنے لگے کہ پڑھتا ہوں میں نے کہا کہ اس کی کیا وجہ کہ تم کلمہ پڑھنے کے قابل تو ہو مگر دعا کرنے کے قابل نہیں۔ یہ شیطان کی شرارت ہے کہ دل میں یوں ڈالتا ہے کہ دعا کے قابل نہ سمجھنا تو واضح ہے۔ ایک صاحب نے یہ فرمائش کی تھی کہ تم ہی استخارہ بھی دیکھو غرض اپنے اوپر کسی قسم کی تکلیف نہ ہو سب کچھ دوسری کر دیں۔ مجھے پھر یاد آتا ہے کہ کھانے میں کبھی یہ نہ سوچھا کہ بزرگوں سے کہتے کہ آپ ہی کھا لیا۔ ہمارے کھانے کی ضرورت نہیں تو تمہیں تدبیر کا یہ ہے کہ کام دین کا خود کرو اور بزرگوں سے اس میں صلاح و مشورہ لیتے رہو اور عمر بھر اسی تدبیر میں لگے رہو یہ نہ کرو کہ چار دن کیا اور چھوڑ دیا کیونکہ ہم کو تو جنم روگ لگا ہے اس کے لئے عمر بھر کی ضرورت ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں ۵

اندریں رہ مے تراش و مے خراش تا دم آخر و مے قارغ مباحث

تا دم آخر و مے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

یہ مختصر سا بیان اس آیت کے متعلق تھا میں پھر آیت کا ترجمہ مکرر کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ اے مسلمانوں اپنی فکریں لگو کیونکہ تم کو خدا تعالیٰ کی طرف جاتا ہے وہ تم کو بتلا دیں جو کچھ تم کرتے تھے۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور پھر کہہ دیتا ہوں کہ یہ ضرور ہونے والا ہے اس لئے اس کے لئے آج ہی سے تیار ہونا چاہیے۔ اب خدا سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق عمل دے۔

— — — — —

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
(رواه البخاری)

دعواتِ عبدیت جلد چہارم کا
دوسرا و عظمیٰ ملقب بہ

تَفَاضُلُ الْأَعْمَالِ

منجملہ ارشادات

حکیمُ الامۃ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ تھانوی — دفتر الابقاء

متصل مسافر خانہ بند روڈ کراچی
ایم۔ اے جناح روڈ

دعواتِ عبدیت جلد چہارم کا

دوسرا و عظیم لقب یہ

تفاضلِ الاعمال

یعنی

طاعات و معاصی

تھانہ بھون ۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُحَمَّدًا وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ
مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِيْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضِلِّهِ
فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدِنَا وَ
مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدًا وَرَسُوْلًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَاصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ -

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَجْعَلْنٰوْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهِدْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۝ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِيْ
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر
کرنے والوں کو ایسے لوگوں کے برابر ٹھہرا دیا جو ایمان لئے اللہ پر اور آخرت پر اور خدا کے راستہ
پر جہاد بھی کیا۔ خدا کے نزدیک وہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتے
میں آج ایک ضروری مسئلہ بیان کرتا ہوں جس کی طرف اس کے قبل کبھی التفات نہ ہوا
تھا اور غالباً اور لوگوں کے خیال میں بھی یہ بات کم آئی ہوگی۔ لیکن مسئلہ نہایت ضروری اور منصوص

اور چونکہ مسئلہ منحصر ہے لہذا اس وقت کا بیان بھی مختصر ہی ہوگا اور آج اس کے بیان کرنے کی ضرورت علاوہ مسئلے کے ضروری الاظہار ہونے کے ایک یہ بھی ہے کہ پہلے جمعہ کو جو مضمون بیان کیا گیا تھا اس سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے اور اس مسئلے کے ذہن میں آجانے کے بعد وہ شبہ مُندفع ہو جائے گا تو اس حیثیت سے یہ مضمون سابق مضمون سے بھی مرتبط ہوگا۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا ترجمہ کرنے سے پیشتر مستقلاً اُس مسئلہ کو بیان کر دوں تاکہ تفصیل ذہن نشین کرنے کے بعد آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ مسئلہ اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

یہ بات تو ہر خواص و عوام کو معلوم ہے کہ جس قدر بھی نیک کام ہیں سب کے سب ایک درجہ اور ایک پایہ کے نہیں۔ بلکہ متفاوت ہیں مثلاً نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، مسجد بنوانا، حج کرنا، مظلوم کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ بہت سے نیک کام ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو ثواب نماز پڑھنے میں ملتا ہے اسی قدر مسجد بنوانے میں بھی ملتا ہے۔ یا حج کا ثواب ایک پیسہ خیرات کرنے میں بھی اس کی برابر ہے علیٰ ہذا گناہ بھی سب برابر نہیں چوری، دہکیتی، زنا، قتل، شراب خوری کبائر ہیں اور آپس میں متفاوت اسی طرح بہت سے صفائے ہیں لیکن کوئی بہت ہلکا ہے کوئی اس سے زائد۔ نیز یہ تفاوت حسنات میں منصوص ہے۔

حدیث میں ہے کہ اَلَا يَهَانُ بَضْعٌ وَ سَبْعُونَ شُعْبَةً اَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَذْنُهَا مَاطَةُ الْاَذَى وَ الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ (ایمان کے کچھ اوپر ستر درجے ہیں سب سے افضل کلمہ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ ہے اور سب سے کم مرتبہ موذی چیز کو راستہ سے ہٹا دینا ہے اور شرم و حیا بھی ایمان ہی کا ایک درجہ ہے) یعنی ایمان کے متعلق بہت سی شاخیں ہیں جن میں سب سے زیادہ کامل تو لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ ہے اور سب سے ادنیٰ درجے کا کام یہ ہے کہ رستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دے مثلاً رستہ میں کانٹے پڑے ہوں یا کوئی بڑی لکڑی پڑی ہو جیسا کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ سڑک پر ایسی چیزیں ڈال دیتے ہیں یا چھوڑ دیتے ہیں جن سے رستہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے مثلاً بعض لوگ بہلی یا چھکڑے رستے میں کھڑے کر دیتے

ہیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نابینا شخص وہاں سے گزرتا ہے اور اس سے ٹکڑے کھا جاتا ہے ہاں اگر کسی ایک کنائے پر ہو تو مضائقہ نہیں لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ شریعت نے ان باتوں کے متعلق کوئی قانون مقرر ہی نہیں کیا۔ صاحبو ہر ہر کام کے لئے شریعت میں ایک حکم موجود ہے۔ دیکھو جب اماطہ الاذیٰ کو شعبۂ ایمان قرار دیا ہے تو اس کے خلاف گناہ ہوگا یا نہیں یہ مسئلہ اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قریب بصراحت ہے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت بتلا دیا کہ حسنات باہم متفاضل ہیں ایمان اعلیٰ ہے حیا اُس سے کم ہے اماطہ الاذیٰ اُس سے کم ہے بلکہ اگر عاداتِ ناس میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اور لوگ بھی عملاً اعمال کو متفاوت مان رہے ہیں دیکھئے اگر کسی شخص کے پاس دس روپیہ ہوں اور وہ ان کو کسی مصرفِ خیر میں لگانا چاہتا ہے تو اول اس کی تحقیق کرتا ہے کہ سب مصارف میں بہتر مصرف کون ہے اور اگر خود معلوم نہیں ہوتا تو علماء سے رجوع کرتا اور ان کے بتلائے ہوئے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اگر وہ مدرسہ میں خرچ کرنے کو افضل بتاتے ہیں تو مدرسہ میں خرچ کرتا ہے مسجد میں خرچ کو افضل بتاتے ہیں تو مسجد میں دیتا ہے پس اگر اس متجسس کو معتقد تفاضل نہ مانا جائے تو اس کی چھان بین کیوں ہے پس ہر طرح سے تفاضل بین الحسنات متیقن ہے دلیل سے بھی تسلیم ناس سے بھی یہ تو اجمالی مسئلہ ہے اور یہ بالکل مطابق واقع کے ہے لیکن اس کی تفصیل میں اکثر نے غلطی کی ہے عوام نے بھی اور علماء نے بھی۔ اس لئے اس کے تحقیق کرنے کی ضرورت ہے وہ غلطی یہ ہے کہ لوگ فضل کی تعیین اپنی رائے سے کرتے ہیں یا اگر بعض لوگ کسی دلیل شرعی سے تعیین کرتے ہیں تو وہ لوگ اُس دلیل شرعی میں غور نہیں کرتے کہ یہ دلیل اس دعویٰ کے لئے کافی ہوگی یا نہیں اور انطباق ہو آیا نہیں ہوا چنانچہ عوام الناس جب تفاضل کی تحقیق کرتے ہیں اول تو اکثر اپنی رائے سے کرتے ہیں اور اس تفاضل کا معیار بھی ایک مقرر کر لیا ہے کیونکہ ہر تفاضل کے لئے کوئی نہ کوئی معیار ضرور ہونا چاہیے۔ ایک چاندی کو دوسری چاندی پر یا ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے پر اگر ترجیح دیں تو اس ترجیح کا کوئی معیار ضرور ہوگا۔

پس اسی بنا پر عوام نے بھی اس تفاضل کے لئے ایک معیار مقرر کر لیا ہے کہ جس عمل کو وہ صورتِ عبادت سے زیادہ تلبیس دیکھتے ہیں اس کو افضل سمجھتے ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ جس طرح وہ واقع میں عبادت ہیں اسی طرح صورتِ بھی وہ عبادت ہیں یا عبادت سے ان کو تلبیس ہے مثلاً نماز پڑھنا کہ یہ حقیقتاً اور صورتاً دونوں طرح عبادت ہے یا مسجد تیار کرانا کہ اس کو صورتاً عبادت سے تلبیس ہے دوسرے وہ اعمال ہیں کہ واقع میں وہ عبادت ہیں لیکن ان کی ظاہری صورت عبادت نہیں معلوم ہوتی نہ ان کو کسی عبادت سے ایسا ظاہری تلبیس ہے کہ ہر شخص کی نظر میں آجائے جیسے کسی طالب علم کی مدد کرنا کھانے یا کپڑے سے (کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے کسی طالب علم کا کھانا مقرر کرانا ہے ہرگز نہیں) کیونکہ طالب علم کا کھانا مقرر کرنا جو عبادت ہے تو اس لئے کہ یہ خدمتِ دین ہے اور اس کا خدمت دین ہونا اُس وقت سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب طالب علم فارغ ہو کر خدمتِ دین میں مصروف ہو تو یہ دونوں قسم کے اعمال عبادت ہیں لیکن دونوں میں تفاوت یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر صورتاً بھی عبادت ہے کہ اس کے ساتھ عبادت کو تلبیس ظاہر ہے یعنی اس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور تلبیس بھی بلا واسطہ ہے اور اسی وجہ سے یہ تلبیس بہت ظاہر ہے۔ اور عبادت بھی ایسی کہ وہ بصورتاً عبادت ہے یعنی اس کا عبادت ہونا نظری نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ نماز پڑھنا عبادت ہے، لہذا اس کو یوں سمجھا جاتا ہے کہ بنا مسجد یا اس میں تیل پتی دینا بہت بڑی عبادت ہے۔ بر خلاف تقررِ طعام طالب علم کے کہ جس سے تلبیس ہے اول تو وہ ایسی ظاہر عبادت نہیں کہ عوام بھی فوراً سمجھ لیں دوسرے اطعام کو اس عبادت سے تلبیس بھی بواسطہ ہے کیونکہ امدادِ طلبہ میں علمِ دین کی مدد ہے اور وہ اتنی ظاہر عبادت نہیں کیونکہ اگر ایک شخص میران الصوف یا درس کی کوئی کتاب بالخصوص فلسفہ یا ہیئت پڑھتا ہے تو کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ عبادت کر رہا ہے اس لئے کہ اس کا عبادت ہونا مال اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی اگر دس برس تک یہ شخص مثلاً اسی میں لگا رہے اور فراغت حاصل کرے تو وہ اس قابل ہوگا کہ دین کی خدمت کر سکے اور خدمتِ دین افضل العبادات ہے۔

اسی خدمتِ دین کی بدولت شیخین رضی اللہ عنہما کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل کہا جاتا ہے ورنہ عبادت کی کثرت اور قلت کسی کی مدد و ن تہیں اور اگر کسی نے ظاہری فضائل کی چھان بین کی بھی ہے تو اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کثیر الفضائل ہونا معلوم ہوا ہے محدثین نے اس کی تفسیح کی ہے اب یا تو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس قسم کے فضائل اس قدر مدون کم ہوئے ہیں یا فی الواقع حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے فضائل میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زائد ہوں لیکن پھر بھی محققین اور اہل نظر یہی کہتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

اور اس نظر کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالم شہادت اور برزخ دونوں سے ہوتی ہے سوا حدیث تو سب کے پیش نظر ہیں اور نہ ہوں تو وہ مدون ہیں ہر ایک دیکھ سکتا ہے ہاں برزخی اقوال سے ایک قول نقل کرتا ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کا حکم فرمایا اور یہ تینوں باتیں میری مرضی کے خلاف ہیں مگر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے اپنی مرضی کو چھوڑ دیا۔ ایک تو یہ کہ میرا رجحان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفصیل کی طرف تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم سمجھو۔

دوسرے میرا میلان ترک تقلید کی جانب تھا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا کہ مذاہب اربعہ سے باہر نہ ہو۔

تیسرے میں ترک اسباب کو پسند کرتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک کر تشبہت بالاسباب کا حکم فرمایا۔

ان تینوں حکموں میں بہت سے راز ہیں لیکن یہ وقت ان کی تفصیل کا نہیں لہذا اس کو یہیں چھوڑا جاتا ہے مقصود یہ ہے کہ عالم برزخ میں بھی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھو۔ غرض حدیث سے کشف سے محققین کی رائے سے ہر طرح شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اگر کسی کو اس مسئلے کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو ازالہ الحفار کا مطالعہ کرے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ خاص اسی متن کی پوری طرح شرح

ہوگی۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ سے اسلام کی خدمت بہت زیادہ ہوتی پس علم کی افضلیت کی تو یہ حالت لیکن باوجود فضل العبادات ہونے کے اس کی صورت عبادت کی نہیں ہے پھر اطعام کو جو اس سے تلبیس ہے وہ تلبیس بلا واسطہ نہیں بلکہ بوساطہ ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں کس قدر ثواب ہے مثلاً آپ نے ایک طالب علم کو کھانا کھلایا جس نے بدلہ ماحتمل کام دیا اور اُس نے مطالعہ و حفظِ سبق کی قوت پیدا کی اور اس قوت سے اس نے کام لیکر ایک سبق یاد کیا اور اسی طرح مسلسل سات آٹھ برس تک یہ کرتا رہا اور اس مدت میں فراغ حاصل کر کے اس قابل ہو گیا کہ دین کی خدمت کئے اور اس نے دین کی خدمت شروع کر دی پس یہ خدمت دین اسی مدد اور اطعام کی بدولت ہے جو آٹھ برس تک اس کو پہنچتی رہی اور اس خدمت کا ثواب ان سب لوگوں کو ملے گا جو اس کی امداد میں شریک رہے ہیں لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے اور اس لئے ان کے پاس جب کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے اور ان کو خدا کی راہ میں دینے کا کچھ خیال پیدا ہوتا ہے تو مسجد بنواتے ہیں اکثر ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس وافر روپیہ ہے اور وارث ایک بھی نہیں یا وارث بھی ہیں مگر ان کو اُس کی دنیا کی احتیاج نہیں تو اول تدبیر ان کی سمجھ میں ہی آتی ہے کہ اپنے گھر کی مسجد بنا دیں آخر مسجد بنا کر اپنی زندگی بھراؤس کے حجرے میں رہتے ہیں اور تھوڑا کر مر جاتے ہیں ایسے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس جدید مسجد میں جو نمازی آئیں گے وہ دوسری قدیم مسجد کے جانے والے اور وہاں کی جماعت کے ہوں گے اور جب قدیم مسجد کے لوگ یہاں آنے لگیں گے تو اس مسجد کی جماعت میں قلت ہو جائے گی۔ ہم نے اسی قبضے میں دیکھا ہے کہ چار پانچ مسجدیں بالکل ہی قریب قریب بنی ہیں ایسی کہ اگر ایک ہی وقت میں سب جگہ نماز شروع ہو تو ایک مسجد کا امام دوسری مسجد کے امام کی قرأت پوری طرح سن سکتا ہے بلکہ عجب نہیں کہ سب آوازیں مختلط ہونے کے سبب کسی کو بھول بھی ہو جائے۔ اس میں بعض لوگوں کی نیت تو تفاخر کی ہوتی ہے ایسے لوگ تو کسی شمار ہی میں نہیں لیکن بعض مخلص بھی ہوتے ہیں اگرچہ وہ ثواب میں مفلس ہی ہوتے ہیں (لطیفہ عوام الناس ان اطراف میں مفلس کو مخلص کہتے ہیں میرے پاس ایک دیہاتی دوست آئے میں نے تذکرے میں کہا کہ تم بہت مخلص ہو کہنے لگے نہیں تمہاری دعا سے میرے پاس سب کچھ ہے میں مخلص نہیں یعنی مفلس نہیں، غرض ایسے لوگوں کو باوجود اخلاص نیت کے کچھ ثواب نہیں ملتا بلکہ اللہ

ضرر ہوتا ہے۔ لیکن ایسی مسجد کو مسجدِ ضرارہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان لوگوں کی نیت خراب نہیں ہوتی آجکل اکثر مستغنی چالاکی کرتے ہیں کہ صورت سوال ایسی بناتے ہیں جس میں مجیب کو خواہ مخواہ مسجدِ ضرارہ ہی کہنا پڑے اور اکثر مجیب بھی بالکل سائل کے تابع ہو کر جواب دیدیتے ہیں صاحبِ کسی مسجد کا ضرارہ ہونا آسان نہیں کیونکہ مسجدِ ضرارہ ہونے کے لئے نیت کا خراب ہونا شرط ہے۔ پس ممکن ہے کہ بانی کی نیت اچھی ہو اگرچہ اس کو غلطی ہو گئی ہو اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ بانی کی نیت خراب ہی تھی تو اس مستغنی کو اس کا علم کیونکر ہو سکتا ہے میرا یہ مطلب نہیں کہ ایسی مسجد بانی جائز ہے مقصود یہ ہے کہ سائل کو اصل نیت کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے کہ اس پر مسجدِ ضرارہ کا اطلاق کر دیا جائے۔ اس کے سوا ممنوعات بھی ایک درجے کے نہیں ہوتے تو زیادہ سے زیادہ مسجدِ ضرارہ کی مثل ہو جائے گی لیکن مسجدِ ضرارہ نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی مسلمان کافروں کی سی حرکت کرنے لگے تو اس کو متشبہ بالکفار کہیں گے لیکن کافر نہیں کہہ سکتے الحاصل ایسی مسجد بنانا پسندیدہ ہے تو عوام کو ایک تو اس کا بہت شوق ہے جس کی وجہ سے کہ اس کی صورت عبادت کی ہے اور اسی بنا پر قرآن کے وقف کرنے کو بہت ثواب سمجھتے ہیں ہدایہ وقف کرنے کو کوئی ثواب نہیں سمجھتا اگرچہ لینے والا قرآن کو پڑھے بھی نہ کیونکہ قرآن اس قدر طبع ہو گئے ہیں کہ کوئی ان کو پڑھتا بھی نہیں اسی طرح جب کوئی مرتا ہے تو اس کے ترکہ میں سے قرآن وقف کرتے ہیں اگرچہ وہ اتنا غلط ہو کہ کوئی پڑھ بھی نہ سکے ایک مرتبہ ایک شخص بہت سے قرآن مسجد میں لایا کہ میں ان کو وقف کرتا ہوں دیکھا گیا کہ سب غلط تھے آخر میں نے ان کو دفن کرایا تو ایسے قرآن وقف کرنے سے کیا نتیجہ ہاں کوئی اوراق ہی کے وقف کرنے میں وقف قرآن کا ثواب سمجھے تو دوسری بات ہے۔ پس ایک معیار تو عوام کے ذہن میں یہ ہے۔

دوسرا معیار یہ ہے کہ جس کام کا نفع فوراً ظاہر ہو اس میں زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور جس کا نفع بدیر ہو اس میں اتنا ثواب نہیں سمجھتے۔ اسی بنا پر پانی پلانے کا ثواب زیادہ سمجھا جاتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص کا ارادہ کنواں بنوانے کا ہو اور اس کو کہا جائے کہ

مسجد کا ایک حجرہ شکستہ ہو رہا ہے اس کو بنوادو تو وہ کنوئیں کو ترجیح دے گا۔ تیسرا معیار عوام کے نزدیک یہ ہے کہ جس چیز کا نفع عام ہو اس میں زیادہ لٹا ہوتا ہے چنانچہ کنواں بنوانا اس کی بھی مثال ہے یہ نمونہ کے طور پر عوام الناس کے تجویز کردہ معیاروں کا ذکر تھا جو ان کے حالات میں غور کرنے سے سمجھ میں آئے کہ نفع عاجل ہو اور نفع عام ہو اور اس کام کی صورت عبادت کی ہو اور عوام الناس اس طرح اپنے لئے ان تین معیاروں سے کاموں کی تجویز کرتے ہیں۔

اسی طرح بزرگوں میں بھی موازنہ انہی تین معیاروں سے کرتے ہیں مثلاً اگر ایک شخص تمام رات جاگتا ہے کسی سے بات بھی بہت کم کرتا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے جو کہ فرائض و واجبات اور سنن ادا کرتا ہے رات کو گھنٹہ دو گھنٹہ جاگ لیتا ہے حفاظت دماغ کی تدبیر بھی کرتا ہے نصیحت و پند بھی کرتا ہے خلق اللہ کی دلجوئی کے لئے لوگوں سے ملتا بھی ہے بچوں سے مزاج بھی کر لیتا ہے تو عوام الناس اس کے مقابلہ میں پہلے شخص کو زیادہ کامل سمجھیں گے چنانچہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاح شخص بڑا عابد ہے بلکہ عابد کی جگہ معبد کہتے ہیں خدا جانے یہ لغت کہاں سے ایجاد کیا اور دوسرے شخص کو چونکہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ عبادت نہیں کرتا اس لئے اس کو زیادہ کامل نہیں سمجھتے حالانکہ ممکن ہے کہ عابد واقع میں یہی شخص ہو کیونکہ عبادت عبتتے کو کہتے ہیں اور عبدیت بجا آوری احکام کا نام ہے جس وقت بھی جو کلمہ ہو پس اختلافِ خلق اغراضِ صالحہ سے نیز عبادت میں داخل ہے۔

اس کے متعلق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحقیق بیان کرتا ہوں فرمایا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (میں نے جنوں اور انسانوں کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) تو باوجود اس کے کہ ملائکہ اور حیوانات عبادات سے بناتات جو اہر و اعراض سب کے سب عبادت میں مصروف ہیں جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بارے میں ارشاد ہے يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (پاکی بیان کرتے ہیں رات اور دن اور اس سے نہیں تھکتے)

جوانات وغیرہ کے نارے میں فرماتے ہیں اِنَّ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهَا وَ لٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط (کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ اللہ کی حمد و تعریف نہ کرتی ہو لیکن ان کی تسبیح کو تم لوگ نہیں سمجھتے) ان کے علاوہ اور متعدد آیات سے ہر ایک چیز کا عبادت میں مشغول ہونا معلوم ہوتا ہے پھر انسان اور جن کی تخصیص عبدیت میں کیوں فرمائی گئی فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ ایک تو نوکر ہوتا ہے، ایک غلام ہوتا ہے۔ نوکر کی خدمات ہمیشہ معین ہوا کرتی ہیں یعنی اگرچہ کتنے بھی مختلف کام نوکر سے لئے جائیں لیکن کوئی کام ایسا ضرور ہوتا ہے کہ جس میں نوکر عذر کر دے اور کہدے کہ میں اس کام کے لئے نہیں ہوں مثلاً اگر کوئی شخص اپنے نوکر سے کہنے لگے کہ تو مہتر کا کام بھی کیا کر تو وہ ہرگز نہ منظور کرے گا اور عذر کر دے گا۔ علیٰ ہذا اور بہت سے کام ایسے نکلیں گے جن میں نوکر کی جانب سے عذر ہوگا بلکہ اولاد بھی جس پر نوکر سے زیادہ قبضہ اور تسلط ہوتا ہے بعض کاموں میں انکار کر دیتی ہے، چنانچہ ہمارے ایک خاندانی سید اور معزز دوست نے ایک ایسے موقع پر کہ سقوں نے پانی بھرنا چھوڑ دیا تھا اپنے لڑکے کو کہا کہ بھائی سقوں نے تو پانی بھرنے سے جواب دیدیا ہے اہل محلہ کو سخت تکلیف ہوتی ہے تم ہی لوگوں کے یہاں پانی بھرا آیا کرو وہ لڑکا بہت خفا ہوا برخلاف غلام کے کہ اس کا کوئی خاص مقرر کام نہیں ہوتا بلکہ اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک وقت آقا کی نیابت کرتا اور زرق برق لباس میں ہوتا ہے اور دوسرے وقت آقا کے نجس کپڑوں کو صاف کرتا ہے ایک وقت بھنگی کا کام کرتا ہے تو دوسرے وقت سفارت کا کام کرتا ہے پس غلام نوکر بھی مہتر بھی ہے سفیر بھی ہے خلیفہ بھی ہے پس انسان اور جن تو بمنزلہ غلام کے ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح و تقدیس و سجدہ وغیرہ الفاظ سے فرمایا اور انسان اور جن کی عبادت کو بلفظ عبدیت فرمایا اور جب انسان اور جن عبد اور غلام ہیں تو ان کی کوئی خاص خدمت نہ ہوگی بلکہ ایک وقت نماز روزہ کرنا عبادت ہوگا تو دوسرے وقت سونا اور قضاے حاجت کرنا لوگوں سے ملنا

وغیرہ وغیرہ کام عبادت ہوں گے چنانچہ حدیث میں ہے تَعْلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ حَاقِنًا أَوْ كَمَا قَالَ (قضا حاجت کی شدت کے وقت نماز ادا کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا) کہ جس وقت پیشاب پاخانہ کا دباؤ ہو اس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور دفعِ فضلہ واجب ہے۔ دیکھئے ایک وقت انسان کے لئے ایسا نکلا کہ اس کو مسجد جانا حرام اور بیت الخلا جانا واجب ہوا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اول وقت نماز پڑھنا چاہے اور اس کو شدت سے بھوک لگی ہو تو شریعت حکم کرے گی کہ نماز کو مؤخر کرے اور کھانا کھاؤ۔ اسی راز کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت پاکیزہ الفاظ میں فرماتے ہیں لان یكون اكله صلوة خیر من ان یكون صلوة کلها اکلہ (کھانا کھاتے رہنا اور خیال نماز کی طرف رہنا یہ بہتر ہے اس بات سے کہ نماز پڑھتا رہے اور نیت کھانے کی طرف رہے) کیونکہ جب کھانا کھانے میں نماز کا برابر خیال رہا تو یہ سارا وقت انتظارِ صلوة میں گذرا اور انتظارِ صلوة میں صلوة کا ثواب ملتا ہے برخلاف اس کے اگر بھوک میں نماز شروع کر دی جائے تو جو ارجح نماز میں مشغول ہوں گے اور دل کھانے میں پڑا ہوگا تو نماز کھانے کی نذر ہوگی اور یہی فہم ہے جس کی بدولت ان حضرات کو فقیہ اور مجتہد کہا جاتا ہے۔ آج یہ فہم مفقود ہے۔ ہم لوگ کتابیں ان سے زیادہ پڑھتے ہیں مگر وہ بات حاصل نہیں۔

ع: نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(ہر وہ شخص جو آئینہ رکھتا ہے ضروری نہیں کہ سکندری فن واقف ہو)

اور اسی راز کی بنا پر ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قبلہ نور اللہ صرف ہم فرمایا کرتے تھے کہ اگر جسم ہند میں رہے اور دل مکہ مکرمہ میں تو اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ مکرمہ میں رہے اور دل ہندوستان میں۔ غرض انسان کے لئے کوئی خاص عبادت مقرر نہیں کیونکہ اس کی شانِ عبد کی ہے اور جب یہ ہے تو ایک تو وہ شخص ہے کہ نماز پڑھ کر کسی

دیہاتی سے باتوں میں مشغول ہے اور یہ کیفیت باڑی کے حالات پر چھ رہا ہے ، اور دوسرا شخص لآلہ رآلہ اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے تو بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکمل معلوم ہوتا ہے لیکن غور کریں تو معلوم ہو کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے مثلاً مسافر کے انبساطِ خاطر کے لئے ایسا کر رہا ہے یا کوئی دوسری ایسی نیت ہے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں ، کیونکہ ہر عمل اپنے آثار اور غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے تو ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہیے لیکن عوام الناس اس کو نہیں سمجھتے ۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت رحمۃ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ ہاں آخر جب بہت دیر ہو گئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا ، حضرت فرمانے لگے کہ مولانا یہ کیا فرمایا کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھتے تھے اور حد جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ شریک رہتے ، مگر عوام الناس کیا سمجھیں ۔

در دنیا بد حال پنختہ بیچ حسام پس سخن کوتاہ باید والسلام
(بجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا لہذا بات کو
طول نہ دے (بیڑوں کی شان میں اعتراض کرنے سے اپنی زبان کو تھامے
رکھ ، اسی میں بھلائی و خیریت ہے)

عوام الناس کی حالت اور مذاق پر مجھے ایک حکایت یاد آتی ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ناٹو تومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب شیخ ہنال احمد رئیس دیوبند کا نکاح ان کے والد نے کیا تو چاروں کو بھی زردہ پلاؤ فریٹی وغیرہ کھلائی اور کھانے تو انھوں نے جس طرح ہوا کھائے مگر جب فریٹی سامنے آئی تو

اس کو چکھ کر ان میں سے ایک شخص کیا کہتا ہے کہ یہ تھوک سا کیسے ہے یعنی کیا ہے واقعی جس نے ہمیشہ گریٹ اور شیر اکھایا ہو وہ کیا جانے کہ قند میں کیا مزا ہے اور فیرینی کیسی ہوتی ہے اسی طرح معانی کے عوام الناس کو خبر نہیں ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شامل رہتے تھے اور ان لوگوں کے تذکروں کو سُن کر آپ تبسم فرماتے تھے۔ اور آپ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہ ہوتا تھا اور کبھی کسی نے آپ کی آواز قہقہہ کی نہیں سنی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تجربہ ہے کہ جب کسی وجہ سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی اگرچہ کم و بیش تبسم کی حالت ہو جائے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو تجربہ سے ثابت ہے۔ اور ایک مقدمہ شمائلِ ترمذی سے ملائی شمائل میں ہے کان دائئہ الفکرۃ متواصل الاحزان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکر مند رہتے اور آپ پر غم یکے بعد دیگرے آتے رہے) اور وجہ اس کی خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں کیونکر چین سے رہوں حالانکہ صاحبِ صورت تیار کھڑا ہے کہ اب حکم ہو اور صورت پھونک دوں گویا یہ حالت تھی کہ

مراد منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم

جرس فریادِ میدار دکہ بر بندیدِ محلہا

(مجھے محبوب کے گھر پہنچ کر بھی امن و عیش نہیں ملا وجہ یہ ہے کہ گھنٹہ بہ وقت کوچ کی

خبر دے رہا ہے)

ہنسی تو ان لوگوں کو آسکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں سوا اللہ والوں کو بے فکری کہاں البتہ دوسروں کی خاطر سے کبھی کبھی ہنس دیتے ہیں۔ اس کے مناسب حکایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت یحییٰ کی ملاقات ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کثیر التبسم تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کثیر البکاء تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ (علیہ السلام) کیا تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا۔ حضرت یحییٰ نے

فرمایا کہ اے عیسیٰ! کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مأمون ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی ہی آتی رہتی ہے۔ آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ! جلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو، لیکن خلوت میں تجھی کی طرح گریہ و زاری کیا کرو اور اے یحییٰ! خلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کر لیا کرو کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے کہ جب نبی کا یہ حال ہے تو ہم کو نجات کی کیا امید ہے۔

اور یہ حکایت اس لئے بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم جو کچھ تھا وہ محض اس لئے تھا کہ آپ کے ساتھ مصالحِ خلق کے وابستہ تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا غرض جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باتوں میں مشغول ہوتے تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال کی عام کو کیا خبر ہوتی ہوگی۔ اسی لئے کافر کہتے تھے مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمشِي فِي الْأَسْوَاقِ ط الخ (یہ کیسا رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے) ان کے زعم میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف تھا اور بازار میں بھی چلتا ہے) مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مہ

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
(تمام عالم اسی سبب سے گمراہ ہو گیا کہ بہت کم لوگ خدا کے نیک بندوں سے مطلع ہوتے ہیں)

ہم سری یا انبیاء برداشتند اولیاء را ہنجو خود پنداشتند
(اپنے کو انبیاء کے برابر رکھتے ہیں اور اولیاء اللہ کو اپنی ہی طرح سمجھتے ہیں)
گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور
(کہتے ہیں کہ ہم بھی انسان اور یہ بھی انسان ہم اور وہ دونوں خواب اور کھانے میں فطرۃً مجبور ہیں)

ایں ندائستند ایشاں از عمی در میاں فرقی بودے منتہا
 (یہ ان کو عدم بصیرت کی وجہ سے پہچان ہی نہیں سکتے جبکہ دونوں میں لگے انتہا فرق ہے)
 ایں خورد گرد و پلیدی زو جُدا واں خورد گرد ہمہ نورِ خدا
 رہے جو کچھ کھاتا ہے سب پلیدی اور گندگی ہو جاتا ہے اور اللہ سے جدا ہو جاتا
 ہے اور وہ جو کچھ کھاتے ہیں سب خدا کا نور بنتا ہے)

کہ ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی نکلتی ہے دوسرا کھاتا ہے تو اس سے نور
 خدا نکلتا ہے۔

میں جب حضرت حاجی، صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی پڑھا کرتا تھا تو اس
 شعر میں مجھے خیال ہوا کہ یہ فرق محض شاعرانہ طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرما دیا ہے
 کیونکہ واقعی فرق تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اہل اللہ کے پیٹ سے فضلہ نہ نکلتا
 جب سبق شروع ہوا تو حضرت قبلہؑ نے کیا خوب فرمایا کہ پلیدی سے مراد اخلاق
 ذمیمہ ہیں اور نورِ خدا سے مراد اخلاقِ حسنہ ہیں مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کھاتے
 ہیں تو ان کو اخلاقِ حمیدہ میں مدد ملتی ہے اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں تو
 ان کو اخلاقِ ذمیمہ میں مدد ملتی ہے تو باوجود اس فرقِ عظیم کے کفار نے نہ سمجھا اور
 ابنیاء کو اپنی مثل کہا کیونکہ ان میں کوئی انوکھی بات نہ تھی کھانا بھی کھاتے تھے
 پانی بھی پیتے تھے۔

آجکل بھی ایسے لوگوں کو جو کھانا چھوڑ دیں بہت بزرگ سمجھا جاتا ہے میں
 کہتا ہوں کہ اگر پانی کی یا کھانے کے چھوڑتے پر بزرگی کا مدار ہے تو سرسری اور
 ساٹھا اور سمند جو جانور ہیں بہت بزرگ ہیں کیونکہ سرسری پانی بالکل نہیں پیتی اور
 ساٹھا نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے صرف ہوا اس کی غذا ہے۔

صاحبو! بزرگی تو وہ چیز ہے کہ

میانِ عاشق و معشوق رمز نیست کراما کا تبیں را ہم سر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان بعض راز ایسے پنہاں ہوتے ہیں کہ کراما کا تبیں دو

فرشتے ہیں جو نیکی اور بدی لکھتے ہیں، کو بھی خبر نہیں ہوتی)

یعنی بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جن کی پوری حقیقت کا بعض دفعہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں لگتا البتہ اُس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال اقوال حرکات میں زیادہ تشبہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے اسی طرح آپس کے برتاؤ و زمرہ کی باتوں میں سونے میں جاگنے میں غرض ہر بہر بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے۔ اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں اور عادات کو اس عموم میں اس لئے داخل کیا گیا کہ حدیث میں *يَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي* (جس راستے پر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے صحابہ ہیں) آیا ہے اور مآعام ہے عبادت اور عادت دونوں کو تو بزرگی اور نسبت کی علامت یہ ہے اور کم کھانے یا کم پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔

دوسرے کسی شخص کی نسبت یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بہت کھاتا ہے یا کم کھاتا ہے تو قطع نظر بزرگی کی علامت ہونے سے خود اس کا حکم بھی مشکل ہے کیونکہ کم کھانا یہ ہے کہ بھوک سے کم کھائے تو ممکن ہے کہ جس کو تم بہت کھانے والا سمجھو ہو اس کی بھوک اس خوراک سے دونی ہو تو وہ تو کم کھانے والا ہو۔ ایک شیخ سے اُن کے مریدوں نے ایک دوسرے مرید کی شکایت کی کہ حضرت یہ بہت کھاتا ہے چالیس بچاس روٹیاں کھا جاتا ہے۔ شیخ نے اس کو بلا کر کہا کہ بھائی اتنا نہیں کھایا کرتے *خَيْرُ الْأُمُورِ أَدْسُهَا* (تمام کاموں میں میانہ روی بہتر ہے) اس مرید نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اوسط الگ ہے یہ صحیح ہے کہ میں اتنی مقدار کھا جاتا ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ میں زیادہ کھاتا ہوں کیونکہ اصلی خوراک میری اس سے بہت زیادہ ہے جب تک مرید نہ ہوا تھا اس سے دونی کھایا کرتا تھا۔ تو اس حکایت سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعض آدمیوں کی خوراک ہی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اصلی خوراک کے اعتبار سے وہ بہت کم کھاتے ہیں تو یہ معیار صحیح نہیں ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ بزرگوں نے قلدہ الطعام اور قلدہ المتام کا حکم فرمایا ہے تو سمجھو کہ اول تو ہر ایک کی قلت جلد ہے جیسا حکایتِ بالا سے معلوم ہو اور دوسرے ہر ایک کے لئے قلت کو تجویز بھی نہیں کیا جاتا بلکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسی بڑے مفسد کے دفع کرنے کے لئے کسی خفیف مکروہ کے ارتکاب کو بھی جائز رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے ذریعہ سے کسی گناہ کبیرہ سے بچانا منظور ہو۔

چنانچہ ایک چوری بزرگ سے بیعت ہو اور چوری کرنے سے توبہ کی لیکن چونکہ مدت کی عادت پڑی ہوئی تھی اس لئے ہر شب چوری کرنے کا سحت تقاضا طبیعت میں پیدا ہوتا اور اس کو دبانے کے لئے وہ یہ کرتا کہ تمام ذاکرین کے جوتے اٹھا کر گڑ بڑ کر دیتا اس کے جوتے کے ساتھ اس کا اور اس کے جوتے کے ساتھ اس کا غرض کسی ایک کا جوتا بھی اپنے ٹھکانے نہ ملتا آخر لوگوں نے دق ہو کر ایک شب بیدار رہ کر دیکھا معلوم ہوا کہ یہ لوگ رفتار ہیں صبح ہوئی تو شیخ سے شکایت کی انہوں نے بلا کر اس سے دریافت کیا اس نے کہا کہ حضور میں بیشک ایسا کرتا ہوں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت سے مجھے چوری کرنے کی عادت تھی اب میں نے توبہ کر لی ہے لیکن رہ رہ کر طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا ہے جس کو میں یوں پورا کرتا ہوں اب اگر آپ مجھے اس سے منع فرمائیں گے تو میں اضطراباً پھر چوری کروں گا۔ غرض میں نے چوری سے توبہ کی میرا پھیری سے توبہ نہیں کی شیخ نے کہا کہ بھائی تجھ کو اس کی اجازت ہے تم میرا پھیری کر لیا کرو۔ ان مراتب کو سمجھتا بڑی بصیرت پر موقوف ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترکِ ملازمت اور قطع تعلقات کی ہرگز اجازت نہ دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اب تو صرف ایک بلا میں گرفتار ہے چھوڑو گے گا تو خدا جانے کیا کچھ کرے گا۔ اور کس قسم کی آفات کا شکار ہوگا تو اتنی بلاؤں سے ایک ہی بلا اچھی ہے۔ اب لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ پیر صاحب لنگوٹہ بند ہوادیں اور بیوی بچوں کو چھڑادیں ایسے لوگوں کو تنخواہ پیر صاحب تو دینے سے رہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے اور ہونا چاہیے کہ جب حوائج ضروری پوری نہیں ہو سکتی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا تو جھوٹی شہادتیں دینا جھوٹے مقدمے لڑانا قرض لے کر دبا لینا غرض اسی طرح کے صدہا آفات میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کرتے تھے کہ ملازمت ترک کرنے کی کیا ضرورت خدا تعالیٰ کا نام جب دل میں جگہ کرے گا وہ خود ہی چھڑا دے گا۔ کیونکہ

عشق آن شعلہ است کو چوں بر فروخت ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(عشق وہ شعلہ ہے جب بھڑک گیا، معشوق کے سوا باقی سب کا سب جلا دیتا ہے)

یتغ لا در قتل غیر حق برادر در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

(لا الہ کی تلوار غیر حق والوں کے قتل کرنے میں چلتی ہے پھر دیکھو لا کے بعد کیا رہ جاتا،)

ماند لا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا ای عشق شرکت سوز رفت

(صرف لا اللہ رہ گیا اور باقی تمام کا تمام حنتم ہو گیا۔ اے عشق اے سب شرکتوں

کے جلا دینے والے تجھے شایا مش)

مشہور ہے کہ آپ آمد و تیمم برخاست۔ تو آب تو آئے دو تیمم خود ہی جاتا رہے گا۔ یہی راز تھا جس کے لئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے وقت پر خود ہی چھوٹ جائے گا اور یہ حکم ایسے شخص کے لئے تھا جس کے کھلنے پینے کی کوئی سبیل نہ ہو کہ اس بلا دفع بلا ہائے بزرگ۔ اور اگر کسی کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود ہو تو اس کو یہی مناسب ہے کہ اس پر قناعت کرے اور یاد خدا میں مشغول ہو۔ مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

خوشا روزگارے کہ دار کسے کہ بازار حرصش نیا شد بے

(جو کام کسی شخص کو مل گیا ہے وہ اچھا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اس کی حرص ہو س محمد نہ ہو جائیگی)

بقدر ضرورت سارے بود کند کارے مرد کار بود

(پھر بقدر ضرورت آسانی ہوگی پھر اگر وہ کام کا آدمی ہے تو بھلا کام بھی مل جائے گا)

یعنی اگر ضرورت کے لائق موجود ہو اور اس پر قناعت کر کے کام میں مشغول ہو جائے

تو یہ بہت اچھا ہے تو اس فرق کو دریافت کرنا اور لوگوں کے حالات اور طبائع

کا انداز کرنا یہ کامل ہی کا کام ہے۔ اور یہی شانِ مشیخت ہے ورنہ کسی بزرگ کے

ملفوظات یا ذکر لینے یا تصوف کے مسائل از برہونے سے شیخ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں

حرفِ درویشاں بدزد و مردردوں تاکہ پیش جاہلاں خواند قسوں
(درویشوں کا کلام چراتا ہے دنیا دار کینہ آدمی، تاکہ جاہلوں کے سامنے جادو جیسا
بیان کر کے اُنھیں اپنا گرویدہ کرے)

باتوں کے یاد کر لینے سے کچھ نتیجہ نہیں۔ اگر ایک شخص کو بہت سی مٹھائیوں کے نام یاد ہوں اور
نصیب ایک بھی نہ ہو تو اس حفظِ اسماء سے کوئی فائدہ بھی نہیں لیکن اگر نام ایک کا بھی یاد نہ ہو اور کھانے
کو دونوں وقت ملتی ہوں تو سب کچھ حاصل ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سہ
میم دواؤں میم و نون تشریف نیست لفظ مؤمن جڑ پئے تعریف نیست
(لفظ میم اور دواؤں اور میم اور نون ان کے اندر محمود بزرگی نہیں ہے یعنی لفظ مؤمن تو
صرف پہچان کے لئے ہے)

کہ نام تو صرف پہچان کے لئے ورنہ اس میں کیا رکھا ہے اصل چیز معنی ہے اور وہ اس سے
بفراخ دور۔ آج یہ حالت ہے کہ دو چار تعویذ گنڈے یاد کیلئے کچھ جھاڑ پھونک سیکھ لی
اور شیخ وقت بن گئے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سہ

لے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تاراہ میں نباشی کے راہ بر شوی
(لے بیخبر بکوشش کرتا کہ خبر والا ہو تو جب تک راہ دیکھنے والا نہ ہو تو رہبر کیسے ہو سکتا ہے)
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں لے پسر بکوش کہ روزی پد شوی
(اور حقائق کے مدرسہ میں عشق سکھانے والے استاد کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرتا کہ
ایک دن تو بھی استاد کا درجہ پانے کے قابل ہو جائے)

تو پہلے پسر تو بن لیں اس کے بعد پدربنتے کی نوبت آئے گی، یہ تو پیروں کی حالت ہے۔
مریدوں کی یہ حالت ہے کہ انھوں نے انتخاب کی معیار عجیب و غریب اختراع کر رکھی ہے جس
میں ذرا ہو حق پاتے ہیں اس کو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ محض گرمی طبع سے ہونے لگتا ہے۔
ایک شخص حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب جاری
ہو گیا، آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ دل کے دھڑکنے کو قلب کا جاری ہونا نہیں کہتے
قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی یاد دل پر حاضر رہے۔

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ قلاں بزرگ کی بوٹیاں تھرتی ہیں یہ بہت کامل ہیں اور جن لوگوں میں یہ بات نہیں ہوتی ان کی نسبت کہتے ہیں کہ نیک بخت ہیں یعنی ان میں کمالات باطنی نہیں حالانکہ کمالات باطنی بالکل مخفی ہیں اور ان کو بوٹیوں کے تھرتے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اور وہ کمالات یہ ہیں کہ فن میں ماہر ہو۔ امت کے لئے حکیم ہو شریعت کا پورا پابند ہو یہ باتیں نہ ہوں تو ہزار مجاہدہ، ریاضت ہو کچھ نہیں۔ جفاکش کہیں گے، محنتی کہیں گے لیکن بزرگی سے کوئی علاقہ نہیں۔ بہر حال عوام الناس اپنے اعمال میں بھی غلط معیار پر چلتے ہیں اور انتہا بھی غلط معیار سے کرتے ہیں کہ ان کی بدولت اکثر حقوق واجبہ بھی تلف اور ضائع ہو جاتے ہیں۔

ایک سرحدی عابد کی نسبت سنا ہے کہ آخر شب میں تہجد ادا کرنے کے لئے مسجد میں آئے اتفاق سے اُس روز مسجد میں کوئی مسافر بھی سو رہا تھا۔ آپ نے نماز شروع کی لیکن مسافر کے خراٹوں کے سبب نماز میں مرضی کے موافق یکسوئی اور اجتماع خیالات نہ ہو سکا آپ نے نماز توڑ دی اور مسافر کو خواب سے جگا دیا کہ ہماری نماز میں خلل پڑتا ہے اس کے بعد پھر آکر نیت باندھ لی مسافر چونکہ تکان سے بہت خستہ ہو رہا تھا تھوڑی دیر میں پھر سو گیا اور خراٹوں کی آواز پھر شروع ہوئی آپ نے پھر نماز توڑ کر اس کو بیدار کیا اور اس کے بعد نماز شروع کی۔ تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو آپ کو بہت غصہ آیا اور چھری لے کر اس غریب مسافر کو شہید کر دیا اور پھر بفریغت نماز پڑھی۔ صبح کو نماز کے لئے لوگ جمع ہوئے تو مسجد میں لاش کو دیکھا تعجب سے پوچھا کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا تو عابد صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا اس لئے ہم نے قتل کر ڈالا یہ تو بالکل کھلی حماقت تھی اس لئے سب نے اس پر نفرس کی ہوگی۔ لیکن آجکل اس سے بہت بڑی بڑی حماقتیں لوگ کرتے ہیں اور ان کی طرف ذرا التفات نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس سے خامض ہوتی ہیں۔

افسوس ہے کہ آج دین کی سمجھ بالکل مفقود ہے ناواقفی سے ہم لوگوں کی بعض واقعات لکھتے ہیں جیسے ایک سرحدی کی نسبت سنا ہے کہ وہ ہندوستان میں آیا ہوا تھا اتفاقاً چوروں نے کسی موقع پر اس کو زخمی کر دیا ایک شخص نے اس پر رحم کھا کر اس کا علاج کر لیا چند روز میں اس کو آرام ہو گیا جب اپنے وطن جانے لگا تو اس شخص سے کہا کہ اگر تم کبھی ہمارے دس میں آؤ گے تو ہم تمہارا احسان کی مکافات

کریں گے چنانچہ ایک مرتبہ کسی ذریعہ سے وہ شخص اس کے وطن گیا اور یاد آیا کہ اپنے دوست سے ملے دریافت کرتا ہوا اس کے گھر پہنچا ملاقات ہوئی تہایت عزت سے پیش آیا اور اپنے گھر پر لے گیا اور اس سے کہا کہ تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں اس کے جانے کے بعد گھر والوں نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو اس نے سارا قصہ ان سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ خدا کے لئے تم فوراً یہاں سے بھاگو ورنہ وہ تم کو ہلاک کر دے گا، کیونکہ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر کبھی ہمارا دوست ہمارے وطن آئے تو ہم اس کے احسان کی مکافات کریں گے اس طرح کہ اول اس کو اسی قدر زخمی کریں گے جتنے ہم ہونے تھے اور پھر اس کا علاج کر کے اس کو تندرست کریں گے چنانچہ وہ ابھی چھرا لیکر آئیگا اور تم کو زخمی کریگا یہ غریب وہاں بھاگا اور اس طرح اسکی جان بچی۔

تو بہت لوگوں کی عادت ایسی ہوتی ہے جیسی اس کی مکافات تھی لیکن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا مثلاً بعض لوگوں کو مراقبہ کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ اگر حالت مراقبہ میں کوئی شخص ان کے پاس آکر نماز کے متعلق مسئلہ دریافت کرے اور نماز کا وقت نکلا جاتا ہو اور کوئی دوسرا آدمی مسئلہ بتلانے والا بھی نہ ہو تو یہ ہرگز مراقبہ سے سر نہ اٹھائیں گے حالانکہ ایسے وقت میں فرض ہے کہ مراقبہ چھوڑ کر مسئلہ بتلا دیں۔ میں نے خود ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ ہر وقت تسبیح ہاتھ میں ہے لیکن نہ بیوی کی خبر ہے نہ بچے کی گویا ماسوی اللہ کو چھوڑ دیا اور سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ لوگ کیفیات کو مطلوب سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم خدا کے مقبول نہ ہوتے تو ہم پر یہ کیفیات کیونکر طاری ہوتیں حالانکہ یہ کفار پر بھی ہوتی ہیں اس کی حقیقت ایک واقعہ سے سمجھ میں آئے گی۔ ایک سجادہ نشین نے مجلس عرس میں کلکٹر اور صاحب حج کو مدعو کیا وہ چونکہ خلیق تھے شریک ہو گئے آخر نین تڑن شروع ہوئی اور قوالوں نے گانا شروع کیا کچھ ایسا سماں بندھا کہ صاحب حج پر محویت کے آثار طاری ہونے لگے اور وہ بے اختیار ہو کر گرنے لگے تھوڑی دیر تو تحمل کیا جب نہ سنبھل سکے تو صاحب کلکٹر سے کہا کہ مجھ کو کیا ہو گیا کہ میں گر جاتا ہوں صاحب کلکٹر نے کہا کہ میری بھی یہی حالت ہے آخر دونوں وہاں سے اٹھ گئے اور چل دیئے۔ تو صاحب حج کو کیا یہ صاحب کلکٹر اور صاحب حج بھی بزرگ تھے۔ معلوم ہوا کہ کیفیات کا انداز قبول اور بزرگی نہیں وہ ایک انفعال ہے جو اکثر

ذکر و شغل سے اور دوسرے اسباب سے بھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح بعض اشغال سے ذکر میں یکسوئی بھی زیادہ ہوتی ہے اور خطرات کم ہونے لگتے ہیں کیونکہ ان اشغال سے رطوبات کم ہو جاتی ہیں تو یہ سب اسباب طبعیہ کے دخل سے ہوتی ہیں میرا یہ مطلب نہیں کہ کیفیات محض بریکار نہیں ہرگز نہیں کیفیات نافع بھی ہیں لیکن مقصود یہ ہے کہ ان میں زیادہ دخل اسباب طبعیہ کو ہے۔

ایک بزرگ کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے بڑھاپے میں روتے تھے سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ جوانی میں نمازیں لذت زیادہ ہوتی تھی میں سمجھتا تھا کہ یہ نسبت کا اثر ہے لیکن اب وہ حالت نہیں رہی معلوم ہوا کہ وہ سب جوانی کا نشاط تھا چونکہ وہ نہیں رہی اس لئے وہ کیفیت بھی نہیں رہی اور نسبت کی گرمی بڑھاپے میں جا کر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

خود قوی تر می شود خمیر کہن خاصہ آن خمرے کہ باشد من گدُن
پرانی شراب خود بخود زیادہ تر قوی ہو جاتی ہے خاص کر وہ شراب جو میر کاتی کے ہائے آئے

دوسرے بزرگ کہتے ہیں

ہر چند پیر و خستہ و لبس ناتواں شدم ہر گز نظر بروئی تو کردم جوان شدم
(اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور کمزور و ناتواں ہو گیا ہوں مگر پھر بھی جب تیرے
(پیر کیفیت) چہرہ پر نگاہ ڈالتا ہوں جوان ہو جاتا ہوں)

غرض یہ نفسانی کیفیات نہ محمود ہیں نہ مذموم ہیں البتہ اگر یہ آلہ مقصود کا بن جائیں تو پھر محمود ہو جاتی ہیں ورنہ ایسے مثلاً بعض کیفیات کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھی باقی رہتی ہیں اور اس لئے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مقبول اور خاصانِ خدا ہیں لیکن یاد رکھو کہ وہ مذموم ہیں اور یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا کہ مخالفتِ احکام پر بھی دعویٰ مقبولیت کا کرتے تھے چنانچہ وہ کہا کرتے تھے نَحْنُ أَنْبَاءُ اللَّهِ وَ أَحِبَّاءُہُمْ (ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں) یعنی ہم مثل بیٹے کے ہیں کہ جس طرح باپ اپنے بیٹے کو ہر حال میں چاہتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ ہم کو ہر حال میں چاہتے ہیں خدا تعالیٰ ان کے اس خیال کا رد فرماتے ہیں کہ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ (آپ فرمادیجئے

کہ پھر کیوں وہ تم کو تمہارے گناہوں کی وجہ سے تم کو عذاب دیتا ہے، تو اس امت میں بھی بعض لوگ اس خیال کے موجود ہیں مگر سمجھ لینا چاہیے کہ قیامت میں ایسے لوگوں کی گردن ناپی جائے گی ان اعمال کی وہاں کچھ بھی قدر نہ ہوگی کیونکہ مقصود عبادات ہیں مجاہدات و ریاضت مقصود نہیں لیکن چونکہ ہم لوگوں کی عبادات میں وہ خلوص مطلوب پیدا نہیں ہوتا اس لئے یہ مجاہدات کئے جاتے ہیں کہ ہماری نمازوں اور نیز دوسری عبادات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان پیدا ہو جائے پس یہ ریاضت مقصود بالغیر ہونی لکھا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ حضرت وہ تصون کے نکات جو زندگی میں بیان ہوتے تھے یہاں بھی کچھ کام آئے فرمایا کہ سب فنا ہو گئے ہاں کچھ نمازِ اخیر شب میں پڑھ لیتا تھا وہ البتہ کام آئی مَا نَفَعْنَا إِلَّا رُكِيْعَاتٌ فِي جَوْفِ الْكَيْلِ (نہیں نفع دیا ہم کو لیکن نیم شبی کی چند رکعتوں نے) لوگ خدا جانے ان کیفیات کو کیا کچھ سمجھے ہوئے ہیں ۵

خواجہ پندار د کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

رسرد ارگمان کہتا ہے کہ وہ مقصود حاصل کر چکا ہے حالانکہ خواجہ کا حاصل

سوائے گمان کے اور کچھ نہیں)

لیکن اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ محض ظاہری اعمال کافی ہیں اور مجاہدات کی مطلق ضرورت نہیں کیونکہ ظاہری اعمال میں خلوص شرط ہے اور آج وہ مفقود ہے اور یہ مجاہدات اس خلوص کا مقدمہ ہیں اور مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے جیسے وضو مقدمہ ہے صلوٰۃ کا خود مطلوب بالذات نہیں لہذا بدون ان مجاہدات کے نرے اعمال اکثر کافی نہیں یہاں تک عوام الناس کے مقرر کردہ معیاروں اور ان کے آثار کا بیان تھا۔

اب مناسب ہے کہ اصلی اور صحیح معیار بیان کر دیا جائے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ وَجَاهِدْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ طر کیا تم حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے والوں کو ان لوگوں کے برابر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں)

اس کی شانِ نزول میں مختلف قصے آئے ہیں جن کی تفصیل اس وقت مستحضر نہیں اتنی قدر مشترک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بعض لوگوں میں گفتگو ہو گئی تھی کہ ایک جماعت اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کو افضل سمجھتی تھی۔ دوسری جماعت اپنے تئیں۔ خدا تعالیٰ اس آیت میں افضلیتِ اعمال کا فیصلہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ کونسی جماعت افضل ہے۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے۔ کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد کی تعمیر کرنے کو اس شخص کے اعمال کے برابر کہتے ہو جو خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے دین کو نفع پہنچایا ہو یہ دونوں جماعتیں ہرگز برابر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عمارتِ مسجد اور سقایۃ حجاج ایمان باللہ و اعلائے کلمۃ اللہ کی برابر نہیں ہے کیونکہ جَعَلْتُمْ كَمَا مَفْعُولٍ سَقَايَةَ كَوَقَرَارِ دِيَا ہے جو کہ عمل ہے تو مقصودِ اعمال کا تفاضل بیان کرنا ہے۔ رہی یہ بات کہ ایک جانب میں تَوَجَّعَلْتُمْ كَمَا مَفْعُولٍ اعمال کو بتایا اور دوسری جانب میں كَات كَا مَدْخُولٍ مَوْتِنِينَ کی ذات کو قرار دیا اس کی وجہ یہ ہے جو ابھی ذہن میں آئی کہ جو لوگ معمرین مسجد تھے وہ اس وقت تک کافر تھے اور عمل ان کا نیک تھا اگرچہ خصوصیت محل کی وجہ سے اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں تھا تو اس جانب میں اعمال کو ذکر کیے یہ بتلادیا کہ اب بوجہ عامل کے مؤمن نہ ہونے کے یہ اعمال مقبول ہی نہیں لیکن اگر اس سے قطع نظر بھی کی جائے اور نفسِ اعمال کو دیکھا جائے تب بھی اپنے مقابلِ اعمال سے کم ہیں اور دوسری جانب میں ذات کو كَات كَا مَدْخُولٍ بنا کر یہ بتلادیا کہ ان اعمال کی یہ حالت ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے خود عمل کرنے والا بھی مقبول ہو جاتا ہے الغرض اس آیت میں افضلیتِ سقایۃ و عمارت کے دعوے کی تغلیط ہے اور مبنیٰ اس دعویٰ کا وہی تھا جو آجکل عوام الناس میں ہے یعنی عمل کا نفع عاقل ہو اور عام ہو اور

عمل کی صورت عبادت کی سی ہو سقائیٰ الحاج میں تو نفع عام اور نفع عاجل تھا اور تعمیر مسجد کی صورت عبادت کی تھی۔ اس لئے ظاہراً معنی فضیلت کے اس میں زیادہ تھے اور اس کی تغایط کر کے خدا تعالیٰ بتلاتے ہیں کہ فضیلت فلاں فلاں عمل میں ہے لیکن اس میں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ جن اعمال کو اللہ تعالیٰ نے افضل بتایا ہے ان میں وجہ اس افضلیت کی کیا ہے اور اس میں غور کرنے سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا کہ نفع لازم سے نفع متعدی افضل ہے یا نہیں اور تعدی یا لزوم پر افضلیت کی بنا ہو سکتی ہے یا نہیں۔

تو آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ افضلیت کی اور اس کا معیار ایمان ہے یعنی جس چیز کو ایمان سے زیادہ تلتیس ہوگا وہ زیادہ افضل ہوگی اور اسی وجہ سے ایمان کے ساتھ ایک دوسری صفت یعنی جَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (اللہ کے راستے میں اس نے جہاد کیا) کو بھی ذکر کر دیا کیونکہ وہ اعلا کلمۃ اللہ کا باعث اور اسلام کے پھیلانے میں معین ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ کوئی عمل ایسا نہیں کہ بدون اس کے دوسرے عمل بالکل مقبول نہ ہوں مثلاً ایسا نہیں کہ نماز بدون زکوٰۃ کے قبول نہ ہو اور زکوٰۃ بدون حج کے بجز ایمان کے کہ اس پر تمام اعمال موقوف ہیں۔ پس اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ متعدی کو من کل الوجوه افضل کہنا غلطی ہے چنانچہ ایمان عمل متعدی نہیں اور پھر سبب افضل ہے اور یہیں سے یعنی ایمان کے افضل الاعمال ہونے سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی۔ جو کہ غیر اہل ایمان کو اہل ایمان پر فضیلت دیتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے فلاں قوم اچھی ہے البتہ اگر ایسے مضامین سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں بعض لوگ بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص مسلمان ہو کر بھی فلاں عیب کو نہیں چھوڑتا اس سے تو مسلمان ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا یہ سخت غلطی اور جہل ہے ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ رنڈیوں کو مسلمان نہ کرنا چاہیے اسلام کو ایسے مسلمانوں سے عیب لگتا ہے میں نے کہا اگر اسلام ایسے مسلمانوں کو رکالے تو تم کو ان سے پیشتر رکالے گا تمہارے اعمال

کہاں کے اچھے ہیں۔ بعضے لوگ چمار بھنگی کے مسلمان ہونے کو بوجہ تحقیر کے پسند نہیں کرتے۔ مگر یاد رکھو جب قیامت کا دن ہوگا اس روز معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کو ذلیل سمجھتے تھے ان کی کیا حالت ہے اور ہماری کیا گت ہے۔

فَسَوْفَ تَرَىٰ إِذَا انْكَشَفَ السَّيْمَاءُ أَفْرَاسًا نَّحْتِ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ جَمَازٍ
 (پس عنقریب تو اے مخاطب دیکھ لے گا جس وقت کہ غبار ختم ہو جائے گا کہ آیا تیرے پیروں کے نیچے گھوڑا ہے یا کہ گدھا میدان جنگ میں کس قسم کے سوار پر فرغ پائی ہے اسی طرح دنیا کی زندگی ایک قسم کا غبار جب موت واقع ہوگی اور دنیاوی پردہ ختم ہو جائے گا اس وقت حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی)

اسی طرح مؤمن عیب دار کو کافر با کمال کے مقابلے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص جو صرف ایمان لایا تھا اور کوئی عمل اس نے اچھا نہیں کیا اس کو تھوڑی مدت کے بعد عذاب سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا اذْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ہر جن میں داخل ہو جاؤ اب نہ تمہیں کوئی خوف ہوگا نہ کسی کا غم) اور اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جو کہ دنیا میں بڑا خلیق مہربان با کمال تھا لیکن دولت ایمان سے محروم تھا وہ ابد الابد جہنم میں رہے گا اور کبھی اس کو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کو واضح طور سے یوں سمجھو کہ اگر گورنمنٹ کی رعایا میں دو شخص ارتکاب جرم کریں ایک تو چوری میں ماخوذ ہو اور دوسرا بغاوت میں تو اگرچہ سزا دونوں کو دی جائے گی لیکن چوری کی سزا محدود اور کم ہوگی ایک دن ایسا ضرور ہوگا کہ وہ سزا بھگت کر بھرا اپنے گھرائے اور چین سے بسر کرے پردہ باغی کبھی عذاب سے نجات نہ پائے گا اور زندگی بھر سزا کی تکالیف میں رہے گا یا فوراً پھانسی کا حکم ہوگا کہ زندگی ہی کا خاتمہ ہو جائے گو وہ کتنا ہی بڑا لائق فائق ہو اور وہ چور بالکل جاہل کتدہ ناتراش ہو۔

صاحبو! ایمان ایک آفتاب ہے اگر ہزاروں بدلی کے ٹکڑے اس پر حائل ہوں تب بھی اس کا نور فائض ہو کر رہے گا اور جھلک جھلک کر روشنی پڑے گی اور کفر کی

خوش اخلاقی آئینہ کی سی چمک ہے جو کہ بالکل عارضی ہے۔

دوسری مثال لیجئے اگر ایک گلاب کی شاخیں کسی گمبہ میں لگا دی جائیں اور اس کے مقابل کاغذ کے ویسے ہی پھول بنا کر رکھ دیئے جائیں تو اگرچہ اس وقت کاغذ کے پھولوں میں زیادہ رونق اور شادابی ہے اصل گلاب کی وہ حالت نہیں لیکن ایک چھینٹا بارش ہو جائے پھر دیکھئے کہ گلاب کیا رنگ لاتا ہے اور کاغذ کے پھول کیسے بد رنگ ہوتے ہیں پس مسلمان اگرچہ دنیا میں کسی حالت میں ہو لیکن قیامت میں جب ابر رحمت بر سے گا تو دیکھنا کہ اس کا اصلی رنگ کیسا کچھ نکھرتا ہے اور کافر کی زرق برق حالت پر کیا پانی پڑتا ہے۔ صاحبو غیرت آنی چاہئے کہ مسلمان ہو کر اسلام کی حقیقت جان کر اپنے منہ سے کافر کو مسلمان پر فضیلت دو اور مسلمان کی مذمت اور کافر کی تعریف کرو۔ جب معلوم ہوا کہ ایمان ایسی بڑی چیز ہے تو اس کے ساتھ جن چیزوں کو زیادہ تلبس ہوگا وہ افضل ہوں گی لیکن تلبس بلا ایمان کو سمجھنا ذرا دشوار ہے کیونکہ بعض ایسے اعمال ہیں کہ وہ خود اسلام کا مبنی ہیں بعض ایسے ہیں کہ وہ اسلام پر مبنی ہیں۔

تو معیار وہ اعمال ہیں جو کہ مبنی ہوں اسلام کا چنانچہ آیت میں ایمان کے ساتھ اسی عمل کو ذکر کیا گیا ہے جس سے اسلام کو قوت پہنچتی ہے اور مسجد حرام کی تعمیر خود اسلام پر مبنی ہے۔ پس یہاں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسجد کی خدمت سے دین کی مدد اور اس کو قوی بنانا زیادہ افضل ہے اسی طرح اور جس قدر اعمال ہیں سب میں یہی دیکھنا چاہئے جیسے تعلیم و علم و عطا ارشاد یعنی اصلاح خلق۔

پس وظیفہ و وظائف سے اصلاح خلق میں زیادہ فضیلت ہوگی کیونکہ یہ مبنی ہے ایمان کی تکمیل کا مگر یہ افضلیت باعتبار معیار مذکور کے فی نفسہ ہے ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو عمل فی نفسہ افضل نہیں وہ کسی عارض کی وجہ سے زیادہ قابل توجہ ہو جائے اور کسی خاص وقت میں اس کی طرف توجہ کرنا زیادہ افضل ہو جیسے وضو کہ نماز سے افضل نہیں لیکن بعض اوقات بوجہ شرطیت نماز کے

زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ یا مثلاً وعظ کہتا کہ فی نفسہ تخلیہ للعبادۃ سے افضل ہے لیکن جبکہ وعظ پر مقصود بقدر ضرورت مرتب ہو چکے تو بلا ضرورت ہر وقت اس میں مشغول رہنے سے یہ بہتر ہوگا کہ کسی وقت عبادت کے لئے تخلیہ بھی اختیار کرے اور کسی وقت اپنی بھی منکر کرے۔ اور خدا کی یاد میں لگے اور اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَانصَبْ۔ کہ ایک وقت ایسا بھی نکالے کہ صرف خدا ہی کی یاد میں اس وقت مشغول ہوں کوئی دوسرا کام نہ ہو۔

بفراغ دل زمانے نظرے بجاہ رھے بہ ازانکہ چتر شاہی ہم روز ہاؤ ہوئے
(ایک زمانہ فراغ دلی کے ساتھ نظر کرنا اس خوبصورت کی طرف بہتر ہے چتر شاہی سے اور تمام دن کی ہاؤ ہو سے)

اور

خوشا وقتے و خرم روزگارے کہ یارے بر خورد از وصل یارے
رمبارک ہے وہ وقت اور وہ گھڑیاں جب ایک محب اپنے محبوب کے
وصل سے سرفراز ہو۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شے کے بقا کے لئے ایک سبب ہوتا ہے اور نسبت جس کی بدولت وعظ بھی مؤثر ہو گیا ہے اس کی بقا کا سبب یہ ہے کہ کسی وقت صرف شغل مع اللہ ہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی ہوگی جو کہ مشغولت تک پہنچ کر اپنا کام بالکل چھوڑ دیتے ہیں اس سے ان کی نسبت ضعیف ہو جاتی ہے اور فیض بند ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو اعمال اسلام کا مینی ہوں وہ افضل ہوں گے اس قاعدے کو محفوظ کر کے اعمال میں فیصلہ کر لینا چاہیے اور جس کو اس قدر قوت نہ ہو کہ خود فیصلہ کر سکے وہ کسی عالم سے پوچھ لے کیونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ عمل کرتا تو ضرور ہے اور ہر شخص کو اس کی تمیز

نہیں ہو سکتی جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ بعض اوقات اعمالِ غیرِ فاضلہ بھی کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو جاتے ہیں تو ایسے مواقع پر دریا فت کر لینا چاہیے البتہ اگر کوئی عمل ایسا ہو کہ اس کی ضرورت محسوس ہو اور کوئی دوسرا عمل اس وقت اس کے مقابلے میں ایسا ضروری نہ ہو تو اگرچہ یہ مفضول ہی ہو اُس کو کرنا چاہیے مثلاً ایک آباد مسجد گھر گئی اور نمازی پر لیٹان ہیں یا عید گاہ گھر گئی تو ایسے موقع پر اس کا کرنا زیادہ ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن اعمال کی ضرورت متعین ہو اور وہ معلوم بھی ہو جائے وہاں تو اُس کو کر لینا چاہیے۔ اگرچہ مفضول ہو اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں اپنی رائے سے ایک عمل کو دوسرے عمل پر ترجیح نہ دینا چاہیے بلکہ کسی عالم سے استفتا کرنا چاہیے جیسے مثلاً بخاری شریف کا وقف کرنا یا کسی غریب کو کھانا کھلا دینا۔ اب اس کے مقابلے کے لئے یہ بھی بیان کر دینا مناسب ہے کہ جس طرح حنات میں تفاضل ہے اسی طرح گناہوں میں بھی تفاوت ہے لیکن جس طرح حنات میں استفتا کرنے کی ضرورت ہے کہ کس عمل کو کیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔ اسی طرح سیئات میں استفتا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ سب کو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ چھوٹے بڑے گناہ سب گناہ ہیں اور حرام ہیں۔ اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کیا فلاں کام بہت ہی گناہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر چھوٹا ہو تو ہم کر لیں۔ یاد رکھو اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ایک چنگاری کی نسبت پوچھے کہ کیا یہ چنگاری بہت بڑی ہے یا انگارا۔ تو صاحبو جس طرح ایک بڑا انگارا مکان بھر کو بھونک دے گا اسی طرح ایک چنگاری بھی گھر بھر کو بھونک دے گی۔ تو ایمان کے قصر کو ایک چھوٹا گناہ بھی ویسا ہی برباد کر دے گا جس طرح بہت بڑا گناہ تو سب سے بچنا چاہیے۔ بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ رشوت لینا زیادہ گناہ ہے یا سود کھانا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ پیشاب زیادہ گندہ

ہوتا ہے یا پاخانہ تاکہ جو کم گندہ ہو اس کو تنادل فرمائیں۔ غرض یہ ہے کہ حسنات میں تو تفاضل کو دریافت کرو اور گناہ سب چھوڑ دو۔

اب میں اس وعظ کا ربط سابق وعظ سے بیان کرتا ہوں کہ عَدَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید دوسرے کو نفع پہنچانے کی اجازت نہیں تو آج کے بیان سے یہ شبہ جاتا رہا کیونکہ اس بیان سے اس کی فضیلت بھی ثابت ہوئی پس وہ آیت نفع پہنچانے کے معارض نہیں ہے البتہ کسی کے پیچھے نہ پڑو کہہ کر ختم کر دو۔

مثلاً اس وقت میں نے وعظ کہا ہے یہاں تک تو مناسب ہے اب اگر میں ایک ایک کے درپے ہوں اور تحقیق کرتا پھروں کہ کس نے عمل کیا اور کس نے نہیں کیا اور پھر اس کی فکر و تدبیر میں لگوں یہ اکثر اوقات مضر ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے نَذَكِّرُ فَإِنَّكَ أَنتَ مُذَكِّرٌ اور آپ نصیحت فرمائیے اس لئے آپ نصیحت کرنے والے ہیں، اور دوسرے موقع پر یہ بھی ارشاد ہے کہ أَمَّا مَنِ اسْتَعْنَىٰ فَأِنَّكَ لَهُ تَصَدَّىٰ اور جو شخص آپ سے بے پروائی اختیار کرتا ہے تو آپ اس کے درپے ہو جاتے ہیں، تو تذکیر تو مطلوب ہے مگر پیچھے پڑنا بیکار ہے۔ ہاں جہاں اپنی پوری قدرت ہو وہاں ضروری ہے جیسے اپنی اولاد یا شاگرد اور کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اسی موقع پر یہ آیت بھی ذکر کرنی چاہیگی تھی کیونکہ اصل مضمون تو معلوم ہو گیا گو آج معلوم ہوا۔ یہ مضمون دس بارہ دن سے میرے ذہن میں تھا درمیان میں ذہول بھی ہو گیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج یہ بیان ہو گیا یہ بالکل نیا مضمون ہے اس سے اپنے اعمال میں بھی تفاضل سمجھنے کا طریقہ باسانی معلوم ہو سکتا ہے اور انتخاب بھی اس معیار سے باسانی ممکن ہے۔ اب خدا سے دُعا کیجئے کہ وہ عمل کی توفیق دے۔

اٰمِنِ يٰ اَرَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ط

تمام شد

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

دعوات عبدیت جلد چہارم

کا

تیسرا وعظ ملقب بہ

الرِّضَا بِالذَّنْبِ

(متجملہ ارشادات)

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کھنالوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: محمد عبد المتان ^{غفرلہ}

مکتبہ کھنالوی — دفتر الایقاع

مسافر خانہ بندر روڈ کراچی
ایم۔ اے جناح روڈ

دعوات عبدیت جلد چہارم کا تیسرا وعظا ملقب بہ

الرَّضَا بِالذَّنْبِ

آیت	مَنْ	كَمْ	كَيْفًا	مَاذَا	مَنْ صَبَّطَ	الْمُسْتَمْعُونَ	اَسْتَات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کیسے کرنا	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جلال آبا و جد علی حسن صاحب	۵ اصفہان ۳۳۳ ہجری	۱۱ گھنٹہ	مدھیہ کر	روضہ از اشتغال بنیاد و عقائد از آذرت	مروزی سعید احمد صاحب تھا نوی	تقریباً سوا آدی	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدًا وَرَسُولًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ - اَمَّا بَعْدُ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط رَاىَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ تَاوَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَآءَ تَوَابِهَا وَالَّذِيْنَ هُوَ عَنْ اَيْمٰنٍ غَافِلُونَ اُوَلٰٓئِكَ مَا هُوَ لَآئِمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ط (جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھڑکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر ماضی ہو گئے ہیں (آخرت کی طلب اصلاً نہیں کرتے) اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (آمدہ کی کچھ خبر نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے)

ان آیتوں میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایک خاص جماعت کی مذمت ایک خاص صفت پر فرمائی ہے جس جماعت کی مذمت اس میں ہے بھلا اللہ حاضرین میں اُس جماعت کا ایک فرد بھی نہیں ہے لیکن اس سے اس بیان کو بے ربط یا بے ضرورت نہ سمجھنا چاہیے ایک اس میں غور کرنا

کہ جس کی مذمت ہوتی ہے ذات کی وجہ سے نہیں ہوتی کیونکہ نفس ذات میں تو سب انسان شریک ہیں تو ذات کسی کی مقصود نہیں ہوتی بلکہ مبنی مذمت کا خاص صفات ہوتی ہیں تو صفاتِ ضمیرہ جس میں ہوں گی وہ مذموم ہوگا جس میں نہ ہوں گی وہ نہ ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جس کی مذمت فرمائی گئی ہے ساتھ ہی وہ صفا بھی ذکر فرمادی ہیں جن پر مذمت فرمائی گئی ہے اسی طرح خوشنودی اور رضائیں بھی ان کا خاص مبنی صفات ہی ہوتی ہیں کہ چونکہ یہ صفات ان میں پائی جاتی ہیں اس لئے ہم ان سے خوش اور راضی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مدح اور مذمت وغیرہ کا مدار حمیدہ یا ذمیرہ صفات ہیں جس میں جیسی صفات ہوں گی ویسے ہی آثار اُس پر مرتب ہوں گے اس کے بعد اشکال رفع ہو جائے کہ جس جماعت کے باب میں یہ آیتیں ہیں جب حاضرین میں ان میں سے ایک فرد بھی نہیں تو ان آیتوں کو کیوں اختیار کیا گیا اور ترجمے سے معلوم ہو جائے گا کہ کس جماعت کی مذمت ہے مگر یہ پہلے ہی بتلائے دیتا ہوں کہ وہ جماعت کفار کی ہے اور اسی وجہ سے وہ شبہ بھی ہوتا تھا کہ یہاں اس کی تلاوت کی کیا ضرورت ہوئی اور اسی شبہ کی بنا پر بعض لوگ یہ سن کر کہ فلاں آیت کفار کے حق میں ہے بے فکر بھی ہو جاتے ہیں کہ خیر تم تو اس کا مورد نہیں ہیں مگر غور کرنے کی بات ہے کہ وہ آیت جو کفار کی شان میں ہے وہ مسلمانوں کے لئے بجائے بے فکر کرنے کے بہت بڑا تازیانا ہے مگر مسلمان اس کو سن کر بے فکر ہو جاتے ہیں کہ یہ تو کفار کی شان میں ہے۔ صاحبو یہ صحیح ہے کہ یہ کفار کی مذمت ہے اور قرآن شریف میں اکثر مواقع پر کفار ہی کی مذمت کی گئی مسلمانوں کی مذمت قرآن شریف میں بہت کم ہے مگر یہ تو غور کرنے کی بات ہے کہ کفار کی مذمت ہم مسلمانوں کو کیوں سنانی گئی ہے مطلب اس سے یہ ہے کہ ان صفات کا مسلمانوں میں ہونا بہت زیادہ عجیب ہے یہ صفات تو صرف کفار میں ہوتیں ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی ذات سے بوجہ نہیں کسی کی ذات سے محبت نہیں۔ بلکہ صفاتِ حمیدہ بنائے رضائیں اور صفاتِ ذمیرہ بنائے ناراضی و مذمت تو اگر یہ وہی صفات ذمیرہ مسلمانوں میں بھی ہوں جو مدعی اطاعت اور عبدیت کے ہیں تو ان کو اور بھی شرمانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کفار کو جن صفات پر تارا

گیا ہے ہم میں وہی صفات ہیں تو ان کی درستی بہت زیادہ کرنی چاہیے مثلاً ایک باغی کو بادشاہ
 برا بھلا کہے کہ تو نے بغاوت کی تو نے سرکار کا مقابلہ کیا تو نے یہ کیا تو نے وہ کیا اس خطاب
 کو سن کر دوسرے اہل جرم کو ڈرنا چاہیے اور بے خوف نہ ہونا چاہیے اس کو یہ دیکھنا چاہیے
 کہ جو الزامات باغی پر لگائے گئے ہیں وہ مجھ میں تو نہیں ہیں کلاً یا بعضاً یا مثلاً ایک باوجود
 آدمی ظلم کرتا ہے اور رعایا کو ستاتا ہے یا ڈکیتی کرتا ہے لیکن باغی نہیں ہے ہاں فوجداری
 کی بہت سی دفعات اس پر عائد ہیں اور اتفاق سے بادشاہ نے اسی کے سامنے ایک
 باغی کو تہدید کی اور ان صفات پر بھی تہدید کی جو اس کے اندر بھی پائی جاتی ہے تو اس کے
 بھی کان ہونے چاہئیں ہاں ایک فرق ضرور ہے کہ اگر جرم کم ہوں گے تو ناخوشی کم ہوگی
 اور اگر زیادہ ہوں گے تو ناخوشی زیادہ ہوگی۔ سو مسلمان خواہ کیسا ہی بددین مجرم ہو مگر
 اس کے جرم کافر کے برابر نہیں ہو سکتے تو یہ تو ماننا پڑے گا کہ مسلمان سے اتنی ناخوشی نہ
 ہوگی لیکن اس پر تو تسلی نہ ہونی چاہیے کہ ہم سے کم ناخوشی ہے دیکھو اگر کسی مجرم کو دس برس
 کی قید ہو اور دوسرے کو پانچ برس کی تو کیا اس دوسرے کو بے فکری ہوگی میرے خیال میں کوئی عاقل ایسا
 نہیں کہ وہ اس وجہ سے بے فکر ہو جائے کہ میری سزا فلاں شخص سے تو کم ہے۔ بلکہ ایک باریک بات
 یہ ہے کہ بعض اوقات بڑی دفعہ اور بڑی سزا سن کر اتنی کلفت
 نہیں ہوتی جتنی چھوٹی دفعہ اور چھوٹی سزا سن کر ہوتی ہے۔ کیونکہ بڑی
 سزا میں تو مایوسی ہو جاتی ہے اور مشہور ہے الیسا اس احدای الراحین
 (مایوسی ایک طرح کی راحت ہے) ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اس کو ایک جرم میں جج نے سات
 برس کی قید کا حکم دیا اور اس سے کہا کہ دیکھو تم اپیل نہ کرنا ورنہ تم کو زیادہ سزا ہو جائے گی
 میں نے تم کو بہت کم سزا دی ہے۔ مگر اس شخص نے اپیل کی اس میں شاید ۲۸ برس کی سزا
 ہوئی۔ ۲۸ برس کا نام سکر اس کو بالکل یا س ہو گئی کہ اب زندہ بچ کر نہیں نکل سکتا اور
 اس یا س سے گونہ راحت ہو گئی۔ تو اس حیثیت سے تو مسلمان کو چھوٹی سزا سن کر زیادہ فکر
 میں پڑنا چاہیے کہ اس کو تو یا س بھی نہ ہوگی غرض اس حیثیت سے یہ تفاوت ہے اگرچہ
 دوسری حیثیت سے دوسرے تفاوت بھی ہیں مگر میں نے اس کو اس لئے بیان کیا کہ بیفکری

نہ رہے کیونکہ اس کو سن کر کہ ایک نہ ایک دن دوزخ سے نکل آئیں گے اکثر لوگ بے فکر ہیں سو یہ بڑی غلطی کی بات ہے کہ تھوڑی سزا کو سن کر بے فکر ہو جائے غرض کفار اور مسلمانوں کی سزا میں تفاوت کا انکار نہیں لیکن وہ تفاوت بے فکر نہیں کر سکتا بلکہ زیادہ فکر ہونا چاہیے یا برابر ہی ہو یا کم ہی فکر ہو مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ بالکل ہی بے فکر بیٹھے ہیں بعض تو بالکل ہی خیال نہیں کرتے ان کی تو شکایت ہی کیا مگر غضب تو یہ ہے کہ بعض خردار بھی بے فکر ہیں کہتے ہیں کہ کفار کی برابر سزا تھوڑا ہی ہوگی۔ میں اس بے فسکری کے رفع کرنے کے لئے یہ تمام تقریر کر رہا ہوں کہ اس خیال کو کبھی دل میں نہ لاتے اور اس اعتراض کا جواب دے رہا ہوں کہ یہ تو کفار کے حق میں ہے پھر ہم کو کیا فکر جو اب کا خلاصہ یہ ہے کہ جن صفات پر کفار کو یہ وعید سنائی گئی ہے اگر آپ میں بھی وہ صفات ہیں تو آپ کو ضرور فکر ہونی چاہیے۔ دوسرے اگر چار کو چار کھکر دس جو تیاں مار لی جائیں تو عجب نہیں لیکن اگر کسی بڑے آدمی کو یہ کہہ دیا جائے تو نہایت شرم کی بات ہے تو کافروں کو اگر منکر لقا اللہ اور راضی بالحریۃ الدنیا اور غافل عن الآیات کہہ دیا جائے تو کچھ عجب نہیں لیکن اگر مسلمان میں یہ صفات پائی جائیں اور اس وجہ سے اس کا اتصاف ان کے ساتھ ہو تو زیادہ شرم کی بات ہے اور لیجئے اگر کسی کو بھنگی کیسٹھا قید کر دیں تو اس کے لئے کتنی تنگ کی بات ہے۔ یاد رکھو کہ جہنم خاص کافروں کے لئے مگر مسلمان اپنے ہاتھوں وہ اخلاق اختیار کر کے جو کافروں میں پائے جاتے ہیں مَن تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کے مصداق بنتے ہیں اور ان کے ساتھ قید ہونے کے کام کرتے ہیں اس حدیث مَن تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ تو لوگوں نے اڑا ہی دیا اور اگر لیا بھی ہے تو صرف لباس میں بہت سے ثقات بھی اس میں مبتلا ہیں کہ وضع اہل شرع کی بنا کر اپنے کو متقیوں میں شمار کرنے لگے گو افعال کیسے ہی ہوں لیکن اس حالت میں اس خیال کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے میرے وطن میں ایک بہرو پیا میر پورس انعام لینے کی غرض سے کسی بڈھے کی شکل بن کر آیا ایک شخص نے مجلس میں کہا کہ خدا کے یہاں ان بہرو پیوں کی کیا حالت ہوگی کہ کبھی عورت بنتے ہیں کبھی اور کوئی مکر کی شکل بناتے ہیں وہ کہتا ہے کہ ہم وہاں اس طرح تھوڑا ہی جائیں گے مولویوں کا لباس پہن کر جائیں گے بس فوراً مغفرت ہو جائے گی میں نے ڈانٹا کہ کیا واہیات ہے کیا خدا تعالیٰ کو کوئی دھوکا دے سکتا

ہے یہی حالت ہماری ہے کہ شکل تو بنالیتے ہیں علماء کی، فضلاء کی، صلحاء کی لیکن باطن میں سینکڑوں خیانتیں بھری ہیں۔

از بروں چوں گویا کافر بر حلال و اندروں قہر خدای عزوجل

از بروں طعنے زنی بر بایزید و ز درونت سنگ میدار دیزید

دباہر سے کافر کی قبر کی طرح خوشنام زمین ہے اور باطن ایسا کہ قہر خداوندی نازل

ہو رہا ہے ظاہر تو بایزید بطنانی پر طعنے مارتا ہے یعنی اپنا ظاہر کچھ ایسا بنا رکھا ہے

کہ بایزید کو لوگ کچھ نہ سمجھیں اور اپنے باطن میں یزید کے لئے بھی باعثِ شرم ہے

کہ صورت تو کافر کی قبر کی سی نہایت مزین اسی کو کہتے ہیں از بروں طعنے زنی بر بایزید

کہ بیرونی وضع تو ایسی کہ بایزید بھی شرمائیں اور قلب کی یہ حالت کہ یزید کو بھی اس

سے عار آئے ہم میں صورت کے دیندار تو بہت ہیں مگر سیرت کے دیندار کم ہیں غرض یہ

حدیث صورت اور لباس ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر حالت میں عام ہے اور لوگ

اس حدیث میں خواجواہ کلام کہتے ہیں یہ تو عقلی بات ہے اور ہر کس و ناکس اس کو سمجھتا ہے

دیکھو اگر کوئی شخص لغو و بیہودہ باتیں کرنے لگے تو اس کو کہتے ہیں کہ تو چمار ہو گیا

یا اگر ایک شخص ہر وقت بھڑوں میں رہنے لگے تو انھیں میں شمار ہونے لگے گا۔ جب یہ

بات ہے تو اگر ہم اخلاق کافروں کے اختیار کریں گے تو ہم بھی ان ہی جیسے ہو جائیں گے

پس ان کے ساتھ دوزخ میں بھی جائیں گے (اللہم انی اسئلتک الجنة واعوذ بک

من النار) اے اللہ ہم آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں اور جہنم سے پناہ چاہتے ہیں

جامع، ورنہ دوزخ سے مومن کو کیا علاتم جیسے جنت خاص متقیوں کے لئے ہے ایسے

ہی دوزخ خاص کفار کے لئے ہے۔ بیچ کے لوگ تو چونکہ وہ نہ کافر ہیں اور نہ متقی

اس لئے ہمیشہ کو دوزخ میں بھی نہ جائیں گے اور ابتداً جنت میں بھی نہ جائیں گے

مگر چونکہ ایمان کی وجہ سے متقیوں کے مشابہ ہیں اس لئے بعد چندے جنت میں چلے

جائیں گے۔ تو جنت میں جانے کے قابل وہ ہے کہ یا تو خود متقی ہو یا مشابہ متقی

کے در نہ نہیں۔ ہاں ایسے لوگ جب پاک صاف ہو جائیں گے اس وقت جنت میں

جانے کے قابل ہوں گے جیسے چراغ کہ اُس پر اگر بہت سی کیٹ (چیکٹ) جمع ہو جائے تو اس کو آگ میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے اور اس وقت وہ نفیس جگہ کے استعمال کے قابل ہوتا ہے اسی طرح اُن لوگوں کو دوزخ کے چوٹے میں ڈال کر صاف کیا جائے گا۔ یا دوسری مثال میں یوں سمجھو کہ بچہ اگر نجاست میں لتھڑا ہوا آئے تو کہا جائے گا کہ اس کو حمام میں لے جاؤ اور خوب گڑو اور اس پر سے نجاست کو کھر چو۔ تو دوزخ بھی حمام ہے لیکن اس کی برداشت ہرگز نہ ہو سکے گی۔ غرض مسلمانوں کا دوزخ میں جانا بوجہ مشابہت کفار کے ہے فرق اتنا ہے کہ کفار کو تعذیب کے لئے بھیجا جائیگا مسلمانوں کو تہذیب کے واسطے مگر تکلیف تو ضرور ہی ہوگی۔ دیکھو جب حمام میں جھانوں سے رگڑا جاتا ہے تو کیسی تکلیف ہوتی ہے تو تہذیب کہہ دینے سے ان کا کیا نفع ہوا تکلیف تو ہوئی جہنم میں تو گئے۔ دیکھو اگر ایک شخص کے بدن میں چھریاں بھونکی جائیں اور دوسرے کے بدن میں سوئیاں کو جی جائیں تو کیا اس دوسرے کو اطمینان ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اور ہم لوگ اُس سزا کو تو کیا برداشت کر سکتے ہم سے بشر کی تکلیف تو برداشت نہیں کی جاتی۔ تو ان باتوں سے ہرگز تسلی نہیں ہونی چاہئے ابو طالب کے لئے آیا ہے کہ چونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی تھی خدا تعالیٰ کی حکمت کے قربان ہو جائیے دیکھئے اتنے بڑے تو محبوب اور ان کو کلمہ نصیب نہ ہوا۔ موت کے وقت کلمہ پڑھنے پر راضی ہو گئے لیکن خدا نام کسے کرے ابو جہل کا کہ اس نے اس وقت بھی بہر کا یا آخر اسی حالت پر خاتمہ ہو گیا تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا اور اسی لئے اس کو بیان بھی کیا ورنہ جی نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ ایک مسئلہ کا استنباط مقصود تھا اس لئے بیان کیا سو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ آجکل لوگ مجلس کر لینے کو یا مولود کر لینے کو بجات کا باعث سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو بہت محبت ہے اور بس اسی کو بجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں نہ نماز کی ضرورت سمجھتے ہیں نہ روزے کی نہ حج کی نہ استغفار کی اور اس میں زیادہ تر خطا پڑھے لکھے لوگوں کی ہے انہوں نے اپنی طمع اور لالچ کے لئے ایسا کیا کہ عوام الناس کو

راضی کرنے کے لئے ان کو ایسے ایسے مضامین سنائے ان کے کہنے پر ایسی مجلسیں کیں
وعظ میں یہ مضامین بیان کئے جاتے ہیں کہ صا جو ڈاڑھی منڈواؤ ناچ کرو سب کان
ہو جائے گا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھو اور ان منکر وہابیوں کے پاس
نہ بیٹھو۔ اور وہابی نام رکھا ہے اہل سنت کا گو وہ مقلد اور حنفی ہوں غیر مجالس وعظ میں
یہ کہا جاتا ہے کہ جو چاہو کرو مگر صرف محبت رکھو اور اس کا اثر لوگوں پر یہ ہوا کہ انہوں
نے تمام اعمال کو غیر ضروری سمجھ لیا تو ایسے لوگوں کو اس حدیث سے سمجھ لینا چاہیے کہ ابوطالب
کی برابر کوئی بھی ان مدعیانِ محبت میں سے محبت رکھنے والا نہیں۔ ابوطالب وہ تھے کہ
سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا لیکن ابوطالب نے ساتھ دیا اور بہت
سی تکالیف اٹھائیں۔ آج تو وہ حالت ہے کہ مخالفتِ شریعت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں اگر ایک پیسے کا نفع ہو تو مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ایک مجلس میں یرزید
کے تذکرے پر ایک شخص کہہ رہا تھا کہ افسوس میں نہ ہوا ورنہ یوں کرتا اور یوں کرتا
یہ سن کر ایک دیہاتی شخص کو جوش آگیا کہنے لگا کہ میں کہتا ہوں کہ میں یرزید ہوں اور
میں نے ایسا ایسا کیا ہے اگر کچھ محبت ہے تو آ جاؤ یہ سن کر ان بہادر صاحب کے جو اس
باختہ ہو گئے یہ ہی حالت آج کل کے مہمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو دیکھئے
ابوطالب جس کو اس قدر محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ان کو بھی نرے دعوے
محبت نے بلکہ محبت نے بھی دوزخ سے نہ بچا لیا کیونکہ اطاعت نہ تھی اور آج تو کس کا
منہ ہے کہ اتنی محبت کا بھی دعوے کرے اور اگر کرے بھی تو خوب یاد رکھو کہ

وجائزۃ دعویٰ المحبۃ فی الہویٰ ولكن لا یحقی کلام العنا فنق

عشق و محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کر سکتا ہے مگر یاد رکھئے کھوٹے شخص کا

باطن ظاہر ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرو مگر جس طرح
ذکر کا طریق ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر
کیا ہے لیکن کیا وہاں کوئی تاریخ مقرر ہوتی تھی۔ ہرگز نہیں ان کی تو ہر وقت

یہ حالت تھی کہ

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
 الا حدیث یار کہ تکرارے کنسیم
 (ہم نے جو کچھ بھی پڑھا سب بھلا دیا مگر محبوب کی باتیں نہیں بھلائیں
 بلکہ انھیں بار بار دہراتے ہیں)

وہ تو ہر وقت زبان پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ذکر رکھتے تھے
 بقول مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ہم تو ہر وقت مولد کرتے
 ہیں لا الہ الا اللہ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ کہتے ہیں جب بھی آپ ہی کا ذکر
 ہوتا ہے ہمارے تو ہر وقت دل میں بسے ہیں زبان سے ہاتھ سے ہر وقت
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یادیں ہیں سبحان اللہ کیا محققانہ بات کہی ہے
 تو صحابہ رضی اللہ عنہم تو ہر وقت ذکر کیا کرتے تھے اور نرا ذکر نہیں بلکہ ویسا
 بننے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ پکھنڈ جواب ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
 اجمعین میں کہیں نام کو نہ تھے کسی صحابی نے کبھی مٹھائی تقسیم نہیں کی کبھی ذکر کی
 تاریخ مقرر نہیں کی اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو خوشی میں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں تو میں
 کہتا ہوں کہ روز کیوں تقسیم نہیں کرتے اس کی کیا وجہ کہ ایک مجمع خاص میں تقسیم
 کی جاتی ہے۔ اسی طرح کھڑا ہونا اس کی بابت بھی یہی ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ
 خاص مجمع میں خاص وقت میں قیام ہو اس وقت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
 تذکرہ ہو رہا ہے اس کی کیا وجہ کہ اس وقت کوئی نہیں اٹھتا۔

یہ یاد رکھو کہ یہ سب کمانے والوں کی من گھڑت ہے کہ ہر ہر چیز کو خاص طور سے
 ایجاد کیا کہ لوگ ہر کام میں ان کے محتاج رہیں اور جب ان سے وہ کام لیں تو کچھ دین
 بھی اور جب وعظ کے لئے کچھ ہوا تو آنے والوں کے لئے بھی کچھ چاہئے اس لئے
 مٹھائی ایجاد کی گئی۔ لوگ عرب کے فعل سے استدلال کرتے ہیں لیکن قصوں
 ہے کہ لوگوں کو خیر نہیں ہے کہ عرب میں کس طرح کا مولد ہوتا ہے گو اس میں بھی نشیب
 و فراز ہے مگر پھر بھی یہاں کی نسبت بہت سادگی ہے مٹھائی تقسیم کرتے ہیں لیکن حاکم

یہ ہے کہ اگر نصف مجلس کو تقسیم ہونے کے بعد مٹھائی ختم ہو گئی تو بلا تامل کہہ دیں گے کہ خلاص یعنی اب ختم ہو گئی بھلا یہاں کوئی صاحب مجلس ایسا کر کے دکھلا دیں۔ واللہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے سب تباہی کے لئے ہوتا ہے۔

صاحبو! محبت کے طریقے ہی دوسرے ہوتے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ربیع الاول میں کچھ کھانا پکا کر تقسیم کیا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کو کچھ میسر ہو تو آپ نے پیسے دو پیسے کے چنے بھنوا کر تقسیم کر دیئے۔ خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان چنوں کو تناول فرما رہے ہیں۔ دیکھتے محبت اللہ والوں ہی میں ہوتی ہے ان سے سیکھو اور ان کے طرز عمل پر چلو۔ میں اس کا بہت آسان طریقہ بتلاتا ہوں مگر وہ طریقہ نفس کو گوارا نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ خفیہ خرچ کیا کرو، مثلاً ربیع الاول کے مہینے میں پچاس روپیہ خرچ کرو مگر ظاہر نہ کرو اور ایک روپیہ ایک ایک مسکین کو دیدو۔ اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو اس طریقے پر عمل کرو مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ نفس کہے گا کہ میاں پچاس روپے بھی خرچ ہوئے اور کسی کو خیر تک بھی نہ ہوئی۔ آج کل تو یہ حالت ہے کہ میں کانپور میں تھا ایک شخص ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مجھے بلا کر لے گئے میں چلا گیا۔ اگلے دن معلوم ہوا کہ اسی جگہ جہاں ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا آج رنڈی کا ناچ ہوا ہے مجھے سن کر بے حد صدمہ ہوا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کے یہاں شادی تھی اور اصل مقصود ناچ کرانا تھا۔ لیکن بعض ثقہ احباب کی خاطر سے ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کر دیا تھا تو یہ ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ ثقہ دوستوں کے لئے ہوا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ناچ کا موازن ہوا اور ناچ اسی جگہ ہوا، نفوذ باللہ پھر لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور ہم محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور میں کانپور میں سنا کرتا کہ آج فلاں رنڈی کے ہاں مولود ہے۔ آج فلاں کے ہاں ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے افسوس ہے کہ جب وہاں ضروری مضامین نہ ناکلی مذمت

وغیرہ کو کوئی بیان نہیں کرتا تھا تو نرے ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا فائدہ کی توقع ہے ردیکھو اگر دسترخوان پر نری چٹنی ہو تو کیا کوئی اس دسترخوان سے سیر ہو سکتا ہے کبھی نہیں البتہ اگر نرا کھانا ہو اور چٹنی نہ ہو تو وہ کارآمد ہو سکتا ہے اور اگر دونوں چیزیں ہوں تو نور علی نور ہے۔ یہ اس پر یاد آگیا تھا کہ لوگ دعوائے محبت کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ابوطالب کی کیا حالت ہے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت صرف دو جوتے آگ کے پیر میں ہوں گے مگر حالت یہ ہوگی کہ یوں سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں۔ دنیا ہی میں دیکھ لو کہ اگر بول کا کاٹا بھی لگ جاتا ہے تو کیا حالت ہوتی ہے تو اگر یہ کوئی کہے کہ مجھے تو ہلکا عذاب ہوگا تو خوب سمجھ لے کہ وہاں کا ہلکا بھی ناقابل برداشت ہے تو اس ناز میں ہرگز نہ رہنا چاہیے کہ مجھے تو تھوڑی سزا ہوگی۔ یہ شبہات تو رفع ہو گئے۔ اب وہ باتیں بھی سن لیجئے جن پر اس آیت میں لتاڑا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایسے ہیں کہ ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں رکھتے۔ سو اس سے تو ہم بری ہیں لیکن اس سے بفقیری نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے نہ ہونے سے گوسزا کم ہو لیکن ہوگی تو ضرور اور دوسری بات یہ فرمائی کہ *وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غٰفِلُونَ* کہ جو حیوۃ الدنیا پر راضی ہیں اور اس پر مطمئن ہو گئے ہیں اور جو ہمارے احکام سے غافل ہیں یہ کل چار چیزیں ہیں ان پر فرماتے ہیں *أُولَٰئِكَ مَأْوٰهُمُ النَّارُ* ترجمے سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان چار پر سزا ہے تو ان چاروں کا مذموم ہونا ثابت ہوا۔ اور یہ احتمال نہ کیا جائے کہ شاید مجموعہ پر یہ سزا ہوگی اور ہم مجموعہ سے بری ہیں کیونکہ *لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا* یہ جزو ہم میں نہیں پایا جاتا سو بات یہ ہے کہ یہاں اول تو اس احتمال کی کوئی دلیل نہیں اور عطف بالواو میں کبھی ہر واحد بھی مقصود بالافادہ ہوتا ہے اور شاید سے بیفکری ہو نہیں سکتی۔ دوسرے اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی *لَا يَرْجُونَ* پر اکتفا نہ کرنا اور دوسرے افعال کا بھی ذکر کرنا ظاہر ہے کہ عبث تو نہیں ہے اور اگر ان کو حکم جزوی میں کچھ دخل نہ ہو تو محض عبث ہونا لازم آئے گا۔

پس سب کو دخل ہوا پس سب کا مذموم اور موثر فی العقوبۃ ہونا ثابت ہو گیا ان چار چیزوں میں سے ایک تو یقیناً ہم میں نہیں ہے اس دفعہ سے تو ہم یقیناً برمی ہیں اور ایک میں شبہ ہے یعنی اخیر کا جرم اس میں شک ہے کہ ہم میں ہے یا نہیں کیونکہ اس کی تفسیریں دو ہیں ایک تو یہ کہ عقیدہ نہیں اس لئے غفلت ہے اور التفات نہیں ہوتا اس سے تو ہم بچے ہیں یا مطلق غفلت مراد ہو تو اس میں ہم مبتلا ہیں رہے بیچ کے دو جرم ان میں ہم یقیناً مبتلا ہیں اور وہ دونوں ایک ہیں گرفت درے تفاوت ہے یعنی ایک تو مرتبہ عقل کا ہے اور ایک مرتبہ طبع کا کیونکہ رضا تو امر عقلی ہے اور اطمینان امر طبعی ہے تو بعض دفعہ تو ایک فعل کو عقلاً پسند کرتا ہے مگر دلچسپی نہیں ہوتی جیسے کرطوی دوا یا شہادت کے لئے سفر کہ عقلاً تو پسند ہے مگر اس کے ساتھ دلچسپی نہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دلچسپی تو ہوتی ہے مگر عقلاً ناپسند کرتا ہے جیسے زنا وغیرہ۔ غرض کبھی رضا ہوتی ہے اور اطمینان نہیں ہوتا اور کبھی بالعکس لیکن وہ حالت نہایت سخت ہے کہ رضا اور اطمینان دونوں ہوں تو کفار کو تو علی العموم یہ بات ہے مگر اکثر مسلمانوں کو بھی ہے چنانچہ پسند کی تو کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر دنیا اور دین میں تزامم ہو جیسے مقدمات میں یا رشوت لینے میں یا جیسے بعضوں کے پاس زمینیں دبی ہوئی ہیں تو ان سب کو جانتے ہیں کہ گناہ ہے مگر دل سے پسند ہے کہ جی بُرا نہیں ہوتا بلکہ جب اس کی اصلاح کی رائے دی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ ریاست کے معاملے ہیں تاصح کیا جانیں غرض عقلاً پسند کرتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں اگرچہ عقیدہ ایسا نہیں ہے۔ علیٰ ہذا تعلیم کے باب میں جانتے ہیں کہ ابتداء سے تعلیم زمانہ حال میں مشغول کرنے سے اولاد دین سے بے خبر رہتی ہے مگر کہتے ہیں کہ ایسا نہ کریں تو ترقی کیونکر کریں یہ سب رضا بالدنیا ہے۔ بلکہ اب تو وہ پالیسی ہو گئی ہے کہ اہل علم اور درویشوں میں بھی یہ مرض ہے۔ الا ماشاء اللہ حالانکہ درویش کو زیادہ محتاط ہونا چاہیے۔ میں دیکھتا ہوں کہ کثرت سے ایسے

مولوی اور درویش ہیں کہ اس رضا بالدنیا سے اُن کا مذہب یہ ہو گیا ہے کہ مردہ جنت میں جائے یا دوزخ میں ہمارے چار پیسے سیدھے ہو جائیں اور یہ ہی وہ جماعت ہے جن کو دیکھ کر اہل دنیا علم دین سے نفور ہو گئے ہیں۔ صاحبو! علم دین کو ہم نے خود ذلیل کیا اور نہ وہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ دربارِ دہلی میں جب بادشاہ کے سامنے علماء گئے ہیں تو ان کو دیکھ کر بادشاہ خود جھک گئے افسوس ہے کہ دوسری قوم کے لوگ تو عزت کریں بادشاہ کی یہ حالت تھی کہ والیانِ ریاست کے سامنے اس نے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور علماء کو دیکھ کر جھک کر اُن سب کی تعظیم کی اب بتلائیے کہ ان کے پاس کیا چیز تھی کونسا ملک تھا صرف یہ بات تھی کہ یہ عالم ہیں دین کے پیشوا ہیں لیکن اگر ہم خود ہی بیقدری کرائیں تو اس میں کسی کا کیا قصور یہی حالت ہو گئی ہے پیروں کی کہ طمع سے ان کی بھی سخت بیقدری ہو گئی ہے۔ مجھے ایک گنوار کا واقعہ یاد آیا کہ فصل پر جب کمیوں کا اناج نکلنے بیٹھا تو گھروالوں نے سب کو شمار کیا دھو بی کو بھی خاکروب کو بھی اور یہ بیٹھا ستارہ حاجب سارے کمیوں کا نام سن چکا تو کہنے لگا کہ اس سرے پیر کا بھی تو نکال دو۔ مگر یہ پیر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ موضع مساوی کے بعضے لوگ قاضی صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے تھے پھر خاندانی پیر صاحب کو جب خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ اچھی بات ہے دیکھو میں بھی تمہیں پلصراط سے دھکا دوں گا۔ تو ایسے پیر ہیں ہی اس قابل۔ علیٰ ہذا بعضے علماء بھی ایسے ہونے لگے ہیں۔ ایک سب حج پرانی وضع پرانی روشنی کے ایک مقام پر بدل کر آئے انہوں نے چاہا کہ وہاں کے رؤساء سے مل آئیں۔ ایک رئیس صاحب کے پاس پہنچے تو وہ دور ہی سے صورت دیکھ کر گھر میں چلے گئے انہوں نے خادم کے ذریعے سے کہلا کر بھیجا کہ میں فلاں شخص ہوں آپ سے ملنے کو آیا ہوں۔ نام سن کر وہ رئیس صاحب باہر آئے اور معذرت کر کے کہنے لگے کہ آپ کا عیال دیکھ کر میں یہ سمجھا کہ کوئی مولوی صاحب ہیں چندہ لینے کی غرض سے آئے ہیں

یہ خیالات ہیں عوام کے علماء کے متعلق مگر اس میں زیادہ قصور ان عوام کا نہیں بلکہ ایسے مولویوں کا ہے کہ ان ہی نے اپنے افعال سے عوام کے خیالات کو خراب کیا اگر علماء اس سے پرہیز کرتے تو عوام کو کبھی ایسی جرات نہیں ہو سکتی یہ تو اہل علم کی غلطی تھی۔ لیکن جن لوگوں نے ایسوں کو دیکھ کر علم دین سے کنارہ کیا ہے وہ بھی غلطی سے خالی نہیں کیونکہ علم دین کے ساتھ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اخلاق بھی سکھلائیں جن سے یہ افعال ناملائم پیدا نہ ہوں۔ دوسرے ایک خاندانی رئیس زادہ اگر علم دین پڑھے گا تو وہ بوجہ اس کے کہ فطرۃً عالیٰ حوصلہ ہے کیونکہ ایسی حرکات کرنے لگا اور جو لوگ ایسے حرکات کرتے ہیں وہ اکثر کم خاندان کے لوگ ہوتے ہیں۔ پس جب یہ ہے تو تعجب ہے کہ ایسے لوگوں کو دیکھ کر اپنے بچوں کو تعلیم دینی نہ دو میں یہ نہیں کہتا کہ تعلیم حال نہ دو ضرور دو مگر یہ بھی تو دیکھو کہ علم دین ہر وقت کی ضرورت کی چیز ہے تو چاہیے تو یہ کہ اول علم دین پڑھاؤ اور اس کے بعد دوسرے علوم ورنہ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ تو اس کی تعلیم ضرور رہی ہونی چاہیے اگر زیادہ وقت نہ ہو تو اردو ہی کے رسائل پڑھاؤ لیکن سبقاً سبقاً پڑھاؤ یہ نہیں کہتا دے دی اور کہہ دیا کہ دیکھو بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ پورا نصاب ہو اور کسی دیندار آدمی کو رکھ کر سبقاً سبقاً پڑھاؤ اگر چوبیس گھنٹے میں سے ایک گھنٹہ ہی دو بلکہ میں کہتا ہوں کہ فضول وقت میں سے جو کھیل کود میں ختم ہو جاتا ہے اس میں سے اگر ایک گھنٹہ دو اور وقتاً فوقتاً امتحان لیا کرو کامیابی پر بچہ کو انعام دو اور ناکامی پر سزا دو اور عمل کرانے کی بھی کوشش کراؤ جیسے حساب میں مشق کراتے ہو۔ اور اگر وہ نہیں کرتا تو سزا دیتے ہو اسی طرح ہر مسئلے میں التزام کرو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ ساتھ کے ساتھ دیندار ہوتا چلا جائے گا ہاں اس کے لئے ایک عالم کے بلانے کی ضرورت ہوگی تو جب سینکڑوں روپیہ انگریزی میں صرف ہو جاتا ہے اگر دس روپے اس میں صرف ہو جائیں گے تو کیا ظلم ہوگا اور ان مولوی صاحب سے آپ اپنے لئے بھی یہی کام لے سکتے ہیں کہ ان سے خود بھی مسائل سیکھیں اور اس موقع پر یہ کہنا بھی ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر میں جیسا پہلے تھا پھر کوئی سلسلہ علم دین کا ہو تو اچھا ہے کہ یہاں کے بچے کچھ نہ کچھ تو ضرور پڑھ لیں۔ دیکھو اگر دو گھنٹے کی صحبت کسی عالم کی ہو جائے تو خواہ یہ بچے دیندار نہ ہوں لیکن ان کو بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی مگر اس طرف لوگوں کو توجہ نہیں۔ اگر کہئے کہ یہاں کوئی مولوی نہیں ملتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر راج کی ضرورت ہو اور وہ نہ ملے تو کیا کرتے ہو یہ ہی کہ دوسرے مقام سے راج بلاتے ہیں۔ پھر مولوی کو دوسرے مقامات سے کیوں نہیں بلاتے یہاں اس کے منتظر کیوں رہتے ہو کہ مولوی خود آئیں۔ صاحبو! اگر دین کی کچھ بھی عظمت قلب میں ہوتی تو خود مولویوں کو تلاش کرتے خلاصہ یہ کہ رضا بالدنیا کی ان خرابیوں سے بہت کم لوگ خالی ہیں حتیٰ کہ مولوی اور رویش بھی اور مولویوں اور رویشوں سے ایسا ہونا یہ زیادہ بُرا ہے کیونکہ یہ دھوکا دے کر کھاتے ہیں مگر ہر جماعت میں کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہیں۔ دنیا داروں میں بھی اور دینداروں میں بھی یہ تو رَضُوا بِالدُّنْيَا تھا۔ آگے فرماتے ہیں وَاطْمَأْنَنُوا بِهَا کہ دنیا میں جی بھی لگایا اور دنیا ان کدل میں بھی گھس گئی اس کا ازارہ ذرا مشکل ہے دنیا سے تو دل گھبراننا چاہیے مگر ہر مسلمان بتلائے کہ روزانہ کتنی مرتبہ دنیا میں رہنے سے اُس کا جی گھبرایا ہے اور کب وحشت ہوتی ہے۔ ہاں اگر وحشت ہوتی ہے تو آخرت میں جانے سے ہوتی ہے حالانکہ دنیا سے وہ تعلق ہونا چاہیے کہ جو مظفرنگر کی سرائے سے کہ اگرچہ وہاں سارے کام کرنے ہوتے ہیں مگر دل جلال آباد میں پڑا رہتا ہے۔ اس کا مطلب بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مولوی دنیا چھڑاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ ہاں مولوی یہ کہتے ہیں کہ دنیا سے سرائے کا تعلق رکھو۔ دیکھو کیا سرائے میں کھاتے نہیں ہو یا کوٹھری کرائے پر نہیں لیتے سب کچھ کیتے ہو مگر وہاں جی نہیں لگتا اور دنیا میں جی لگا لیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہماری بعینہ وہ حالت ہے جیسے بچہ سرائے کے کسی آرام کو دیکھ کر ضد کرنے لگے کہ میں تو یہیں رہوں گا۔ باقی جن کو دنیا کی حقیقت سے واقفیت ہے

ان کی یہ حالت ہے کہ کہتے ہیں سہ

نہم آنروز کزین منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وز پئی جانال بروم

نذر کردم کہ گر آید بسرا میں غم روزے بردر میکده شاداں وغر لخواں بروم

(وہ دن کیا خوشی کا ہوگا کہ میں اس ویران منزل یعنی دنیا فانی سے چلا جاؤں گا

روح کے لئے راحت آرام طلب کرتا ہوں اور اپنے محبوب کے پاس

جا رہا ہوں میں نے منت مانی ہے کہ اگر کسی روز یہ غم میرے اوپر آ پڑا تو میکده

کی طرف مستانہ وار گنگناتا ہوا جاؤں گا)

دیکھئے منت مان رہے ہیں کہ اگر یہاں سے چھٹکا رہا ہو تو یوں کریں گے۔

بیان تو بہت طویل ہے مگر میں وقت نہ ہونے سے ایک ترکیب بتلا کر مضمون کو

مختصر کرتا ہوں اور وہ ایسی ترکیب ہے کہ جس سے تم کو ان شاء اللہ تعالیٰ صحبت کی

برکت حاصل ہوگی اور یہ جو دائرے سے باہر قدم نہ کلا جا رہا ہے یہ رُک جائے گا اور

وہ حالت ہو جائے گی جو طاعون کے زمانہ میں ہوتی ہے کہ سب کچھ کرتے ہو لیکن

کسی چیز سے دل چسپی نہیں ہوتی تو وہ ترکیب یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے اُس

میں موت کو یاد کیا کرو اور پھر قبر کو یاد کرو پھر حشر کو یاد کرو اور یوم حشر کے احوال

کو اور وہاں کے شدائد کو یاد کرو اور سوچو کہ ہم کو خدائے تعالیٰ و تبارک کے

رو برو کھڑا کیا جائے گا اور ہم سے باز پرس ہوگی۔ ایک ایک حق اگلا پڑیگا

پھر سخت عذاب کا سامنا ہوگا اسی طرح روزانہ سونے کے وقت سوچ لیا کرو

دو ہفتے میں انشاء اللہ تعالیٰ کا یا پلٹ ہو جائے گی اور جو اطمینان و اُنس و

دلچسپی دنیا کے ساتھ اب ہے باقی نہ رہے گی اور اس وقت اگرچہ احکام

فرعیہ بیان نہیں ہو سکے مگر اصول بجز اللہ کافی بیان ہو گئے ہیں۔ اب خدائے

سے دعا کیجئے کہ توفیقِ عملِ تمام ناظرین اور ناشر کو دے :-

آمین برحمتک یا ارحم الراحمین ۛ

تمام شد

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

دعوات عبدیت جلد چہارم
سکا

چوتھا و عظیم لقب بہ

الاتعساظ بالغير

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کھانوی

رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: محمد عبد المتان غفرلہ

مکتبہ کھانوی۔ دفتر الابفاء

مسافر خانہ بندر روڈ کراچی
ایم۔ ای۔ جناح روڈ

دعوات عبدیت جلد چہارم

کا

چوتھا وعظ ملقب بہ

الاتعاظ بالغیر

این	مستی	کھ	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
تھیر جلال آباد	الربیع الاول ۱۳۳۳ھ	دو گھنٹے	بیٹھ کر	ہجرت گرفتار بحال بغیر	مولوی سعید احمد صاحب تھانوی مرحوم	تقریباً سو آدمی	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَحْمِداً وَتَسْبِیْحاً وَتَسْتَعِیْنَةً وَتَسْتَغْفِرَةً وَتَوْفِیْقاً وَتَسْوِیْطاً وَتَعُوْذٍ بِاللّٰهِ
مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِيْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضِلِّهٗ فَلَا
هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ السَّعِيْدُ
مِنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ (نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے)

یہ ایک جملہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کیا ہوا اس میں ہمارے ایک
عام مرض کے علاج پر تہنیت ہے اس واسطے اس جملے کو اختیار کیا ہے۔ نیز اس وجہ
سے بھی کہ مختصر ہے اور جامع اور اس وقت طبیعت کی حالت اضمحلالی اسی کو مقصود
ہے کہ مختصر مضمون تجویز کیا جائے لیکن یہ مضمون باوجود اختصار کے ہے جامع ہماری

حالت پر اس سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ اب سمجھئے کہ مرض دو قسم کے ہیں ایک وہ مرض کہ جن پر اطلاع نہ ہو ایک وہ کہ اطلاع ہو اور پرواہ نہ ہو اور ایسا مریض زیادہ قابلِ رحم ہے سو ہم میں بعض امراض بوجہ بے علمی کے ہیں اور بعض بوجہ قلتِ تدبیر کے کیونکہ بعض تو ہم میں بے علم ہیں سو ان کی تو زیادہ شکایت نہیں ہے لیکن بعض وہ ہیں کہ ذہنی علم ہیں اور باوجود اس کے ان میں قلتِ تدبیر ہے یعنی اپنی حالت کو سوچتے نہیں دنیا کا کام جس طرح سوچ سمجھ کر کرتے ہیں سچ ہے کہ دین کے کاموں میں اتنا اہتمام نہیں بلکہ جس میں جتنا دین ہے وہ عادت کی وجہ سے ہے اگرچہ یہ خوشی کی بات ہے کہ دین کی عادت ہوئی لیکن شکایت یہ ہے کہ اس سے زیادہ التفات کیوں نہیں ہے یعنی کہ بقیہ میں بھی تدبیر سے کام لیتے دیکھئے دنیا میں کبھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس کی ترقی اور زیادتی میں مشورہ کرتے ہیں اگرچہ کامیابی بھی نہ ہو کیونکہ دنیا میں کامیابی اکثر کم ہوتی ہے ورنہ اگر سب کامیاب ہوا کرتے تو آج ساری دنیا بادشاہ ہوتی تو دنیاوی مساعی میں دجوں کامیابی کم ہونیکے پھر بھی کوشش کی جاتی ہے اور خدا کی مصلحت ہے کہ کسی کی تدبیر کارگر کر دیتے ہیں اور کسی کو ناکام آج جن لوگوں کی تدبیر مساعد ہو گئی ہے وہ تدابیر ہی کو مؤثر سمجھتے ہیں۔ صاحبوا ذرا ان سے پوچھو کہ جن کو تمام عمر ناکامی ہی رہی تو صرف تدبیر نہ مؤثر ہے اور نہ یہ تدبیر محض بیکار ہے مگر آخرت کے لئے ناکامی کبھی نہیں ہوتی پس تعجب ہے کہ جس میں اکثر ناکامی ہو اس میں توسعی و اہتمام کیا جائے اور جس میں کبھی ناکامی نہ ہو اس میں کبھی التفات نہ کیا جائے۔ حالانکہ جس قدر سعی دنیا کے لئے کی جاتی ہے اس سے نصف بھی آخرت کے لئے کریں تو ناکام نہ رہیں غرض بعض میں خرابی قلتِ تدبیر کی وجہ سے ہے بہر حال یہ مرض ہم میں ضرور ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہی مرض ہم میں ہے بلکہ منجملہ اور بہت سے امراض کے یہ مرض بھی ہے اور یہ مرض قریب قریب عالمگیر ہے مگر پھر بھی اس کے معالج کی طرف التفات نہیں ہے تو اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو کہ ہماری حالت یعنی عدم تدبیر وہ ہے جس کا مقابل اس حدیث میں مذکور ہے یعنی تدبیر تو چونکہ یہ مضمون اس مرض کی ضد ہے اس لئے اس کا علاج ہونی چاہئے سو فرماتے ہیں کہ سعید وہ ہیں کہ دوسرے کی حالت کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور ظاہر ہے

کہ یہ تدبیر ہی میں داخل ہے اور عجیب نہیں کہ ایسا مضمون بہت دفعہ سنا ہو چنانچہ عام محاورہ میں کہتے ہیں کہ تازی پٹے اور ترکی کا پنے اس مثل کا خلاصہ یہی ہے کہ **السَّعِيدُ مَنْ وَعَظَ بِعَدُوِّهِ** کہ سعادت مند وہ ہے کہ دوسرے کی حالت کو دیکھ کر اس کو عبرت حاصل ہو۔ پس یہ مضمون تسلیم شدہ ہونے کے سبب مستقل تسلیم کرانے کی ضرورت نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہم کو کوئی مضمون ایسا نہیں سکھلایا گیا کہ وہ ہم سے اجنبی ہو بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ شریعت کی ہر تعلیم طبیعت کے اتنی مناسب ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو ہزاروں مشقتیں پڑ جائیں تو شریعت کی ہر تعلیم طبیعت کے مناسب ہے اور اس کی مضاد تعلیم کے منافی ہے مگر اس کے دریافت کے لئے بصیرت کی ضرورت ہے ہمارا نفس چونکہ بصیر نہیں ہے اس لئے شریعت کی تعلیم سے بھاگتا ہے جیسے مریض بد پرہیزی کی طرف مائل ہوتا ہے اور مفید ادویہ و اغذیہ سے بھاگتا ہے۔ چنانچہ استسقا کے اندر سارے سمندر کی خواہش ہوتی ہے اور جو تندرست ہوتا ہے وہ اعتدال سے پیتا ہے۔ اور اگر مریض کو طبیب روکے گا تو وہ یوں سمجھے گا کہ یہ تعلیم طبیعت کے خلاف ہے حالانکہ اس کی طبیعت ہی حد اعتدال سے ہٹی ہوئی ہے ورنہ ایک گھونٹ زیادہ پینے سے بھی طبیعت پر گرانی ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا کھلانے میں ایک شخص کو ہم نے دیکھا ہے کہ کھارے ہیں اور نکل رہا ہے مگر کھلے جاتے ہیں اور نکلتا جاتا ہے اسی طرح برابر سلسلہ رہتا تھا تو کیا طبیعت سلیم ہے ہرگز نہیں میں تو دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر طبیعت سلیم ہو تو کوشش شریعت ہی کی طرف ہوگی۔ اور اگر یہ سمجھ میں نہ آئے تو امتحان کر لیجئے کہ جب کبھی شریعت کے خلاف کیجئے گا ضرور ضرر ہوگا۔ جیسے زیادہ کھلانے سے ضرر ہوتا ہے اور عاجل ضرر یہ ہے کہ فوراً طبیعت گرفتہ ہو کے منقبض ہوگے۔ مخالفت شریعت کا اول تو تقاضا پیدا ہوتا ہے مگر بعد فراغ اس عمل کے گرانی ہوگی اگر کہئے کہ ہم کو تو کچھ بھی گرانی نہیں ہوتی تو سمجھئے کہ یہ ظلمت بڑھ جانے سے ہے۔ یہ دیکھئے کہ اول اول جب یہ گناہ کیا تھا اس وقت کیا حالت ہوئی تھی مثلاً ایک شخص نے اول ہی اول رشوت لی تو اس وقت یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ہے اور اپنی نظر میں بھی بالکل وقعت جاتی رہی تھی۔ اسی طرح اول زنا کرنے سے خود اپنے اوپر شرم آئی تھی اور خود اپنی نظر میں ذلیل ہوا تھا۔ علیٰ ہذا دوسرے

گناہوں کی کبھی یہی حالت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ طبیعت کے خلاف ہے اور شریعت طبیعت کے موافق ہے البتہ بعض گناہ ایسے بھی ہیں کہ ان کا اثر فوراً ہی ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتا بلکہ بعد مرنے کے معلوم ہوگا غرض یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی باتیں بتلائی ہیں جو طبیعت کے موافق ہیں تو یہ تعلیم بھی طبیعت کے موافق ہے۔ دیکھو اگر چور کو سزا ہو تو دوسرے کے لئے راحت اس میں ہے کہ چوری چھوڑ دے اور کلفت اس میں ہے کہ دیکھے اور برابر کئے جائے اور جب یہ حالت رہے گی تو مثل مشہور ہے کہ سو دن چور کے ایک دن سا ہوگا رکابھی نہ کبھی یہ بھی ماخوذ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں ایک چور پکڑا ہوا آیا آپ نے قطعید کا حکم دیا۔ اس نے کہا امیر المؤمنینؓ میں نے پہلی ہی مرتبہ ایسا کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تو غلط کہتا ہے خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے وہ کبھی اول گناہ پر نہیں پکڑتے آخر تحقیق جو کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بڑا عیار ہے۔ مولانا فرماتے ہیں سے

حکیم حق با تو مواسا ہا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند

رحم تعالیٰ کی بردباری اولاً تیری ہمدردی اور موافقت کرتی ہے اور جب

تو حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر رسوا کر دیتی ہے

اول اول تو مواسا کرتا ہے لیکن جب کوئی حد ہی سے نکل جائے تو وہ رسوا بھی

کر دیتے ہیں۔ تو یہ تعلیم کہ دوسرے کی حالت کو دیکھ کر نصیحت پکڑے بالکل

مصلحت اور طبیعت کے موافق ہے اس سے تو فراغت ہوئی۔ اب دیکھنا یہ ہے

کہ ہم میں یہ مرض ہے یا نہیں تو اگر ذرا بھی اپنی حالت کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہو

کہ بہت شدت سے ہم میں یہ مرض ہے اور ہر امر میں ہماری یہ حالت ہے مگر

میں اس وقت ایک خالص امر کو بیان کرتا ہوں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ جا بجا

اس وقت طاعون ہے۔ نیز اخباروں میں بھی ضرور پڑھا ہوگا کیونکہ آپ لوگوں نے

اخباروں کو تو ایک مشغلہ بنا لیا ہے میں نے ایک مرتبہ اخبار کے متعلق ایک مضمون

لکھ دیا تھا جس میں اُس کے حکم کی تفصیل تھی مگر اخبار والوں نے اس مضمون کو

بلا دیکھے ہی وہ شور و غل مچایا کہ خدا کی پناہ میں نے کہا کہ اس وقت تک تو میں نے
 اخبارِ بینی کے متعلق تشدد نہیں کیا تھا مگر اب تو میرے پاس ایک دلیل بھی مقتضی تشدد
 کی ہے کہ اخبارِ تہمت بھی لگاتے ہیں واقعی اخباروں کی یہی حالت ہے کہ اکثر باتیں بحقیق
 محض تخمین سے لکھ دیتے ہیں۔ نوجوان اسی لئے اس کو خریدتے ہیں صاحبوا اخبار ایک تاریخ
 کا شعبہ ہے۔ تاریخ بہت مفید چیز ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ
 لِّاُولِيْ اَلْاَلْبَابِ (ان کے قصہ میں سمجھدار لوگوں کے لئے عبرت ہے) کہ اُمم سابقہ کے
 قصے اس واسطے نقل کئے جاتے ہیں کہ لوگ عبرت پکڑیں۔ عبرت کا خلاصہ یہی ہے کہ
 کسی امرِ مشترک کی وجہ سے اپنے کو ان پر قیاس کریں کہ فلاں شخص نے ایسا کیا تھا اس کو
 یہ نتیجہ ملا تو ہم کو بھی یہی نتیجہ ملے گا یہ حقیقت ہے عبرت کی اس کی وجہ سے علم تاریخ مفید ہوا
 پس اخبار سے بھی اگر یہی سبق حاصل کریں تو وہ مفید ہے ورنہ غیر مفید اب دیکھ لیجئے کہ
 کون شخص یہ سبق حاصل کرتا ہے اکثر لوگ مسلمانوں کی مصیبت کو سنتے ہیں مگر کانوں پر جوں بھی
 نہیں رینگتی۔ علیٰ ہذا طاعون کہ دوسری جگہ کے مسلمانوں کو مبتلائے طاعون سن کر فیصدی
 ننانوے آدمی ایسے ہیں کہ ان کے دل پر ایسا اثر نہیں ہوتا جیسا اپنی بستی کے اندر مرض طاعون
 ہونے سے ہوتا ہے۔

چواڑ محنت دیگراں بے غمی نہ شاید کہ تامت نہند آدمی

(جبکہ تو دوسروں کے غم اور تکلیف سے بے پروا ہے تو مناسب نہیں ہے تیرا

آدمیوں میں شمار کیا جاوے)

جب دوسروں کی تکلیف کو سن کر ہمارا دل نہ دکھا تو ہم آدمی نہیں اب ہم نے اخبار
 کو جس غرض کے لئے تجویز کیا ہے اس کا خلاصہ گھر بھونک تماشا دیکھنا ہے کہ دوسرے کا
 گھر جلے اور ہم بیٹھ کر ہاتھ تاپیں تو اگر اخبار نہ دیکھتے تو یہ نہ ہوتا کہ ہم نے مسلمانوں کی مصیبت
 کو مشغلہ بنا رکھا ہے اور سبق حاصل کرتے تو یہ سبق حاصل کرتے کہ ان کی امداد کریں سو یہ بہت
 کم لوگوں کے دل میں آتا ہے ہاں یہ سبق حاصل کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے صفائی
 نہیں رکھی اس لئے طاعون میں مبتلا ہوئے مگر اس سے بڑھ کر عبرت اور بھی ہے جس کی

ابھی آپ کو ہوا بھی نہیں لگی اور جس کی نسبت مولانا کہتے ہیں سے

چند خوانی حکمت یونانیوں کی حکمت ایمانیاں راہم بخواں
 (بہت کچھ یونانیوں کی حکمت تو پرٹھ چکا ذرا تھوڑی سی ایمان والوں کی حکمت بھی پرٹھ)
 کہ یونانیوں کی حکمت کہاں تک پرٹھو گے اب کچھ ایمانیوں کی حکمت بھی پرٹھ لو
 صاحبو! مطلب دو ہیں۔ ایک یونانی، ایک ایمانی۔ یونانی سے مراد مطلب جسمانی ہے اس
 پر تو آپ کی نظر جاتی ہے مگر حکمت ایمانیوں پر نظر نہیں جاتی اس کو بھی تو دیکھو آپ نے تو
 تشخیص کر لی کہ ہوا صاف نہ ہونے سے طاعون ہوا مگر یہ بھی تو بتلائیے کہ ہوا کے صاف
 نہ ہونے کی کیا علت ہے آپ نے طاعون کی علت کو دیکھا مگر علت العلة کو نہ دیکھا۔ ہم
 اطباء کی تکذیب نہیں کرتے مگر اہل دنیا کی کوتاہ نظری دکھلاتے ہیں۔ اس کی مثال یوں
 سمجھو کہ ایک شخص قلم سے لکھ رہا ہے چند چوٹیوں نے دیکھا۔ ایک نے تو کہا کہ یہ نقوش خود بخود
 ہو رہے ہیں دوسری جو اس سے وسیع النظر تھی اس نے کہا کہ نہیں بلکہ قلم چل رہا ہے تیسری
 اس سے بھی وسیع النظر تھی اس نے کہا کہ قلم خود نہیں چل رہا بلکہ وہ انگلیوں میں ہے انگلیاں
 اس کو چلا رہی ہیں چوتھی جو ان سب میں محقق تھی اس نے کہا کہ انگلیاں خود بخود نہیں چل
 رہیں بلکہ ایک قوت ارادہ ان کو چلا رہی ہے۔ اب بتلائیے کہ ان میں محقق کون ہے ظاہر
 ہے کہ جس نے قوت ارادہ کا پتہ چلا لیا وہ محقق ہے باقی سب کوتاہ نظر ہیں ایک بزرگ
 کہتے ہیں کہ ۱۰ قَالَ الْجَدَّادُ لَو تَدَلُّهُ تَشَقُّقِي ۱۰ قَالَ الْوَتْدَانُ تَنْظُرَ الْإِلَى مِنْ يَدِ قَتْنِي
 ردیوار نے میخ سے کہا کہ تو مجھ کو کیا ٹھوک رہا ہے تو میخ نے جواب دیا کہ اس کی طرف

دیکھ جو مجھ کو ٹھوک رہا ہے)

غرض یہ ہے کہ علت کو بھی تو دیکھو۔ دوسری مثال لیجئے کسی شخص کو پھانسی ہوئی
 کسی نے پوچھا کہ کیونکر ہوئی ایک نے کہا کہ چمڑے سے گلا گھونٹ دیا گیا۔ دوسرے نے
 کہا کہ احمق سبب یہ ہے کہ حاکم نے حکم دیا تھا۔ تیسرے نے کہا کہ حاکم نے حکم اس لئے
 دیا کہ اس نے ڈکیتی کی تھی تو اصل محقق یہ تیسرا شخص ہے کہ حکم حاکم کو اور مجرم کے عمل کو
 بھی دیکھا۔ یہی فرق ہے عقلائے ظاہر اور عقلائے حقیقت میں۔ تو یہ بھی سچ ہے کہ

موت چمڑے سے ہونی اور طاعون سمیت سے ہوا مگر یہ بھی تو دیکھو کہ ہوا میں سمیت کیوں پیدا ہوئی سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حاکم حقیقی نے اس میں سمیت پیدا کر دی اور اس کے پیدا کرنے کا سبب مخلوق کے گناہ ہوئے تو محض چوہوں کے مارنے پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ جرائم کی وجہ سے طاعون ہوا تھا ان کو بھی چھوڑنا چاہیے۔ اور ایک طاعون کیا سبب مصیبتیں ہمارے جرائم اور اعمال کی وجہ سے آتی ہیں مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبْتُمْ أَيْدِيَكُمْ (جو کچھ مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے) اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اہل شریعت پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہر امر میں گناہوں کو سبب بتاتے ہیں سبب کے منکر ہیں سو یہ اعتراض غلط ہے وہ اسباب سے بچنے نہیں مگر اسباب کے ساتھ اسباب اسباب کو بھی دیکھتے ہیں اور اس لئے کہتے ہیں کہ جو مصیبت آتی ہے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے۔ ہوا، آگ، پانی سب خداوند کریم کے حکم کے تابع ہیں ان کو جب حکم ہوتا ہے جیسا حکم ہوتا ہے کرتے ہیں۔

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

(مٹی اور پانی اور ہوا اور آگ سب خدا کے بند ہیں ہمارے اور تمہارے اعتبار سے مردہ ہیں)

یہ ہمارے سامنے مردہ ہیں ورنہ سب زندہ اور تابع حکم ہیں۔ ایک کافر بادشاہ نے بہت سے مسلمانوں کو آگ میں ڈال دیا تھا کیونکہ وہ لوگ بت کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے تھے آخر ایک عورت کو لایا گیا اور اس سے بھی سجدہ کرنے کو کہا گیا تو اس نے بھی انکار کیا اس کی گود میں ایک بچہ تھا، بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گود سے بچہ لے کر آگ میں پھینک دیا جا چنانچہ پھینک دیا گیا قریب تھا کہ وہ عورت سجدہ کر لے کہ لڑکے نے آواز دی۔

خواست تا او سجدہ آر دپیش بُت بانگ بر زد طفل کافی لوامت

اندر آ مادر کہ من ایجا خوشم گرچہ در ظاہر میسان آتشم

(عورت نے چاہا کہ سجدہ کرے بت کے سامنے تو بچہ نے آواز لگائی کہ میں نہیں مگر بلکہ زندہ

ہوں لے مال تو اندر آجا اس لئے کہ میں یہاں پر خوش ہوں اگرچہ ظاہر میں آگ کے اندر ہوں)

اُس کے بعد اوروں سے خطاب کرنا شروع کیا کہ یہاں آؤ یہاں آؤ بہت بڑا عجیب باغ ہے۔ پھر تو یہ حالت ہوئی کہ لوگ بے قرار ہو کر اس میں کودنے لگے سپاہی روکتے تھے مگر لوگ برابر آگ میں کودتے جاتے تھے۔ جب بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو آگ کو خطاب کر کے کہا کہ اے آگ کیا تو آگ نہیں رہی یا تجھ میں سے جلانے کی قوت سلب ہو گئی آگ نے جواب دیا ہے

گفت آتش من ہمانم آتشم اندر آتا تو بہ بیسی تا بستم

اس نے کہا میں اب بھی آگ ہی ہوں اندر داخل ہوتا کہ تو میرا جلانا دیکھ سکے یعنی تو اندر آ تو معلوم ہو کہ میں آگ ہوں یا نہیں باقی ان کو کیوں کر جلاؤں چھری

کاٹتی ہے مگر جلانے سے

طبع من دیگر نگشت و عنصرم تیغِ حقم بدستوری برم

میری طبیعت دوسری نہیں بدل گئی میں وہی عنصر ہوں خدا کی تلوار ہوں بدستور

اب بھی جلاتی ہوں

اسی طرح آب و ہوا خدا کے حکم سے سستی ہو جاتی ہیں اور وہ ہلاک کر دیتی ہیں

حضرت مولانا نظامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

نبارد ہوا تا نگوئی بیار زمیں ناورد تا نگوئی بیار

(ہوا بھی نہیں حرکت کرتی جب تک تو نہ کہے کہ حرکت کر اور زمین نہیں

اُگاتی جب تک کہ تو نہ کہے اُگا۔)

کہ جب تک حکم نہ ہو زمین ایک دانہ بھی نہیں نکال سکتی۔ تو سبب اصلی جرائم و

معاصی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں

ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم آل زبیب کی و گستاخی ست ہم

غم جو بینی زود استغفار کن غم با حنا لوق آمد کار کن

(جو کچھ بھی ظلمت غم میں پیش آئے وہ بوجہ گناہوں میں بے یا کی اور احکام

میں گستاخی کے ہے جب تو رنج و غم کو زیادہ دیکھے تو استغفار کر رنج و غم کو

ان کے پیدا کرنے والے کی طرف ظاہر کرنا اور نیک عمل کرنا
 کہ جب غم دیکھو فوراً توبہ کر لو دیکھئے کیا عجیب تعلیم ہے ایک حدیث میں ارشاد فرماتے
 ہیں کہ اگر تم حکام کی طرف سے کوئی ناگوار بات دیکھو تو ان کو برامت کہو اس کی وجہ فرماتے
 ہیں (قربان ہو جائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر کہ فضول باتوں سے کیسا روک دیا ہے)
 کہ حکام کے قلوب میرے اختیار میں ہیں اگر راحت چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو اور مجھ سے
 معاملہ درست رکھو میں حکام کے دل نرم کر دوں گا۔ ایک مرتبہ کانپور میں طاعون ہوا لوگوں
 نے چاہا کہ ایک جلسہ کریں اور حاکم ضلع سے درخواست کریں کہ جدید قوانین طاعون کے متعلق
 اٹھا دیئے جائیں سو مجھ کو بھی اُس جلسے میں شریک کرنا چاہتے تھے میں نے انکار کر دیا جب
 لوگوں نے بہت اصرار کیا تو میں نے کہا کہ اچھا میں دیوان حافظ میں بطور فال کے دیکھتا
 ہوں۔ یہ دیکھنا اس وجہ سے نہ تھا کہ میں فال کو موثر سمجھتا تھا مگر دیوان حافظ میں اکثر صحیح
 مذاق کے موافق باتیں نکل آتی ہیں اس لئے میں نے اس کو دیکھا تو اس میں یہ شعر نکلا
 گدائے گوشہ نشینی تو حافظا محروم رہوز و مصلحت ملک خسرواں دانند
 (اب تو اے حافظ گوشہ نشین فقیر ہے شور مت کر ملک کی بھلائی اور دیگر رازوں کو ملک
 والے ہی جانتے ہیں)

کہ تم کون ہو خواجواہ گڑ بڑ کرنے والے میں نے ان سے کہا کہ بھائی اب تم بھی نہ بولو پس
 خدا کے سپرد کرو اور اللہ اللہ کیا کرو اور بعد عصر لاجول کی تسبیح پڑھنے لگو اور اتفاق سے منہ سے
 یہ بھی نکل گیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہفتہ دو ہفتہ کے اندر ہی سب پریشانی رفع ہو جائے گی چنانچہ
 ایسا ہی کیا حاکم ضلع نے از خود رپورٹ کی کہ ان قوانین سے لوگوں کو تکلیف ہے ان کو اٹھایا
 جائے چنانچہ سب موقوف ہو گئے۔ لوگ بہت خوش ہوتے ہوئے آئے اور کہنے لگے صاحب
 کام ٹھیک ہو گیا میں نے کہا کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی تدبیر نہ چلے گی
 صاحبو! اگر ہم عمل کریں تو دنیا کی راحت بھی شریعت ہی کی تعلیم میں ہے تو حضور صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے فضول باتوں سے یہاں تک روکا کہ حکام کو بھی بُرا نہ کہو غرض عظیمیستوں
 کی وجہ یہ ہے کہ خدا کو ناراض کر رکھا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس قوم میں زنا زیادہ ہوگا

اس میں طاعون ہوگا۔ اور اس طاعون کا دوسرا سبب بھی ہے۔ اگرچہ بعضی باتیں ظاہر کرنے کی نہیں ہوتیں مگر اس لئے ظاہر کئے دیتا ہوں کہ شاید اس کو سن کر لوگ اپنی حالت درست کریں تین چار سال ہوئے کہ جب تھانہ بھون اور اس کے گرد و نواح میں طاعون ہوا تھا۔ تو قبل طاعون ایک روز میں آخر شب میں بیٹھا ہوا تھا کہ قلب پر یہ آیت وارد ہوئی **إِنَّمَا مُنزَلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ** (ہم اس بستی کے باشندوں پر ایک آسمانی عذاب ان کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں) میں نے اس کو وعظ میں بیان کیا لیکن اپنی طرف منسوب نہیں کیا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوا مگر لوگوں نے توجہ نہ کی اور طاعون پھیلا تو غرض ایک سبب وہ گناہ بھی نکلا جو قوم لوط میں تھا۔ اس وقت لوگوں میں یہ مرض بہت شدت سے پھیل رہا ہے کوئی خاص اصلی گناہ میں مبتلا ہے اور کوئی اس کے مقدمات میں یعنی اجنبی لڑکے یا اجنبی عورت پر نظر کرنا حدیث میں ہے **اللسان یزنی و ذناہ النطق و القلب یتمنی و یشقی** (زبان زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بات سے ہوتا ہے اور قلب تمنا کرتا ہے اور خواہش بھی کرتا ہے) اس میں ہاتھ لگانا بڑی نگاہ سے دیکھنا سب داخل ہو گئے یہاں تک کہ جی خوش کرنے کے لئے کسی حسین لڑکے یا لڑکی سے باتیں کرنا یہی زنا و لواطت میں داخل ہے اور قلب کا زنا سوچنا ہے جس سے لذت حاصل ہو جیسے زنا میں تفصیل ہے۔ ایسے ہی لواطت میں بھی۔ اس بلا میں اکثر لوگ مبتلا ہیں اور یہ نہایت ہی افسوس اور رنج کی بات ہے۔ باوجودیکہ عورت کی طرف طبعاً میلان ہوتا ہے مگر لوگ پھر بھی لڑکوں کی طرف مائل ہیں اور وجہ اس کی زیادہ تر یہ ہے کہ عورت کے ملنے میں بدنامی ہو جاتی ہے دوسرے عورت نلتی بھی مشکل سے ہے اور لڑکے سے ملنے میں زیادہ بدنامی کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا اور ملنے بھی ہیں آسانی سے بالخصوص دیکھنا اور تصور کرنا تو اس لئے بھی سہل ہے کہ اس کی کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور یہ سب بدکاری ہے اور نہایت افسوس ہے کہ یہ مرض تاک جھانک کا اکثر پرہیزگاروں میں بھی ہے اور ان کو دھوکہ اس سے ہو جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات اپنی طبائع میں اکثر شہوت کی خلش نہیں پاتے اور اس سے سمجھتے ہیں کہ ہماری نظر شہوانی نہیں لیکن بہت جلد شہوت ظاہر ہو جاتی ہے اس لئے ابتداء ہی سے احتیاط واجب ہے۔

صاحبو! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر تو آج کل کوئی مقدس نہیں ہوگا مگر دیکھتے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو امام صاحب نے اول دفعہ تو دیکھا لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کی داڑھی نہیں آئی تو یہ حکم کر دیا کہ جب تک داڑھی نہ نکل آئے پشت کی طرف بیٹھا کرو۔ دونوں طرف متقی مگر احتیاط اتنی بڑی بعد مدت دراز ایک مرتبہ اتفاقاً امام صاحب کی نظر پڑ گئی تو تعجب سے پوچھا کہ کیا تمہارے داڑھی نکل آئی ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر احتیاط کی ہے تو آج کون ہے کہ وہ اپنے اوپر اطمینان کرے۔ تو اس آیت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ لوگوں کے اس عمل سے ان پر عذاب نازل ہونے کو ہے میں نے روکا مگر کون سنتا ہے جب اس لغوکام کی عادت پڑ جاتی ہے تو کم ہمتوں سے بڑی مشکل سے چھوٹتا ہے ہاں اگر ہمت کی جائے اور پختہ قصد کے تو چھوٹ بھی جاتا ہے کیونکہ بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ایک حد تک مجبوری بھی ہو سکتی ہے جیسے غریب آدمی کا رشوت لینا اگر نہ لے تو بظاہر اس کے کام اٹکتے ہیں اور اس میں تو کوئی ایسی مجبوری نہیں کہ کوئی کام اس پر اٹکا ہو پس اس میں تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ تھوڑی سی تکلیف نفس کو ہوگی تو اس کا چھوڑ دینا ہمت والے کے لئے بہت آسان ہے ہمت والوں نے تو خدا کی راہ میں جانیں تک دیدی ہیں۔ بہت سے ایسے باہمتوں کے واقعے سنے گئے انہوں نے تمام عمر کی ایفون کی عادت چھوڑ دی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور بیعت کی درخواست کی مولانا نے اس کو بیعت کر لیا اور تمام گناہوں سے یعنی کفر و شرک وغیرہ سے توبہ کرادی جب مولانا بیعت کر چکے تو کہنے لگا مولوی جی اور تم نے ایفم (ایفون) سے توبہ کرائی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی مجھے کیا خیر تھی کہ تو ایفون بھی کھاتا ہے اچھا جس قدر ایفون تو روزانہ کھاتا ہو اس کی گولی بنا کر میرے ہاتھ پر رکھ دے چنانچہ اس نے گولی بنا کر مولانا کے ہاتھ پر رکھ دی مولانا نے اس کو دیکھا اور اس میں سے تھوڑا سا حصہ لے کر اس سے کہا کہ اس قدر کھالیا کر مقصود یہ تھا کہ بتدریج چھوڑ دی جائے گی۔ مگر جب قلب میں محبت خدا آتی ہے تو ایفون کیا سلطنت بھی چھوٹ جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ مولوی جی اب کیا کھاؤں گا اور یہ کہہ کر ایفون کی ڈبیہ جیب سے نکالی اور بہت دور پھینکی۔ گھر پہنچ کر ایفون کا تقاضا ہوا مگر

اس نے نہیں کھائی آخر دست لگے۔ مولانا کے پاس کہلا کر بھیجا کہ مجھے دست لگ رہے ہیں مگر میں توبہ کو نہیں توڑوں گا۔ چند روز میں دست بند ہو گئے جب بالکل تندرست ہو گیا تو مولانا کے پاس آ کر سلام کیا مولانا نے پوچھا کہ بھائی کون ہو کہنے لگا جی میں ہوں افیم والا اور دو روپے نکال کر مولانا کو دیئے اور کہا کہ مولوی جی یہ افیم کے روپے ہیں مولانا نے فرمایا کہ بھائی افیم کے روپے کیسے کہنے لگائیں دو روپے مہینے کی افیم کھاتا تھا جب میں نے چھوڑ دی تو نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپے ماہوار بچے میں نے نفس سے کہا کہ میں یہ دو روپے تجھے ہرگز نہ دوں گا میں اپنے پیر کو دوں گا۔ دیکھئے اس شخص نے دین کو کتنا خالص کیا کہ وہ دو روپے بھی اپنے پاس نہیں رکھے خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا مقصود یہ ہے کہ ہمت وہ چیز ہے کہ وہ سب کچھ کرا دیتی ہے تو اگر ہمت کی جائے تو نگاہ بد کا چھوڑنا کیا مشکل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ تو اس کو ایسا خفیف جانتے ہیں کہ گویا حلال ہی سمجھتے ہیں حالانکہ حلال سمجھنا معصیت کا قریب بہ کفر ہے۔ اور ایک بے باک شاعر نے تو اس کو ایک مثال میں بیان کیا ہے کہ

نگاہ پاک لازم ہے بشر کو روئے جاناں پر خطا کیا ہوگی گمراہ کھدیا قرآن کو قرآن پر
اس میں ایک تو یہ کھلا دھوکہ ہے کہ ناپاک کو پاک سمجھا دوسرے اگر پاک بھی
مان لیا جائے تو خوب سمجھ لو کہ شیطان اول اول تو اچھی نیت سے دکھلاتا ہے چند
روز کے بعد جب محبت جاگزیں ہوتی ہے تو پھر نگاہ کو ناپاک کر دیتا ہے تو ضروری
امر یہ ہے کہ علاقہ ہی نہ کرو اور علاتہ ہوتا ہے نظر سے ہذا نظر ہی نہ کرو غالباً حدیث
میں ہے یا کسی بزرگ کا قول ہے النَّظَرُ سَهْمٌ مِنْ سَهْمِ ابْلِيسَ رَنظَرِ شَيْطَانِ كِے
تیروں میں سے (پہلا) تیر ہے) کہ اس کا زخم بھی نہیں ہوتا اور سودا قلب تک اترتا
چلا جاتا ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے

درون سینہ من زخم بے نشان زدہ بہ حیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ
(میرے سینہ میں ایسے زخم تو نے مارے کہ جن کا دیکھنے میں کوئی نشان نہیں معلوم ہوا)

میں حیرت میں ہوں کہ بغیر کمان کے تیر کیسے تو لے چلا دیئے)
یہ نظر ایسی چیز ہے کہ اس کا اثر پیدا ہونے کے بعد بھی مدت تک یہ بھی نہیں معلوم
ہوتا کہ ہم کو تعلق ہو گیا بلکہ جب کبھی محبوب جدا ہوتا ہے اس وقت قلب میں ایک
سوزش سی پیدا ہوتی ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ تعلق ہو گیا اور جس قدر یہ سوزش برہتی
ہے خدا کی محبت کم ہو جاتی ہے اور اس سے خدا تعالیٰ کو بہت غیبت آتی ہے اور کیوں
نہ آئے گی جبکہ محبوبان دنیا کو غیبت آتی ہے۔ مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص
ایک عورت کے پیچھے چلا اس نے پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیوں آتا ہے کہنے لگا کہ میں
تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں اس نے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے میری بہن علی آرہی ہے وہ مجھ سے
زیادہ خوبصورت ہے ہو سنا کہ تو تھا ہی فوراً پیچھے لوٹا جب یہ لوٹنے لگا تو اس نے ایک
دھول اس کے رسید کیا اور سے

گفت ای ابلہ اگر تو عاشقی
در بیان دعویٰ خود صادق
پس چرا بر غیر انگندی نظر
ایں بود دعویٰ عشق اے بے ہتر

اُس نے کہا بے بیوقوف اگر تو سچا عاشق ہے اور اپنے اس دعوے میں سچا ہے
تو تو نے میرے سوا دوسرے پر نظر کیوں ڈالی ہے اے بیوقوف یہ تو محض زبانی دعویٰ ہے
کہ مردود اگر تو عاشق تھا تو غیروں پر کیوں نگاہ کی۔ محبت تو وہ چیز ہے کہ
ہمہ شہر پیرز خوبان منم و خیال ما ہے
چہ کنم کہ چشم بد بین نہ کند کہس نگاہے
تمام دنیا بھی اگر حسینوں سے بھر جائے تو یہ محبوب کو چھوڑ کر اُدھر متوجہ نہ ہو۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں حضرت جنید
اور حضرت حاجی صاحب دونوں ہوں تو ہم حضرت جنید کی طرف التفات بھی نہ کریں
البتہ حضرت حاجی صاحب ان کو دیکھیں سو محبت تو ایسی چیز ہے یہ کیسی محبت کہ دعویٰ
خدا کی محبت کا اور لڑکوں سے تعلق معلوم ہوا کہ

ایں نہ عشق ست آنکہ در مردم بود
ایں فساد خوردن گندم بود
(یہ ایسا عشق نہیں ہے کہ جو عام سے لوگوں میں پایا جاتا ہے یہ تو گیہوں کھلنے کا فساد)

اگر چار دن کھانے کو نہ ملے تو سب بھول جائیں تو یہ نفس کی شرارت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عشقِ انہی کو ہوتا ہے جن کو خوب فرصت اور فراغ ہے ورنہ جو لوگ کسی کام میں مشغول ہیں ان کو کبھی ایسی لغویات کی نہیں سوجتی۔ جیسے کاشکاک اس واسطے اس کا علاج بھی یہی ہے کہ اپنے کو کسی کام میں لگا دو جس میں کھپ جاؤ اگر دین کا کام نہ ہو تو دنیا ہی کا کوئی جائز کام کرو۔ طبیبوں نے بھی لکھا ہے اس مرض کے متعلق کہ يعرض للبطالین (یہ بیکار اور فارغ لوگوں کا ہوتا ہے) افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ نے فراغت اس لئے دی تھی کہ دین کا کام کریں مگر زیادہ تر ایسے ہی لوگ محروم رہے خوب کہا ہے۔

خوشا روزگارے کہ دارد کسے کہ بازار حرص نہ باشد بے

بقدر ضرورت یارے بود کند کارے از مرد کارے بود

(جو کام کسی شخص کو مل گیا ہے وہ اچھا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اس

کی حرص و ہوس محدود ہو جائے گی۔ پھر بقدر ضرورت آسانی ہوگی

پھر اگر وہ کوئی کام کا ارادہ کرے تو پہلا کام بھی مل جائے گا۔)

کہ بڑا خوش قسمت وہ ہے کہ اس کو حرص نہ ہو اور ضرورت کے موافق کھانے کو ہو لیکن افسوس ہے کہ ہم قدر نہیں کرتے اور اس بیکاری میں اپنے پیچھے یہ علتیں لگا لیتے ہیں۔ اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ میں نے بعض درویشوں کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس ایک ایک لڑکا پلا ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ ان کے حسن میں خدا کا حسن جلوہ گر ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بقراط نے ایک شخص کو ناچتے ہوئے دیکھا پوچھا اس کو کیا ہوا معلوم ہوا۔ کسی امر و حسین کو دیکھ کر اس لئے بخود ہو گیا کہ اس میں جلوہ حق نظر آیا کہنے لگا یہ کیا بات ہے کہ اس کو امر میں تو جلوہ حق نظر آیا میرے اندر کبھی نظر نہ آیا یہ تو بقراط کا قول ہے اس کا چاہے اعتبار نہ کرو لیکن شیخ کے مقولہ کا اعتبار کرو گے وہ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

محقق ہماں بسند اندر اہل کہ در خود بردیان چین و چنگل
(محقق ہی دیکھ سکتا ہے اونٹ کے اندر خوبصورتی ہے جو اور حق کی کاریگری
ہے جو کم نظر لوگ حسینوں تک محدود رکھتے ہیں)

اور فرماتے ہیں ۵

نداند صاحب دلاں دل بہ پوست اگر ابلہے داد بے مغز اوست
(صاحب دل صرف چمڑی کی رنگت پر دل نہیں دیدیتے اگر کوئی بیوقوف
دیدے تو وہ بے عقل ہی ہے)

ایک بزرگ تھے پنجاب میں ان کی بابت ایک دوست بیان کرتے تھے کہ ان کی یہ حالت
تھی کہ جب کوئی حسین مکان دیکھتے تو وجد کرنے لگتے تھے اور یہ حالت تھی کہ ان کے سامنے
کوئی کواڑ نہ کھول سکتا تھا اس کی آواز سے وجد کرنے لگتے تھے ۵

کسانیکہ یزداں پرستی کند بر آوازہ دولاب مستی کند
(جو لوگ حق پرست ہیں اور انھیں صحیح ذوق ہے تو وہ دولاب کی آواز
میں بھی جذب پاتے ہیں)

اور یہ حالت تھی کہ ان کو پنکھانہ جھل سکتے تھے اس کی آواز سے وجد ہو جاتا
تھا تو ایسا شخص اگر کسی حسین آدمی کو بھی دیکھ کر وجد کرنے لگے تو یہ اس کی ایک حالت
ہے اور اگر یہ نہیں تو محض فسق و فجور ہے اور یہ ایسا مرض ہے کہ مدعیان تصوف میں بہت
زمانے سے چلا آتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جو ساتویں صدی میں ایسوں ہی کے حق
میں فرماتے ہیں ۵

صوفیؑ ماندہ بنسرد ایں لئام الخیاطت واللواطت والسلام

کہ بس اس کا نام تصوف رہ گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ بہت پرانا مرض ہے اور
سب سے اول لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ مرض پیدا ہوا تھا اور شیطان نے ان لوگوں
کی راہ ناری حدیث میں ہے کہ قوم لوط پر یہ عذاب نازل ہوا کہ پانچ بستیوں کو حضرت
جبریل علیہ السلام نے بازو پر اٹھایا اور آسمان تک لے جا کر گرا دیا گویا یہ دکھلا دیا کہ

چونکہ تمہاری امت الٹی ہو گئی تھی اس لئے سزا بھی تمہارے لئے الٹنے کی تجویز کی گئی غرض
 اول تو نفس اس فعل ہی کی اس وقت کثرت ہے دوسرے اس کی وسعت مفہوم سے نظر
 وغیرہ سب اسی حکم میں ہے معلوم ہو گیا ہوگا کہ شاید ہی کوئی اس سے بچا ہوا ہوا لامتناہی
 اسی طرح اجنبی عورت یا امرِ مشتبہ سے گانا سننا یہ بھی ایک قسم کی بدکاری ہے حتیٰ کہ کسی
 لڑکے کی آواز سننے میں نفس کی شرکت ہو تو اس سے قرآن شریف سننا بھی جائز نہیں اکثر
 لوگ لڑکوں کو نعت کی غزلیں یاد کرا دیتے ہیں یہ بھی جائز نہیں ہے فقہار نے یہاں تک
 لکھا ہے کہ اگر بے ریش لڑکا مرغوب طبع ہو تو اس کی امامت بھی مکروہ ہے اور نابالغ کے
 پیچھے تو نماز ہی نہیں ہوتی تو جب امام بنا کر کھڑا کرنا جائز نہیں حالانکہ قرآن شریف ہی
 پڑھے گا مگر فقہانے بلا ضرورت اس کی بھی اجازت نہیں دی۔ دوسرے یہ بھی وجہ ہے کہ
 لڑکوں کا اعتبار ہی کیا عجب نہیں کہ وہ بے وضو ہی پڑھا دیں۔ چنانچہ ایک لڑکا کہتا
 تھا کہ میں نے بے وضو نماز پڑھائی۔ اور لیجئے دو لڑکے نماز پڑھنے کھڑے ہوئے ان
 میں ایک امام تھا ایک مقتدی ایک نے دوسرے کے پیر میں گدگد سی اٹھائی خوب
 کہا ہے الصَّبِيُّ صَبِيٌّ وَّلَوْ كَانَ وَّلِيًّا (لڑکا لڑکا ہی ہے اگرچہ وہ ولی ہی کیوں نہ ہو)
 خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ امرِ صلیح کی امامت کو فقہانے ناجائز کہلائے چون
 یا میانہ عمر عورت کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے البتہ بوڑھی کے لئے بجز امام صاحب
 کے اوروں نے اجازت دی ہے کہ اس میں فتنہ نہیں ہے مگر یہ اس زمانہ میں ہوگا آج تو
 ایسی گندی طبیعتیں ہو گئی ہیں کہ مطلقاً ناجائز کہا جائے گا اگرچہ بڑھیا ہی ہو۔ ایک
 بادشاہ کی حکایت سنی ہے کہ اس کے سامنے ایک بیوہ عورت نکلی جو کہ بے انتہا بد صورت
 اور نفرت کی ہیئت و لباس رکھتی تھی اور اس کو حمل تھا اس نے وزیر سے کہا کہ تحقیق کرو
 یہ حمل کس کا ہے اس کی طرف کس کو رغبت ہوئی ہوگی۔ وزیر تحقیق کرتے کرتے پریشان
 ہو گیا عتاب شاہی بڑھنے لگا ایک روز اس پریشانی سے کسی سڑک پر گذر رہا تھا کہ
 دیکھتا کیا ہے ایک شخص نہایت تکلف کا لباس پہنے ہوئے ایک گندہ پر تلے کے نیچے جس میں
 پیشاب وغیرہ گرتا تھا ایک دوات لئے ہوئے کھڑا اس میں پانی ڈال رہا ہے سخت حیرت ہوئی

اور اس کو گرفتار کر لیا تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان ہی صاحب کا اس عورت کو حمل تھا لہذا اس زمانے میں اس تفصیل کی بھی گنجائش نہیں رہی سب ہی کو روکنا چاہیے غرض فقہانے جب محلِ شہوت میں قرآن شریف سُنا گوارا نہیں کیا تو غزلیات پر ٹھانے کی اجازت کب ہو سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ شریعت سے بے پروائی کی وجہ سے اب ان امور کا ذرا خیال نہیں کیا جاتا۔ اکثر و عظیم عورتوں کے مجمع میں خوش الحانی سے اشعار پڑھتے ہیں یہ بالکل ہی مصلحت دین کے خلاف ہے۔ میں بحد اللہ عورتوں کے مجمع میں اس کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں ایک غلام ساریبان کو عورتوں کے سامنے اشعار پڑھنے سے روک دیا اور فرمایا تھا کہ رویداک یا انجشدہ لا تکسر القوادیر (باز آجا رک جا لے انجشدہ شیشوں کو نہ توڑ) مرد عورتوں کے دل ہیں، تو جب اس زمانہ میں کہ سب پر تقویٰ ہی غالب تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی اجازت نہیں دی تو آج کس کو اجازت ہو سکتی ہے بالخصوص جبکہ خود عورتیں یا لڑکے ہی پڑھنے والے ہوں حاصل یہ ہے کہ اس معصیت کو طاعون میں خاص دخل ہے اور اس کی وجہ سے زیادہ تر طاعون ہوتا ہے اگرچہ مطلق ناراضی ہر گناہ سے ہوتی ہے یہ صدور معاصی اصل علت ہے طاعون کی تو جہاں طاعون آیا ہو سمجھ لیجئے کہ اس علت کی وجہ سے آیا۔ اب دوسری جگہ کے طاعون کی خبر سن کر اور اس علت کو معلوم کر کے یہ دیکھئے کہ اس میں ہم بھی مبتلا ہیں یا نہیں اگر مبتلا ہیں تو اس کو چھوڑنا چاہیے یہ معنی ہیں السعید من وعظ بغیرہ کے چونکہ اس وقت مختصر ہی بیان کرنا تھا اس لئے اس خاص مضمون کو بیان کیا۔

اب میں قطع نظر طاعون و اسباب طاعون کے اس مضمون کی عام تعلیم کرتا ہوں کہ جو مصیبت آئے اس کو کسی گناہ کا ثمرہ سمجھا کر و اور جب کسی کو مصیبت میں دیکھو تو اس سے عبرت حاصل کیا کرو اسی طرح جب کوئی مر جائے تو سوچو کہ ہمارے لئے بھی یہ دن آنے والا ہے مگر اس وقت کچھ ایسی غفلت پڑی ہے کہ مردے کو دیکھ کر بھی ذرا تغیر ہماری حالت میں نہیں ہوتا میں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ اول اول زمانے میں مردے کو دیکھ کر ایک عبرت سی ہوتی تھی مگر اب تو مساوات سی ہو گئی ہے حالانکہ اس بارہ میں شریعت نے ہم کو یہاں تک

تعلیم کیا ہے کہ قرآن شریف میں حکم ہے کہ جب گھوڑے پر سوار ہو تو یہ آیت پڑھو
 سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ؕ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ
 پاک ہے وہ ذات کہ جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مطیع و فرماں بردار بنا دیا
 حالانکہ ہم اس کو اپنا تابع نہیں بنا سکتے تھے اور بے شک ہم اپنے رب کی
 طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) کہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے لئے اس کو
 مسخر کر دیا ورنہ اگر بگڑ جاتا تو ہم کیا کر لیتے یہ تو خاص رکوب کے مناسب ہوا
 آگے فرماتے ہیں وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ؕ اس کو بظاہر پہلے مضمون سے
 کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی مگر اہل لطافت نے سمجھا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے
 کہ بند و اس جانور پر سوار ہونے سے دوسری سواری کو بھی یاد کرو اور سمجھ لو کہ تم
 کو کسی تختہ اور چار پائی پر بھی سوار ہوتا ہے پس جن میں تم کو رکھ کر چار آدمی لے جائیں
 اصل سواری وہی ہے جس پر سوار کر کے تم کو خدا کے ہاں پہنچادیں گے تو جب
 جانور پر سواری لیتے وقت بھی اس کے یاد کرنے کا حکم ہے تو مردے کو دیکھ کر
 تو یاد کرنے کا حکم کیوں نہ ہوگا اس وقت بھی یاد نہ کرنا سخت قساوت ہے۔ اب
 لوگوں کی یہ حالت ہے کہ قبر پر بیٹھے ہیں اور مقدمے کی باتوں میں مشغول ہیں اسی
 طرح اگر مصیبت میں کسی کو گرفتار دیکھتے ہیں اس کو اسی شخص تک محدود سمجھتے ہیں
 حالانکہ سمجھنا چاہیے کہ اس پر یہ مصیبت کیوں مسلط ہوئی ظاہر ہے کہ گناہوں کی
 وجہ سے تو ہم کو بھی گناہوں سے بچنا چاہیے اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب
 کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھو تو کہو الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ
 بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْصِیْلًا (تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے
 لئے ہیں جس نے مجھ کو عافیت دی اس چیز سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا اور مجھ کو
 بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی اس میں بھی تذکیر ہے احتمال ابتلا کی
 اور اسی میں تنبیہ اجمالی ہے اسباب ابتلا کی کہ معصیت ہے اسی پر یہ شکر
 سکھایا کہ احتمال تھا کہ اسی معصیت کے سبب شاید ہم بھی مبتلا

نہ ہو جائیں لیکن یہ دعا آہستہ پڑھے کہ مصیبت زدہ کی دل شکنی نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں لا تظہر السموات لا یخیک بعض دوسرے کے مصائب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتے ہیں حالانکہ ان کو ڈرنا چاہیے کیونکہ مقتضی تو ہم میں بھی موجود ہے بعض لوگ وہ ہیں کہ دوسرے کی مصیبت پر افسوس تو کرتے ہیں لیکن طعن کے طور پر اس کی بابت اسی حدیث میں ہے فیرحمہ اللہ و یبتلیک یعنی ہنسومت شاید بجائے اُس کے تم مبتلا ہو جاؤ اسی کو کہتے ہیں

نہ خواہندہ بردہ دیگران بشکرانہ خواہندہ از درمراں
 نہ مانگنے والا دوسروں کے دروازہ پر شکرانہ کے ساتھ مانگنے والے کو
 دروازے سے مت بھگا یعنی اسی شکرانہ میں ہی دے دو کہ تم اس کے

دروازے پر مانگنے نہیں گئے۔

یعنی اگر اور کچھ نہیں تو سائل کو اسی شکر میں دیدو کہ تم مانگنے نہیں گئے تو یہ شکر اسی احتمال پر تو ہے کہ شاید ہم ہی اپنی معاصی کے سبب اس حالت کو پہنچ جاتے اس کے مناسبت ایک حکایت تاریخ میں عجیب لکھی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے پاس بیٹھا کھا رہا تھا اس وقت ایک فقیر مانگنے آیا اس نے فقیر کو جھڑک دیا۔ اتفاق سے کچھ ایسا انقلاب ہوا کہ یہ شخص بالکل تباہ و پریشان ہو گیا حتیٰ کہ بیوی کا نان و نفقہ جب نہ چل سکا تو اس کو بھی طلاق دیدی اور اس نے کسی اور دولت مند سے نکاح کر لیا۔ اتفاق سے اُس دولت مند کے دروازے پر کوئی شخص سوال کرنے آیا اس شخص نے بیوی سے کہا کہ اس کو بھیک دے آؤ جو دروازے پر گئی تو وہاں سے روتی ہوئی لوٹی۔ شوہر نے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ سائل میرا پہلا شوہر ہے اور اسی تذکرے میں وہ قصہ سائل کے جھڑک دینے کا بھی بیان کیا اس شوہر ثانی نے کہا کہ وہ سائل جو جھڑکا گیا تھا میں ہوں۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو مال بھی دیا اور اس کی بیوی بھی دیدی

۱۔ ہاں اگر وہ شخص گناہ کی مصیبت میں مبتلا ہو اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو یہ دعا زور سے پڑھے تاکہ زجر ہو کما قال
 الشیخ دہلوی فی شرح المشکوٰۃ ۱۲۱ احمد حسن عقی عنہ

تو خدا تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے عبرت حاصل کرو اور عبرت میں یہ بھی داخل ہے کہ جس کو کسی مصیبت میں مبتلا دیکھو ڈرو۔ بزرگوں نے ہر جگہ یہ بات یاد دلائی ہے مگر ہم بے فکر ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے کو اس کے اسباب سے بری سمجھتے ہیں کہ ہم کو مثلاً طاعون کیسے آئے گا۔ ہم تو تعویذ یا قتال رکھتے ہیں۔

صاحبو! جس وقت کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو قتال وغیرہ بیکار ہو جاتے ہیں یہ چیزیں ان کے حکم کے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہیں۔

اوست سلطان ہرچہ خواہد آن کند
عالمے رادر دے ویراں کند
(بادشاہ وہی ہے جو چاہے وہ کر ڈالے چاہے تو پوری دنیا کو ایک دم میں ویراں کر دے)

کیا انتہا ہے قدرت کی فرماتے ہیں قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهُ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا

(آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی کو کچھ اختیار ہے؟ اگر وہ چاہے تو مسیح بن مریم (علیہا السلام) اور ان کی والدہ (مریم علیہا السلام) کو اور تمام مخلوق کو ہلاک کر دے) کہ اے عیسایو بتلاؤ کہ کس کو قدرت ہے کہ وہ خدا کے مقابلے میں آسکے اگر ان سب کو ہلاک کر دیں تو دیکھئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کس طرح تحتِ قدرت فرمایا ہے جب یہ ہے تو فقیر درویش جن کے تعویذوں پر ناز ہے وہ تو کیا چیز ہیں اسی لئے ناز کرتا بھروسہ کرنا سب بیجا ہے۔ البتہ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خدا کو راضی رکھو اور احکام پر عمل کرو خصوصاً بہت جلد نمازیں شروع کر دو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نماز پڑھنے سے کوئی مرے گا نہیں۔ مرے گا تو ضرور مگر اطاعت میں فائدہ یہ ہوگا (میں اس سے ایک شبہ کو دور کرتا چاہتا ہوں کہ اصلی سبب تو نزولِ بلا کے گنہگار لوگ ہوتے ہیں۔ جب حدیث شریف میں یہاں تک ہے کہ ظالم کو سُرخاب تک کوستا ہے کہ اس کے

سبب قحط پڑتا ہے۔ جس سے جو نوروں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے مگر باوجود اس کے آتی ہے مصیبت سب پر تو اس صورت میں بظاہر اطاعت بیکار معلوم ہوتی ہے یہ ہے شبہ مگر جواب یہ ہے کہ اطاعت بیکار نہیں بلکہ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مطیع اس مصیبت سے پریشان نہیں ہوگا اس کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ کہ اگر ماں کی گود میں ہو تو اس کو کسی واقعہ سے پریشانی نہیں ہوتی خدا تعالیٰ ہمارے مربی ہیں ان کا جس قدر قرب ہوگا اسی قدر زیادہ اطمینان ہوگا خواہ کچھ ہی ہوا کرے جیسے ماں کے پاس بچہ اسی قرب کے حافظ عن التشویش ہونے پر ایک حکایت یاد آئی۔ افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ جب آسمان کمان ہے اور حوادث تیر اور خدا کمان انداز ہو تو آدمی کہاں جا کر بچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیر انداز کے پاس جا کھڑا ہو کہنے لگا کہ بیشک آپ نبی ہیں یہ علوم حضرات انبیاء ہی کا حصہ ہے۔ تو خدا تعالیٰ کا قرب جب ہوگا مصیبت نہیں آسکتی یعنی حقیقت مصیبت نہ آئے گی گو صورت مصیبت آئے وہ باطن میں بالکل مسرور ہوگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میری توبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ ایام قحط میں میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ نہایت ہی خوش ہے میں نے اس سے پوچھا کہ یہ تو قحط اور تو ایسا خوش ہے کہنے لگا کہ میں فلاں شخص کا غلام ہوں میرا کھانا کپڑا اس کے ذمہ ہے اور اس کے پاس ایک گائول ہے اس سے آمدنی آجاتی ہے وہ اس میں سے مجھے دونوں وقت کھانے کو دیتا ہے اس لئے میں بالکل بے فکر ہوں یہ سن کر اس کے دل پر ایک چوٹ لگی کہ تیرے مالک کے پاس تو زمین و آسمان کے خزانے ہیں اور پھر تو اس قدر فکر مند ہے تو واقعی جب خدا سے قرب بڑھ جاتا ہے بے فکری ہو جاتی ہے۔ دیکھئے معمولی غنی کے قرب کے سبب کیسی بے پروائی ہو جاتی ہے تو غنی حقیقی کے تعلق میں تو یہ حالت بدرجہ اولیٰ

ہونی چاہئے

موقد چہ بر پائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
 امید و ہراسش نباشد ز کس ہمیں ست بنیاد توحید و بس
 (موقد کے پیر پر چاہے تو سونا ڈالے مشہور اور خالص تلوار ہندی کو ہے
 کی اس کے سر پر رکھے یعنی وہ بالکل مستثنیٰ ہے اس کو کسی شخص کا
 ڈر نہیں ہے اور نہ اس کو امید ہے بس توحید کی بنیاد یہی ہے کہ انسان
 خدا کے سوا بے پروا ہو جاتا ہے)

ایک بزرگ ہیں صحابی یا تابعی انھوں نے لوگوں کو دیکھا کہ بھاگ
 رہے ہیں پوچھا کیوں بھاگ رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ طاعون سے بھاگ
 رہے ہیں آپ نے فرمایا: يٰطَاعُونَ خُذْنِي الْيَدِ الْاٰخِرَانِ كَاِنتِقَالِ
 طَاعُونَ مِيں ہو گیا۔ جب قرب ہوتا ہے تو یہی حالت ہوتی ہے کہ دوست
 کی بلا کی آرزو کرنے لگتا ہے اسی کو عراقی کہتے ہیں
 نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
 سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کسی دشمن کا نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا
 سر سلامت چاہئے اس لئے کہ تو خنجر آزمائے والا ہے)

یعنی دوست کیا تھوڑے ہیں پھر بیقدر دشمن کو طاعون کیوں عنایت کیا جائے
 یہ تو اطاعت والوں کا حال ہوتا ہے اور نافرمانی میں ہر حال میں پریشانی

عنه هذا لا قويا على المصائب والبلاء كما ود فضل طلب الشهادة
 لهم في الحديث ولكن لا يجوز للضعفاء ولهم ان يطلبوا عاقبة الدنيا
 والاخرة والشهادة بالطاعون كالشهادة باعلاء كلمة الله رأسا برأس
 لا فرق بينهما هذا كله جاء في الحديث كما فصله في فتح الباري شرح البخاري

احمد حسن سنہالی عفی عنہ

ہوتی ہے حیات میں بھی اور مرنے کے وقت بھی مطیعین کی ایک حکایت یاد آئی۔
تھانہ بھون ہی میں ایک طالب علم کا انتقال ہوا۔ اٹھارہ ائیس برس کی عمر تھی چونکہ
کئی طالب علم طاعون میں مر چکے تھے ان کا ارادہ وطن جانے کا تھا اس میں مبتلائے
طاعون ہو گئے دوسرے طالب علموں کو خیال ہوا کہ یہ تو گھر جانے والے تھے اب ان کو سخت
پریشانی ہوگی چنانچہ ان کی تسلی کے لئے کہا کہ تم اچھے ہو جاؤ گے کہنے لگے کہ یوں مت
کہو اب تو یہ دعا کرو کہ خدا بخیریت اپنے پاس بلا لیں۔ اب تو اللہ میاں سے ملنے کو چاہتا
ہے۔ ایمان پر خاتمہ کی تمنا ہے۔ ایک میرے دوست تھے مولوی احمد علی وہ گورکھپور
میں مدرس تھے ان کی بیوی وہاں ہی مبتلائے طاعون ہوئی یہ اس کے علاج کے واسطے
قنوج اس کے میکے میں لائے وہ اچھی ہو گئی اور یہ خود مبتلائے طاعون ہو گئے ایک روز
اسی حالت میں لیٹے ہوئے تھے اچانک اٹھ کر پانندی کی طرف بیٹھ گئے اور کسی کو خطاب
کر کے سر ہانے بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر یہ کہا کہ چلنے کے لئے حاضر ہوں مگر وقت نہیں آیا
بارہ بجے کا وعدہ ہے اس وقت چلوں گا لوگوں نے ہڈیاں سمجھا مگر ٹھیک بارہ بجے صبح
نکلی۔ حضرت والشریہ سب اطاعت کی برکت ہے۔ اطاعت کرنے والے کے پاس بھی
پریشانی نہیں آتی پس ایک تو اطاعت میں یہ فائدہ ہے دوسرے یہ کہ طاعون ان کیلئے
رحمت ہے اور رحمت ہی کے یہ آثار ہیں پس اطاعت کرنے والے کو طاعون ہی کیوں
نہ ہو مگر یہ دو لیتیں کیا تھوڑی ہیں جن سے عاصی محروم ہے غرض اطاعت سے اول تو
بلیات نہ آئیں گی اور اگر کسی مصلحت سے آ بھی گئیں تو پریشانی سے بچیں گے یہ جواب
ہو گیا شبہ کا۔

اب میں اصل مقصود کا خلاصہ پھر عادیہ کرتا ہوں کہ میرا یہ مطلب ہے السعید من
وعظ بغیرہ سے کہ دوسرے کی مصیبت دیکھ کر اس گناہ سے بچو کہ جس کی وجہ سے اس
پر مصیبت آئی۔ پس اب ختم کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ عمل کی
توفیق (تمام مسلمانوں کو اور ناشکر کو) دے آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

تم

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

(رواه البخاری)

دعوات عبدیت جلد چہارم

کا

پانچواں و عظیم ملقب بہ

طلب العلم

مجموعہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: محمد عبد المنان عفری

مکتبہ تھانوی — دفتر الایفاء

مسافر خانہ بند روڈ کراچی ۷
ایم۔ اے جناح روڈ

دعوات عبدیت جلد چہارم کا

پانچواں واعظ مقلّب بہ

طلب العلم

آرین	کتنے	سہ	تریف	ماذا	مَنْ ضَبَّكَ	وَسَمِعُونَ	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
پختہ گڑھی	۱۲ ربیع الاول			ضرورت	مولوی	تقریباً	عورتوں کا
مکان امام علی	۳۳	۲ گھنٹے	بیٹھ کر	طلب	سید احمد رضا	۱۵۰	مجمع بھی
خانصاحب	بعد مغرب			علم دین	مرحوم تھانوی	آدمی	تھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ من به ونتوكل
عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من
يهدنا الله فلا مضل لنا ومن يضلنا فلا هادي لنا ونشهد أن
لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا
محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه
وبارك وسلم أما بعد: فقد قال النبي صلى الله عليه وآله

وَسَلَّمَ - مَنْهُوَ مَانٍ لَا يَشْبَعَانِ طَالِبُ الْعِلْمِ وَطَالِبُ الدُّنْيَا -

یہ ایک حدیث ہے جس کے الفاظ اس وقت پڑھے گئے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نہایت سچا واقعہ جو نتیجہ خیز ہے اور جس سے ایک امر مہتمم بالشان پر تلبہ فرمایا ہے اور مہتمم بالشان ہونے کے ساتھ ہم کو اُس سے غفلت بھی ہے بیان فرمایا ہے یعنی وہ مضمون نہایت ضروری ہے اور اس سے زیادہ ضروری ہونے کا کیا مرتبہ ہوگا کہ وہ باوجودیکہ مفید ہے مگر لوگ اس سے غافل ہیں۔ اس حدیث میں ایسا ہی مضمون بیان کیا ہے اس لئے بیان کے لئے اس کو اختیار کیا گیا۔ اسی کی شرح سے اس کا مفید ہونا اور اُس سے ہمارا غافل ہونا معلوم ہو جائے گا کیونکہ اپنی حالت میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ دو باتوں کی ضرورت ہے ایک امر واقعی پر مطلع ہونے کی دوسری اس امر واقعی کے متعلق اپنی حالت پر مطلع ہونے کی اس طرح سے کہ ہماری حالت کیلئے دوسرے یہ کہ کیا ہونا چاہیے اس سے مضمون کا ضروری ہونا معلوم ہو جائے گا۔

ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ دو حریصوں کا پیٹ نہیں بھرتا۔ طالب علم کا اور طالب دنیا کا۔ حرص کا خاصہ ہے کہ جس قدر چیز بڑھتی جائے اس کی طلب بڑھتی جائے پس اس حدیث میں دو حریصوں کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کا بھی پیٹ نہیں بھرتا ایک تو طالب علم یعنی دین کا طلب کرنے والا کیونکہ علم شارع علیہ السلام نے اُسی کو قرار دیا ہے باقی علم دنیا اگر وہ مُعین ہو جائے تو علم ہے ورنہ نہیں۔ اس کی ایسی مثال سمجھو کہ لکڑی باوجودیکہ کھائی نہیں جاتی اور نہ وہ کھانے میں داخل ہے لیکن چونکہ کھانے میں معین ہے اس لئے اس کو بھی کھانے کے حساب میں شمار کرتے ہیں کہ جب کھانے کا حنا ہوتا ہے تو یہ بھی حساب ہوتا ہے کہ ایک روپیہ ماہوار کی لکڑیاں صرف ہوئیں اور کھانا سب ملا کر پانچ روپیہ میں پڑا۔ اب اگر کوئی کہے کہ کیا لکڑیاں

بھی کھاتے ہو تو اس کو دیوانہ بتلائیں گے اور کہیں گے کہ معین بھی تابع ہو کر مقصود میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر علوم معاش معین ہوں تو ضمناً ان کو بھی اسی میں داخل کر دیں گے۔ لیکن اصل علم دین ہی ہے اور جو نہ علم دین ہو اور نہ معین ہو وہ جہل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ لَجَهْلًا (علم کا بعض حصہ جہالت ہے) کہ اس کا نام تو علم ہے اور حقیقت میں وہ جہل ہے اس میں وہ علم دین بھی جس پر عمل نہ ہو خاص اس بد عمل کے اعتبار سے داخل ہے اور علم دنیا میں جبکہ معین نہ ہو۔ بہر حال مقصود عمل ہے اور جب یہ نہ ہو خواہ علم دین ہو اور عمل نہ ہو اور خواہ علم دین ہی نہ ہو کہ اس سے عمل بالشریعت ممکن ہی نہیں تو یہ سب جہل ہیں۔ چنانچہ کسی کا قول ہے۔

علمی کہ رہ یہ حق تمنا ید جہالت است

(وہ علم جو حق کا راستہ نہ دکھلائے جہالت ہے)

اس وقت گو اصطلاح میں ان کو علوم کہا جاتا ہے مگر شارع کی نظر میں وہ علم نہیں جیسا اہل دنیا کی نظر میں بہت سے علوم خبیثہ علم نہیں جیسا غلیظ اٹھانا کہ کوئی متمدن اس کو علم نہ شمار کرے گا باوجودیکہ وہ بھی بالمعنی الا عام علم ہے مگر فن خبیث ہونے کی وجہ سے اس کو علم کی فہرست سے خارج کر دیا کیونکہ انسانی عقلاً علم وہ ہے جس میں کوئی وجہ شرف کی بھی ہو تو شارع علیہ السلام کے نزدیک چونکہ سوائے علم دین کے اور دوسرے علوم میں کوئی شرف نہیں لہذا ان کو علوم میں شمار نہیں کیا اور اس باب میں شارع علیہ السلام اور ان کے متبعین پر تعصب کا الزام نہیں لگ سکتا کیونکہ آپ جیسا جواب دیں گے۔ بہتر کے علم کو علم نہ کہنے میں وہی شارع علیہ السلام جواب دیں گے اسی لئے میں نے علم کے ترجمے میں دین کی قید لگا دی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دو شخصوں کا کبھی پریٹ نہیں بھرتا ایک طالب علم دین دوسرا طالب دنیا یہ ایک واقعہ ہے جس کو ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے مگر مقصود صرف واقعہ کا

بیان کرنا نہیں کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں اور شارع علیہ السلام کا دامن تقدس اس دھبہ سے پاک ہے کہ وہ محض فضول باتوں کو بیان کریں بلکہ میں غور کرتا ہوں تو یہ کلیہ پاتا ہوں کہ جتنے مجمل خبریہ شارع علیہ السلام کے کلام میں ہیں وہ من حیث ہی خبرہ مقصود نہیں بلکہ ہر جملہ خبریہ سے کوئی جملہ انشائیہ مقصود ہے۔ خواہ وہ عقائد میں سے ہو یا اعمال میں سے۔ پس جب کوئی جملہ خبریہ دیکھے سمجھے کہ مقصود اس سے کوئی جملہ انشائیہ ہے حتیٰ کہ شَلُّ هُوَ اللّٰهُ أَحَدًا (آپ فرمادیجئے اللہ تعالیٰ ایک ہے) میں بھی ایک جملہ انشائیہ مقصود ہے کہ یہ اعتقاد رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا علاج کرتے ہیں۔ طیب کا یہ کہنا کہ تم کو تپ دق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کا علاج بہت جلد کرو۔ توجب شارع علیہ السلام ہمارے طیب ہیں تو انہوں نے یا تو دوا کی خاصیت بیان کی ہے یا مرض کی خبر دی ہے اور دونوں سے مقصود انشا ہی ہے لہذا ہر عاقل پر ضرور ہے کہ ہر جملہ خبریہ سے انشا کا پتہ چلا لے۔ پس یہاں بھی ایک جملہ انشائیہ مراد ہے تو اس خبر سے کہ ان دو حریصوں کا پیٹ نہیں بھرتا بعد انضمام مقدمات خارجہ کے کہ حرص دنیا کی مذموم ہے اور حرص علم کی محمود۔ ایک میں جملہ انشائیہ اَشْرُكُوا اور دوسرے میں اَطْلُبُوا انکا۔ مزید توضیح اس دعوے کی کہ مقصود اس خبر سے انشا ہے یہ ہے کہ ان دونوں حریصوں کا سیر نہ ہوتا ایک امر مشاہد ہے چنانچہ دنیا کی نسبت تو سب ہی کو معلوم ہے کہ جب اس کی طلب ہوتی ہے تو واقعی ہرگز پیٹ نہیں بھرتا اور حدیث میں بھی ہے کہ اگر آدمی کے پاس دو نالے مال کے ہوں تو یو چاہے گا کہ تیسرا اور ہو اور دونوں کے ہونے سے یا تو یہ مراد ہے کہ خود چاندی سونے کا نالہ بہنے لگے اور یا یہ مراد ہے کہ جہاں وہ ندیاں ہوں اس جگہ مال بھرا ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے

گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پُر کند یا خاک گور

(اس نے کہا کہ دنیا دار کی تنگ آنکھ کو یا تو قناعت پُر کر سکتی ہے
یا قبر کی مٹی ہی اُسے بھر سکے گی)

حدیث میں ہے لَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ (ابن آدم کا پیٹ
صرف مٹی ہی بھرے گی) یہ حدیث میں بھی ہے اور بزرگوں کے کلام میں بھی اور شاہد
بھی ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں کہ لوگ تسلیم بھی کرتے ہیں حرص دنیا کی جس کا نام
ترقی رکھا ہے کہتے ہیں کہ دنیا کی ترقی کرو اور قناعت نہ کرو۔ میں دنیا کی ترقی کو
منع نہیں کرتا مگر دنیا کو قبلہ توجہ بنانے سے روکتا ہوں کسب دنیا منع نہیں ہے
لیکن طلب دنیا منع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ
(حلال کمائی مستقل فریضہ ہے) فرمایا اور حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ (دنیا
کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے) بھی فرمایا تو کسب دنیا دنیا نہیں طلب دنیا
دنیا ہے جہاں یہ پیدا ہو جاتی ہے قناعت رخصت ہو جاتی ہے اور طمع غالب
ہو جاتی ہے اسی پر میں ملامت کرتا ہوں اور یہی خدا کے نزدیک بھی ناپسندیدہ
ہے اور اس کی خرابیاں بھی مشاہد ہیں۔

اسی طرح طلب علم میں بھی اہل علم کے حالات کے تتبع سے معلوم ہے کہ اس
کا بھی کبھی پریٹ نہیں بھرتا۔ کتنا ہی بڑے سے بڑا علامہ ہو مگر پھر بھی ہر سئلہ کی
تلاش کرے گا اور کبھی قناعت نہ ہوگی اور جب تلاش سے معلوم ہوگا تو حظ ہوگا
تو یہ بھی مشاہد ہے پس جب دونوں مشاہد ہیں تو ان کے خبر دینے سے کیا غرض ہے۔
یہ خبر دینا بظاہر تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام
اس سے پاک ہے پس معلوم ہوا کہ مقصود اس خبر دینے سے کچھ اور ہے اور وہ یہی
ہے کہ ایک حرص کے ترک کا امر اور ایک حرص کے اختیار کا امر اور اس میں ایک
بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں دو چیزوں کو فرمایا
طالب علم اور طالب دنیا تو مضاف الیہ دو ہیں جن کو ایک دوسرے کے مقابلے
میں فرمایا ہے اور چونکہ متقابلین تقابلی کے درجے میں جمع نہیں ہوا کرتے اس لئے

اس مقابلے سے معلوم ہوا کہ دنیا اور علم کی طلب جمع نہیں ہوتی۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ** کہ علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے یہ دوسرا مقدمہ ہوا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ طلب علم سے تو بوجہ فرضیت کے کبھی تقاعد کرنا نہ چاہیے اور چونکہ طلب دنیا اس کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اس لئے اس کو طلب دنیا نہ چاہیے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمادی کہ اصلی کام مسلمان کا علم دین کا طلب کرنا ہے اور اس سے اُن کی غلطی ظاہر ہوئی جو علم دین کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور میں اس تقریر سے کسب دنیا کو منع نہیں کرتا کسب وہ ہے کہ جس میں نقصان دین نہ ہو اور طلب وہ ہے جس میں دین مغلوب یا گم ہو جائے تو اصلی چیز مطلوب علم دین ہونا چاہیے اور علم دنیا ہو تو اس کا معین ہو۔ دیکھو جب ایک شخص گھوڑے کی خدمت کرتا ہے تو اصلی غرض قطع مسافت ہوتی ہے کہ یہ کھا کر قطع مسافت کریگا اور گھاس دانہ دینا مقصود بالعرض ہوتا ہے اب اگر کوئی شخص گھوڑے کو کھلائے اور اس سے کام نہ لے لے تو کہا جائے گا کہ اس نے گھوڑے کو قیداً توجہ بنا رکھا ہے اور سب اس کو بیوقوف کہیں گے کہ مقصود بالغیر کو مقصود بالذات بنا لیا۔ غرض گھوڑے کی خدمت منع نہیں مگر جب اصل مقصود میں مزاحم ہو تو روکا جائے گا۔ اور مشورہ نیک دیا جائے گا۔ اسی طرح کسب دنیا اس درجہ میں کہ مزاحم نہ ہو طلب دین پر غالب نہ ہو تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں اسی کو فرماتے ہیں **كَسْبُ الْحَدَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ** (فرائض کے بعد کسب حلال مستقل فریضہ ہے) اور عجب نہیں کہ یہ بعدیتہ اسی اشارہ کے لئے ہو کہ یہ تابع ہے کیونکہ اس میں بعدیتہ رتبہ ہے اور تابع رتبہ میں متبوع کے بعد ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ تابع ہے اسی پر تنبیہ فرمایا ہے اس حدیث میں۔ مگر اس کے متعلق اکثر لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کہ اس وقت مسلمان بہت کم طلب علم میں اہتمام کے ساتھ مشغول ہیں اور دنیا میں بہت زیادہ مشغول ہیں بعض کی تو یہ کیفیت ہے کہ مہینوں میں بھی ان کو لوہیت

نہیں آتی کسی مسئلہ کے دریافت کی۔ کیا ان لوگوں کو کبھی کوئی شبہ نہیں پڑتا جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں نے بہت سے کاموں کو دین سے خارج کر رکھا ہے مثلاً معاملات معاشرت اخلاق کے بہت کم لوگ ہیں کہ جائداد خرید کر یا بیچ کر کسی مولوی کو اس کا مسودہ دکھلاتے ہوں کہ کوئی معاہدہ اس میں خلافتِ شریعت تو نہیں یوں سمجھ رکھا ہے کہ اس کو دین سے کیا واسطہ۔ صاحبو! دین ایک قانون الہی ہے اس کو یاد رکھئے۔ اب سنئے کہ معاملات میں کیا قانون کی ضرورت نہیں اگر ایسا ہے تو بلا لیسنس ایفون بھی فروخت کرنے کی جرأت کرنی چاہئے اگر کوئی ایسا کرے تو کیا اس میں دست اندازی قانون کی نہ ہوگی کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کو قانون سے کیا واسطہ۔ کیا یہ عذر چل سکے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ کہا جائے گا کہ حاکم ہر امر میں درست اندازی کر سکتا ہے تم محکوم ہو اور گورنمنٹ حاکم اور حاکم کو اختیار ہے کہ جو قانون جس طرح چاہے مقرر کرے گو کسی کو ناگوار ہو اور راز اس میں یہ ہے کہ حاکم وقت جمہور کی مصلحت پر نظر کرتا ہے لہذا بعض قوانین کو بعض کو ناگوار ہوں مگر جمہور کے لئے از بس مفید ہوتے ہیں اس لئے باوجود بعض کی ناگواری کے پھر بھی حاکم کو صاحب اختیار اور صاحب عدل سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح خداوندی قوانین کو سمجھنا چاہئے۔ تعجب ہے کہ حاکم مجازی کو تو یہ اختیار ہو کہ اور آپ اس کی ضرورت کو بھی تسلیم کریں اور خدائے تعالیٰ کو اعتقاداً یا عملاً اس کا مختار نہ سمجھا جائے اور اپنے کو ان پر عمل کرنے میں مجبور نہ قرار دیا جائے۔ صاحبو! جب گورنمنٹ کے متعلق یہ کہہ دینا کہ فلاں امر میں گورنمنٹ کے قانون سے کیا واسطہ بے وقوفی ہے تو خدا تعالیٰ کے قوانین کے متعلق یہ کہہ دینا کیوں بیوقوفی نہ ہوگا یاد رکھو کہ ہر امر میں قانونِ شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے ہم کسی امر میں آزاد محض نہیں اور جب اس آزاد سمجھنے کی یہ ہے کہ شریعت کا علم نہیں اور پوچھتے اس لئے نہیں کہ علی العموم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شریعت میں ہر جگہ لَا يَجُوزُ ہے تو پوچھ کر کون مصیبت میں پڑے کیونکہ نتیجہ سوال تو ہم کو پہلے

سے معلوم ہے کہ لَا يَجُوزُ جواب ملے گا۔ حالانکہ یہ بڑی بھاری غلطی ہے کیونکہ شریعت کو لوگوں سے ضد نہیں بلکہ اس میں مباحات بھی ملیں گے البتہ اگر چھانٹ چھانٹ کر ایسے ہی معاملات پوچھو گے جو ناجائز ہوں گے تو ان میں لَا يَجُوزُ ضرور ہی کہا جائے گا۔

جیسے مثلاً طبیب سے کوئی مریض تمام مضر ہی اغذیہ کے کھانے کو پوچھے تو وہ ہر ایک کے استعمال سے منع کرے گا۔ اب اگر کوئی کہنے لگے کہ یہ طب تو نہایت تنگ ہے تو یہ اس کی غلطی ہے طب ہرگز تنگ نہیں بلکہ تم نے چھانٹ کر اغذیہ ہی وہ انتخاب کی ہیں جو مضر ہیں۔ اسی طرح جب ہم نے اپنے تمام معاملات تباہ کر دیئے اور صبح سے شام تک ناجائز ہی معاملات کرنے لگے تو شریعت ان کو کیسے جائز کہدے گی تو یہ تنگی شریعت میں نہیں بلکہ تمہارے عمل میں تنگی ہے۔

اگر کہو کہ جب سب کے سب ان ہی معاملات میں مبتلا ہیں تو ہم کیسے چھوڑ دیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر شریعت کو کیوں الزام دیتے ہو اپنے کو یا اور لوگوں کو الزام دو۔ غرض اس خیال سے مسائل نہ پوچھنا بنا، الفاسد علی الفاسد ہے جب پوچھو گے تو پھر معاملات دنیوی میں یوں نہ کہو گے کہ اس کو شریعت سے کیا واسطہ۔

صاحبو! یہ کہتے ہوئے شرم آنا چاہئے کہ شریعت سے اس کو کیا تعلق ذرافقہ کی کوئی کتاب پڑھ کر دیکھو تو معلوم ہو کہ شریعت نے ہر چیز سے تعرض کیا ہے۔ علیٰ ہذا معاشرت کو بھی لوگوں نے شریعت سے خارج سمجھ رکھا ہے کوئی نہیں پوچھتا کہ فلاں وضع جائز ہے یا ناجائز اور فلاں قسم کا طرز و انداز حلال ہے یا حرام۔ بس سستا شیخ کا فتویٰ یاد کر لیا ہے کہ۔

ص:۔ در عمل کوشش ہرچہ خواہی پوش
(نیک عمل کرنے میں پوری کوشش کر اور جو چاہیں)

میں کہتا ہوں کہ اگر ہرچہ خواہی پوش ایسا عام ہے تو ذرا مہربانی کر زانے کپڑے بھی پہن کر دکھلا دیجئے اور بیوی صاحبہ کو اپنے مردانے کپڑے بھی پہنا دیجئے۔ اگر آپ ایسا کر لیں تو پھر ہم وضع کی نسبت فتویٰ دینا چھوڑ دیں اور سب اہل فتویٰ سے بھی یہ کہہ کر چھڑوا دیں گے کہ اب معاملہ بہت دور پہنچ گیا ہے۔ اور اگر فتوائے شیخ کے عموم سے یہ مستثنیٰ ہے تو کیا وجہ کہ جس وضع کو شریعت منع کرے وہ اُس کے عموم سے مستثنیٰ نہ ہو۔ اسی طرح کھانے کی چیزیں کہ ان میں بھی بہت سی چیزوں کو شریعت سے بے تعلق سمجھا جاتا ہے مثلاً آج کل آموں پر پھول آرہا ہے مگر ہزاروں آدمی اسی وقت سے بیچ رہے ہوں گے حالانکہ اس وقت کا فروخت شدہ غصب کے حکم میں ہے اس کا خریدنا آگے کو بھی جائز نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ تمام بازار حرام سے بھرا ہوگا اور سب لوگ حرام کھائیں گے اور جب یہ حالت ہو تو نماز روزہ میں کہاں سے حلاوت ہو۔

صاحبو! اگر حلال غذا ہو تو پھر دیکھو کہ نماز روزے میں کسی حلاوت ہوتی ہے۔ بعض قصبات میں یہ غضب ہے کہ کھانے کی چیزوں کا نرخ ظلماً مختلف کر رکھا ہے۔ مثلاً گوشت کہ غریبوں کا اور نرخ ہے اور رئیسوں نے اپنا اور نرخ مقرر کر رکھا ہے اور دونوں وقت اس حرام غذا سے پیٹ بھرتے ہیں اور اپنے جی کو سمجھا رکھا ہے کہ یہ ہمارے مکانوں میں رہتے ہیں یا ہماری گھاس پھراتے ہیں۔ صاحبو! جی کو سمجھانا تو بہت آسان ہے مگر یہ دیکھئے کہ یہ غلبہ واقع میں چل بھی سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ گورنمنٹ کے قانون میں کیوں جی کو نہیں سمجھا لیا جاتا ذرا کسی مولوی سے پوچھا تو ہوتا کہ یہ سمجھ کر مستی گوشت خریدنا جائز بھی ہے یا نہیں اور آیا مکان کا کرایہ اس طور سے ٹھہرانا درست ہے یا نہیں یا چرائی کے عوض میں گوشت لینا جائز بھی ہے یا نہیں۔

یہی یہ بات کہ اس کے حرام ہونے کی وجہ کیا۔ سوا اول تو وجہ سمجھنے کی

ضرورت نہیں۔ سہارنپور میں اسی وجہ سمجھنے کے متعلق ایک عجیب لطیفہ ہوا کہ بہشتی زیور کے ایک مسئلے کے متعلق ایک صاحب نے وجہ پوچھی میں نے کہا کیا آپ کو سب مسائل کی وجہ معلوم ہے اگر ہے تو مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں دو چار کی وجہ پوچھوں اور اگر معلوم نہیں تو چلو اس مسئلے کی بھی وجہ معلوم نہ ہوں۔ پھر ایک اور صاحب تشریف لائے وہ ۱۔ پنے نزدیک بوجہ مجھکر تھے۔ کہنے لگے کہ اگر آپ اس مسئلے کو مجمع عام میں صاف ہی کر دیں تو کیا حرج ہے۔ میں نے کہا کہ آپ حکم کرتے ہیں یا مشورہ دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ مشورہ ہے۔ میں نے کہا کہ بس آپ اپنا فرض ادا کر چکے اب مجھے اختیار ہے کہ مشورہ پر عمل کروں یا نہ کروں آپ تشریف لے جاتے۔ غرض اول تو وجہ مسائل کے درپے ہونا یہ بڑا خبط ہے۔ دیکھو اگر نرج کوئی فیصلہ کرے تو ملزم کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس قانون کی وجہ دریافت کرے جس کی بنا پر یہ فیصلہ ہوا ہے اور اگر پوچھے تو کان پکڑ کر نکال دیا جائے گا اور حاکم کہے گا کہ ہم عالم قانون ہیں واضح قانون نہیں اس لئے ہم کو نہ وجہ معلوم ہونا ضرور نہ ہمارے ذمہ بتلانا ضرور۔ تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم عالم قانون ہیں ہمارے ذمہ اس کے وجہ اور اسرار کا بتلانا نہیں ہے۔ نہ تو ہم جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اگر جانتے بھی ہیں تو بتلاتے نہیں۔ غرض بعض لوگ اس وجہ سے بھی رُکے ہوئے ہیں مسائل پر عمل کرنے سے کہ وہ ان کو بظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک شخص ہمارے مکان میں رہتا ہے تو ہم کو کرایہ میں اس سے سستا گوشت لینا درست ہے مگر بات یہ ہے کہ کرایہ کے شرعاً کچھ قانون ہیں چونکہ یہ اس پر منطبق نہیں لہذا درست نہیں۔ غرض اول تو ہم اسرار جاننے کا دعویٰ نہیں کرتے دوسرے لوگ ان اسرار کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ تیسرے ہر شخص سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا بلکہ غرض زیادہ تر یہ ہوتی ہے کہ عجیب کو عاجز کیا جائے غرض یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ بدون پھل آتے ہوئے فروخت کرنا جائز نہیں اسی طرح مکان میں رہنے کے عوض میں جبکہ اس کے

معاوضہ کی کوئی حد نہ معلوم ہو کچھ لینا جائز نہیں اور یہ اس لئے کہا کہ اگر عوض کی کوئی حد مقرر ہو تو جائز ہے یعنی مثلاً اگر ہم نے کسی کو مکان رہنے کو دیا تو اس کا عوض لینے کی ایک تو یہ صورت ہے کہ اس سے یوں کہا جائے کہ جب ہم کو ضرورت ہوگی ایک آنہ سیر گوشت لیں گے یا جب ضرورت ہوگی تم کو بیگار میں بلا لیں گے۔ یہ تو ناجائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سال بھر کے خرچ کا اندازہ کر لیں اور بلا کر اس سے یوں کہیں کہ ہم چار من گوشت تک تو آنہ سیر قیمت دیں گے اور اس کے بعد پوری قیمت دیں گے یہ جائز ہے تو دیکھئے کتنی آسان صورت ہے۔ البتہ اس میں یہ ضروری ہوگا کہ سال بھر کے گوشت کا حساب یاد رکھنا پڑے گا محض من سمجھوتی سے کام نہ چلے گا کیونکہ اکثر غیر معین طور پر آتا ہے لہذا لکھنا چاہئے کہ فلاں تاریخ میں پانچ سیر آیا اور فلاں میں چھ سیر اور جب سال ختم ہو جائے تو اس کو جوڑ لو اگر ایک سیر بھی زائد آیا ہو تو اس کی پوری قیمت دیدو اور محض گول مول رکھنا کسی طرح جائز نہیں۔

اسی طرح اور بہت سے کام ہیں جن میں غریب اور امراء مبتلا ہیں اور ان کو کوئی نہیں پوچھتا۔ مثلاً چرائی کا بکرا لینا یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ایک صاحب نے اس کے جواز کی ایک تاویل نکالی واقعی پڑھے لکھے جنوں سے بچنا بہت ضروری ہے تو یہ تاویل نکالی کہ جب ہماری زمین میں آتے ہیں تو ہم زمین کا کرایہ لیتے ہیں تو اول تو اس کام کے لئے زمین کا کرایہ لینا ہی محل نظر ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ اگر کسی کی زمین میں گھاس ہو اور وہ کسی کو بدو ن عوض کے نہ آنے دے اور کسی شخص کو عوض دینا منظور نہ ہو مگر گھاس کی ضرورت ہو اور دوسری جگہ بھی اسی طرح نہ ملے تو زمین والے کو شرعی حکم ہے کہ گھاس کھود کر چولے کرو پھر عوض لینے کا کیا حق ہو پس یہ تاویل بھی نہیں چل سکتی اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ کھلم کھلا گناہ کرنے والا اس قسم کی تاویل کرنے والوں سے اچھا ہے کہ وہ اپنے کو گنہگار تو سمجھتا ہے۔ غرض ان خرابیوں میں اکثر بڑے چھوٹے سب مبتلا ہیں اور اول تو احتیاط چاہئے کہ خود بھی

نہ کھائیں اور اگر خود کھائیں تو کم از کم دوسروں کو تو ہرگز نہ کھلائیں۔ میں نے تمہارے بھون میں بچہ اللہ اس رسم کو کئی گھروں سے روک دیا ہے اور یاد رکھو کہ اگر تم نے ایسا گوشت کسی کو کھلا دیا تو بے خبری میں کھانے سے اس کو گناہ تو نہیں ہوتا لیکن قلب پر تہ بھی ایک ظلمت چھا جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اکثر معاملات اور معاشرت و اخلاق کو لوگوں نے شریعت سے خارج سمجھ رکھا ہے ایک اور جزئی یاد آتی یعنی سلام کرنا کہ شریعت نے حکم کیا ہے السلام علیکم کا مگر اب لوگوں نے اس کے بجائے بندگی اور آداب اختیار کیا ہے۔ میں جب کانپور گیا تو لوگوں نے آکر بندگی کہنا شروع کیا مجھ کو بہت ناگوار ہوا کیونکہ یہ لفظ شرک کا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں اس کو ظالم بادشاہوں نے ایجاد کیا تھا اور اس سے بھی زیادہ قابلِ افسوس یہ ہے کہ لوگوں السلام علیکم کو بے تمیز میں داخل کیا ہے۔ ایک طالب علم نے اپنے والد کو جا کر سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ بیٹا یہ بے تمیزی ہے آداب کہا کرو۔ صاحبو! یاد رکھو کہ سلام کو بے تمیزی کہنا کفر ہے کیونکہ سلام کو بے تمیزی کہنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو بے تمیزی کہنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو بے تمیزی کہنے والا کافر اور واجب القتل ہے اسی طرح تمام معاشرت ہماری خراب ہو رہی ہے اور اخلاق بھی۔ اور اخلاق سے مراد ملکات نفسانیہ ہیں۔ اس میں علماء بھی مبتلا ہیں کہ ان کو بھی اپنے اخلاق کی ذرا خبر نہیں چنانچہ ہم لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ علم دین پڑھ کر ہم اس کے منتظر رہتے ہیں کہ لوگ ہم کو سلام کریں کیونکہ یہ دنیا دار ہیں اور ہم دیندار ہیں تاہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سو اس قسم کے لوگ متکبر ہیں اور زیادہ وجہ اس انتظار کی یہ ہوتی ہے کہ اپنے کو عالم سمجھتے ہیں مگر صاحبو! یہ کہاں لکھا ہے کہ جاہل عالم کو سلام کرنے ہاں یہ لکھا ہے کہ سوار پاد کو سلام کرے۔ آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے مگر یہ کہیں نہیں کہ جاہل عالم کو سلام کرے بلکہ دونوں کے ذمہ برابر ضروری ہے تو یہ انتظار تکبر نہیں تو

کیا ہے۔ دوسرے ہم عالم ہی کیا ہیں، اس سے اپنے کو عالم سمجھتے ہیں کہ ڈاڑھی درست ہو یا پا جامہ ٹخنوں سے اوپنچا ہو دو چار موٹی موٹی باتیں یاد ہوں سو ہم نے لباس کو تو درست کر لیا مگر اندر سینکڑوں خرابیاں بھری ہوئی ہیں۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں ہے۔

از بروں چوں گور کافر پیرِ حلال و اندروں قہرِ خدائے عزوجل

از بروں طعنے زنی بر بایزید و ز درونت تنگ میدارد یزید

دباہر سے کافر کی قبر کی طرح مزین ہے اور اندر سے خدا کے عذاب کا مستحق ہے

باہر سے بایزید کو طعنے مارتا ہے حالانکہ تیرا باطن یزید کو شرمندہ کر دینے والا ہے

اور علماء کی کیا شکایت کروں اس وقت تو فقرا بھی الا ماشاء اللہ تکبر و غیر بہت

سی خرابیوں میں مبتلا ہیں اور فقرا کا تکبر بہت ہی عجیب ہے کیونکہ فقیری کا

تو حاصل ہی یہ ہے کہ اپنے کو مٹایا جائے تو یہ فقیر ہو کر بھی نہ مٹے غرض سب

قابل الزام ہیں کہ معاشرت و اخلاق وغیرہ کو سب نے دین سے نکال دیا

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جس کو دین سمجھتے ہیں اس کی بھی تحقیق نہیں جیسے

نماز مثلاً اور ان میں بھی سب سے زیادہ خاص ان لوگوں کی شکایت ہے جو

نمازی بھی ہیں کہ باوجود اس کے پڑھنے کے کوئی مسئلہ کبھی کسی عالم سے دریافت

نہیں کرتے۔ خدا جانے ان کو کبھی کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا یا خود سارے مسائل

معلوم ہیں یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ سارے مسائل ان کو معلوم ہیں کیونکہ نماز کے

متعلق اتنے مسائل ہیں کہ اب تک بھی مجھے کتاب دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے

تو جو لوگ نہ لکھے نہ پڑھے ہیں ان کو کیونکر معلوم ہو گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ جی کو سمجھا لیا ہے کہ یوں بھی ہو جاتی ہے اور وجہ

اس کی یہ ہے کہ دین کی طلب نہیں یہی ہے وہ مرض جس کو میں بیان کر رہا

ہوں اور اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس تقریر کو پھر پیش نظر

کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر طلب دین کو فرض کر رہے ہیں

اس حد تک کہ کبھی طالب کا پیٹ نہ بھرے تو ہر مسلمان پر فرض ہوا کہ کتنی ہی عمر ہو جائے برابر دین کی طلب میں رہے اس سے کوئی ڈرے نہیں کہ انہوں نے تو مولویت ہی کو فرض کر دیا۔

صاحبو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طالب الکتاب نہیں فرمایا بلکہ طالب العلم فرمایا ہے تو احکام سے واقفیت پیدا کرو خواہ پوچھ کر یا پڑھ کر عربی زبان میں یا اردو زبان میں۔ زبان کوئی خاص مقصود نہیں ہے۔ اس پر مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ یاد آیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شیخ رومی اسعد آفندی تشریف لائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے اور اردو میں تقریر فرما رہے تھے اور وہ شیخ متلذذ تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم نے عرض کیا کہ اگر یہ اردو سمجھتے ہوتے تو ان کو زیادہ لطف آتا۔ حضرت نے فرمایا میاں کچھ زبان کی قید نہیں اور یہ شعر پڑھا ہے

پارسی گو گر چہ تازی خوشتریت
عشق را خود صد زبان دیگرست
بوائے آل دبر کہ پڑاں میشود
این زبانہا جملہ حیراں میشود
(فارسی کہہ اگرچہ عربی میں بولنا بہتر ہے عشق خود ہی دوسری سینکڑوں زبانوں
کا عارف ہے اس دل ربا کی خوشبوجب پھیل جاتی ہے تو یہ تمام
زبانیں خود حیرت میں رہ جاتی ہیں)

سو حقیقت میں خدا تعالیٰ زبان کو نہیں دیکھتے بلکہ صحت اور غلطی کو بھی زیادہ تر نہیں دیکھا جاتا۔
کہتے ہیں :

براشہد تو خند نہ ندا سہد بلالؓ
رتیرے اشہدان لا الہ الا اللہ صحیح اور فصیح پڑھنے پر بھی حضرت
بلال رضی اللہ عنہ کا اسہد غیر فصیح ہونے کے ہنسی کرتا ہے)

یہ روایت تو میری نظر سے نہیں گزری کہ حضرت بلالؓ اسہد کہتے تھے لیکن اگر کہتے ہوں تو وجہ اس مصرعہ کی یہ ہے کہ آجکل کا اشہد تو محض زبان تک ہے لایجاوز حناجر ہم قلب پر ذرا اثر بھی نہیں ہوتا اور اللہ کے بندے جو نہ تجوید جانتے ہیں اور نہ کچھ ان کا قرآن شریف قلب اور عرش سے متجاوز ہے بلکہ عدم مہارت میں بھی دوہرا ثواب ملتا ہے کہ وہ لفظ کو ادا نہیں کر سکتا اور کوشش کرتا ہے آپ نے حکایت سنی ہوگی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک چرواہا تھا ایک مرتبہ وہ بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ اے اللہ میاں تو کہاں ہے۔ میں تجھے روٹی روٹیاں کھلاؤں اور تیرے ہاتھ پاؤں دباؤں اور آرام سے سلاؤں وغیر ذالک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو کہتے سنا تو پوچھا کہ کس کو کہہ رہا ہے۔ اسی کو مولانا رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

گفت موسیٰ یا کیستت لے فلاں	ایں نمط بیہودہ میگفت آن شبان
ایں زمان و چرخ ازو آمد پدید	گفت با آن کس کہ مارا آفرید
خود مسلمان ناشدہ کافر شدی	گفت موسیٰ ہائے خیرہ سر شدی
پنبہ اندر وہان خود فشار	ایں چه کفرست ایں چه تراژست فشار
سے کہتا تھا حضرت موسیٰ نے فرمایا کس سے	رچروا ہا اس بیہودہ طریقے سے
ساتھ جس نے ہم کو پیدا کیا	بات کر رہا ہے اس نے جواب دیا اس ذات کے
اور یہ زمین و آسمان اس سے وجود میں آئے۔	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا
کہ کیا تو پاگل ہو گیا ہے تو تو مسلمان نہیں رہا بلکہ کافر ہو گیا یہ کیا کفر کی بات ہے	

عہ قال الشيخ ابوالطاهر في مجمع البحار ان هذه الرواية ليست بثابتة وبلال رضي الله تعالى عنه كان فصيحاً وكان مواظباً على الاذان فلو صدرت منه هذه الكلمة لنقل انتمى حاصل كلامه قلت ان الرواية المذكورة على الظن الغالب موضوعة - والله اعلم (مجمع البحار میں شیخ ابوطاہر نے فرمایا کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے اور حضرت بلالؓ فصیح تھے اور پابندی سے اذان دیتے تھے اگر ان سے یہ کلمہ صادر ہوتا تو ضرور منقول ہوتا۔ ان کے کلام کا خلاصہ ہے۔ یہ مذکورہ روایت غالب گمان ہے کہ موضوع ہے

اور کیا خلاف ورزی ہے تو خود اپنے منہ کے اندر روٹی رکھ لے اور خاموش ہو جا۔
 بس حضرت یسکر سناٹا نکل گیا اور بہت ڈرا کہ سب کیا کرایا غارت ہوا اور سے
 گفت اے موسیٰ! دہانم دو حستی وزیشمانی تو جانم سو حستی
 (خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل ہوئی کہ ہمارے بندہ
 کو تو نے ہم سے جدا کر دیا تو تو ملانے کے لئے آیا ہے نہ کہ جدا کرنے کے واسطے)
 موسیٰ علیہ السلام کو ہ طور پر تشریف لے گئے وہاں سے ارشاد ہوا ہے
 وحی آمد سوائے موسیٰ از خدا بندہ مارا زما کر وی جدا
 تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی
 (خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل ہوئی کہ ہمارے
 بندہ کو تو نے ہم سے جدا کر دیا۔ تو تو ملانے کے لئے آیا ہے نہ کہ جدا کرنے کے
 واسطے) اور ارشاد ہوا کہ سنو
 ہر کے را میرتے بنہا دہ ایم ہر کے را اصطلاح دادہ ایم

اور

ما بروں را نگریم و قال را مادر وں را بنگریم و حال را
 رہر شخص کو ہم نے ایک عادت دے رکھی ہے اور ہر شخص کو اس کی خاص اصطلاح
 عطا کر رکھی ہے ہم کسی کے ظاہر کو نہیں دیکھتے اور نہ کسی کے قال کو بلکہ ہم تو اس کے
 اندر (اس کے دل) اور اس کے حال پر نظر رکھتے ہیں)

مہ اگر کسی کو خدشہ ہو کہ تعلیم نبوت سے کیوں حضرت موسیٰ کو روکا گیا اور اس شبان کی خلاف شرع گفتگو
 کیوں پسند ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ وہ مغلوب الحال تھا تعلیم نبوت اس پر اثر نہیں کر سکتی تھی اور خوش نصیب
 تھا لہذا اس تعلیم سے خوا مخواہ اس کو وحشت اور پریشانی ہوئی اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
 روکا گیا اور خوش نصیبی کی وجہ سے یہ الفاظ مقبول تھے۔ ہر شخص جو مغلوب الحال رہو اس کا
 اہل نہیں۔ لہذا بڑے اہتمام سے اتباع شریعت کرے۔

احمد حسن بن بھلی عفی عنہ

تو صاحبو! خدا تعالیٰ صحیح اور غلط کے بھی مقید نہیں تو طالب علم کے معنی نہیں کہ وہ عربی پڑھیں یہ تو ان کے لئے ہے جو فارغ ہوں ورنہ یہی معمول رہا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اور تابعینؓ کا بھی کہ ضرورت کے موافق پوچھتے اور اس پر عمل کرتے تھے تو عربی نہ پڑھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم کو طلب دین کی فضیلت نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے ان اللہیکم لتضع اجنحتھا رضاً لطلب العلم (بیشک نرشتے طالب علم کے مقصد سے خوش ہو کر اس کے لئے جھک جاتے ہیں) یعنی ان کے لئے جھک جاتے ہیں یہ معنی ہیں تضرع کے اور یہ کہیں نظر سے نہیں گذرا کہ طالب علم کے پیر کے نیچے پڑ بچھا دیتے ہیں اگر انہی لفظوں سے یہ سمجھا ہے تو محل کلام ہے اور اگر کوئی اور روایت ہے جو ہم تک نہیں پہنچی تو بس و چشم۔ تو ان روایتوں کو سن کر اکثر لوگ دل شکستہ ہوتے ہیں کہ ہم کو یہ فضیلت حاصل نہیں مگر میں مطلع کرتا ہوں کہ کوئی دل شکستہ نہ ہو ہر شخص یہ فضیلت حاصل کر سکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ معاملات عقائد وغیرہ کا اہتمام کرے اور غور کرتا رہے اور جو نہ معلوم ہو پوچھتا رہے۔ بس یہ طالب علم ہو گیا اور اس کے لئے وہی تعظیم ہوگی ہاں جو مقتدا بن جائے وہ اس فضیلت کے ساتھ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوگا ورنہ فضیلت طلب ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے تو یہ کیا کچھ کم دولت ہے پس میں عورتوں اور مردوں دونوں سے کہتا ہوں کہ طلب علم میں جو بے فکری ہے اس کو چھوڑ دو۔ اور آج کل اگر لوگوں کو کچھ منکر بھی ہے اور پوچھتے بھی ہیں تو صرف نماز کی بابت صاحبو! سب چیزوں کی بابت پوچھو کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔ نشان ہونی چاہئے مسلمان کی۔ اس میں بہت کمی ہے اس واسطے میں نے اس حدیث کو اس وقت بیان کیا اگرچہ احکام بہت سے بیان نہیں ہو سکے مگر مختصراً اصول کے طور پر جو مضامین بیان ہو گئے ہیں وہ بہت کافی ہیں نیز اس لئے بھی اس مضمون کو بیان کیا کہ میرا آنا اس وقت محض مدرسہ کی حالت دیکھنے کے لئے ہوا اور اسی لئے مجھے بلایا گیا تھا چنانچہ میں نے دیکھا اور دیکھ کر بہت ہی جی خوش ہوا

میں چند لوگوں کو مبارکباد دیتا ہوں اول واقفین جانداد کو دوسرے منتظمین کو کیونکہ وہ معین ہیں ان کو بھی وہی ثواب ملتا ہے۔ تیسرے تمام اہل بستی کو مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ حدیث میں اہل علم کے لئے ہے حفۃہم اللہ لپیۃ و نزلت علیہم السکینۃ کہ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور ان پر کیفیت جمعیت کی نازل ہوتی ہے و ذکرہم اللہ فیمن عندہ کہ اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنے مقربین میں فرماتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے تو سب پر نازل ہوتی ہے جیسے بارش کہ جب ہوتی ہے تو سب جگہ ہوتی ہے اور اگر کوئی اسی مثال پر یہ خدشہ کرے کہ بھادوں میں بارش سب جگہ نہیں ہوتی بلکہ کچھ دور تک ہوتی ہے اور کچھ دور تک خشک رہتا ہے تو میں کہوں گا کہ ادل بدل کر سب جگہ ہو جاتی ہے تو خدا کی رحمت تو اس سے بھی عام ہے پس اسی طرح اول اہل علم پر رحمت ہوگی ان کی بدولت خدا کی رحمت ساری بستی پر ہوگی تو سب کو خوش ہونا چاہیے اور قدر کرنا چاہیے۔ مگر لوگ ڈریں نہیں کہ بس اب چندہ مانگا جائے گا۔ ہم چندہ نہیں مانگتے ہاں ایک دوسرا چندہ مانگتے ہیں وہ یہ کہ اپنے بچوں کو مدرسے میں پڑھنے کے واسطے بھیجو کہ ان کو دین کی خیر ہو اور ان کی بدولت آئندہ کو یہ سلسلہ جاری رہے یہ بچوں کا حق ہے۔ اور یاد رکھو کہ جس گھر میں رحمت ہو اور گھر والے محروم رہیں تو یہ بہت بڑی محرومی کی دلیل ہے دوسرے یہ کرو کہ جو بچے پڑھ کر آتے ہیں ان کو تاکید کرو کہ عورتوں کو سبق سنائیں اگر یہ انتظام ہو جائے تو ہر روز دو چار مسئلے ان کے کان میں بھی پڑ جائیں اور جب ہر روز یہ احکام سنیں گے تو کبھی نہ کبھی اثر بھی ضرور ہوگا۔ صاحبو! خدا کا نام بے اثر نہیں ضرور اثر ہوگا اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا مگر اس سے استدلال مقصود نہیں کیونکہ یہ امر شاہد ہے مگر وہ نمونہ کے طور پر ایک نظیر ہے وہ یہ ہے کہ کھٹائی کا نام لینے سے منہ میں پانی بھر آتا ہے تو کیا خدا کا نام کھٹائی کے برابر بھی نہیں ہے مولانا فرماتے ہیں ۷

مست ولا یعقل نہ از جام ہُو

اے زہوقانح شدہ بر نام ہُو

وہ سالک جو ہو کے جام کو ہی کافی سمجھتا ہے وہ عقل میں ناچکنہ ہے

کیونکہ منزل اب بھی آگے ہے ہو کے نام پر قناعت نہ کر بلکہ جس ذات کا

یہ نام ہے اس تک رسائی حاصل کرنے کا اسے ذریعہ بنا

کہ نہ مستی ہے نہ ذوق و شوق ہے یہ تو شکایت ہے آگے فرماتے ہیں

از صفت و ز نام چہ زاید خیال

واں خیالت ہست و لال وصال

د نام اور صرف تعریف جان لینے سے کچھ حاصل نہیں ہاں اسے دل

کا پیمبر کہا جاسکتا ہے

کہ یہ بھی غنیمت ہے کہ اس سے بھی اثر ہوتا ہے اِذَا تَلَّيْتُ عَلَيْهِمْ اَيْتَهُ زَادَتْهُمُ

اَيْمَانًا یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ جب خدا کا نام لیا جائے تو ایمان بڑھ جاتا

ہے اور عورتیں بھی اس پر توجہ کریں کہ روزانہ اپنے بچوں سے سبق پڑھوا کر سنا کریں

اور جو بات نہ معلوم ہو اپنے مردوں سے کہہ کر علماء سے پوچھا کریں۔ کیونکہ مسائل

سیکھنا تو ضروری اور ان کو اس کے مواقع بکثرت حاصل نہیں خلاصہ یہ ہے کہ اول تو خیال

بہر وقت رکھو کہ کونسا کام شریعت کے خلاف ہے اور کونسا شریعت کے موافق ہے

اور اپنے مردوں سے کہو کہ علماء سے پوچھو پوچھو کہ تم کو بتلائیں دوسرے اپنے بچوں سے

سبق سنا کر وہ بہت ہی سہل ترکیب ہے۔ یہ صورت تو عورتوں کے لئے ہے اور

مردوں کو تو بہت ہی آسان ہے۔ نیز مردوں کو یہ بھی چاہیے کہ دیکھتے رہیں کہ کوئی

بات خلاف شریعت تو عورتوں سے نہیں ہوتی اور اگر کوئی بات دیکھیں فوراً باز پرس

کریں پس نعمتِ مدرسہ کی قدر اور شکر گزاری یہی ہے کہ دین کی تلاش میں لگ جاؤ۔

دوسرے قدر دانی یہ کرو کہ آج کل جو ہم لوگ کسی کام کو ایک ہی کے ذمہ ڈال دیتے ہیں

اس عادت کو بھی چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ بہت ہی بُرا ہے۔ صاجو! جو شخص جتنا کام کر رہا ہے

غیبت سمجھو کیونکہ وہ فرض کفایہ ہے وہ تم سب کی طرف سے کر رہا ہے سو جن باتوں میں تمہاری ضرورت ہے ان میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔ مثلاً جو صاحب وسعت ہیں وہ اس طرح شرکت کریں کہ کچھ طالب علم یہاں باہر کے بھی رہیں اور وہ ان کی امداد کریں اگرچہ یہ ضروری ہے کہ سب بالکل باہر ہی کے نہ ہوں کیونکہ بستی کو زیادہ نفع ہونا چاہیے تو زیادہ تو بستی کے ہوں اور چار پانچ باہر کے بھی ہوں۔ اس میں ایک تو برکت ہوتی ہے دوسرے وہ صرف طلب علم کے لئے آئے ہیں ان کی امداد میں بڑی فضیلت ہے۔ تیسرے ان سے مدرسے کی رونق ہوتی ہے۔ چوتھے ان سے مدرسے کی دلچسپی ہوتی ہے تو خواہ تو یوں سمجھو کہ مدرسے میں ان کی امداد کی گنجائش نہیں یا اگر گنجائش بھی ہو تو ثواب کے لئے ایک ایک آدمی کا کھانا اپنے ذمہ کر لیں یا دو آدمی ایک کا کھانا کر لیں یا دیوبند کے بعض غریبوں کی طرح سات آدمی ہفتہ بھر میں نوبت بنو بت کھانا دیں۔ غرض اہل بستی مشورہ کریں کہ کوئی طریق مقرر کر لیں اور ایک ایسے صاحب جن کو لوگ سچا سمجھیں کھڑے ہو کر فہرست لکھیں کون شخص کس طرح دے گا اور پھر دیکھ لیں کہ کتنے کھانے ہوئے ان ہی کے موافق اجازت دیدی جائے کہ اتنے طلبہ بلا لئے جائیں اور اگر چندہ میں گنجائش ہو تو ہمت سے لے کر بھی کچھ دیں لیکن اگر اور سب بھی شریک ہو جائیں تو اچھا ہے۔ یہ مدرسے کے حالات تھے جن کو دیکھ کر میں نے بیان کیا اور اس لئے اس مضمون کو اختیار کیا۔ بہر حال اس مضمون سے آپ نے سمجھا ہو گا کہ ہم لوگوں کو واقعی مسئلوں کی تلاش نہیں ہے تو میں اس کے کئی ذریعے بتلاتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ کتابیں پڑھو پھر اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عربی پڑھو تو بہت ہی اچھی صورت ہے بالخصوص نوجوان لڑکے تو ایک چھوٹا سا سبق جا کر ضرور ہی شروع کر لیں۔

صاحبو! کیا چوبیس گھنٹے میں سے ایک گھنٹہ بھی اس کے لئے نہیں ہو سکتا یہ بھی نہ ہو تو ہفتہ میں دو دن ہی سہی اور اگر عربی کی کتابیں نہ پڑھ سکیں تو یہ کریں اگر کچھ پڑھیں تو مسئلوں کی کتابیں خرید کر پڑھا کریں اور جہاں شبہ ہو اہل علم سے

پوچھ لیا کریں اور اگر بے پڑھیں تو اس کے لئے یہ ترکیب کریں کہ ہر محلہ کی مسجد میں ہفتہ کا کوئی ایک دن مقرر کر دیں اور کسی سمجھ دار آدمی کو مقرر کر کے ایک مسئلوں کی کتاب اس کو دیں اور کہیں کہ نصف گھنٹے تک اس کو پڑھ کر سنا جائے اور سمجھاتا جائے اگر ہر محلہ میں ہفتہ میں ایک دن بھی ایسا ہو جائے تو اندازہ کرو کہ سال بھر میں کتنے مسئلے معلوم ہو جائیں اور پھر عمر بھر میں کتنا ذخیرہ مسائل کا اپنے پاس ہو جائے۔ اب رہ گئیں عورتیں وہ یا تو کتاب دیکھ کر پڑھیں اور اگر بے پڑھی ہیں تو مردوں سے کہیں کہ ہم کو مسائل سناؤ اور اپنے بچوں کا سبق روز سنا کریں اور اگر کسی کے بچے نہ ہو وہ دوسرے کے بچے کو بلا کر اس سے سُننے یہ کوئی مشکل امر نہیں۔ دیکھو اگر ایک خط لکھوانا ہوتا ہے تو کیسا لڑکوں کو تلاش کیا جاتا ہے اگر بچے روزانہ نہ آسکیں تو دوسرے تیسرے دن بلا لیا کر وہ یہ طریقے ہیں علم دین سیکھنے کے ان میں جس کو جو آسان ہو وہ کرے اگر ایسا کیا تو ان شاء اللہ چند روز میں ہر مسلمان آدھا مولوی ہو جائے گا۔ اگر ایک ہی مسئلہ روزمرہ معلوم ہوا تو سال بھر میں تین سو ساٹھ مسئلے تو کان میں پڑیں گے پھر ان شاء اللہ ہر وقت پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ کافی ذخیرہ ہوگا اس لئے میں نے یہ حدیث پڑھی تھی۔ اب پھر حدیث کو مکرر پڑھتا ہوں کہ مَثُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ طَالِبُ الْعِلْمِ وَطَالِبُ الدُّنْيَا اور پھر اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں کہ مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ طالب دین کا پیڑ کبھی نہ بھرتا چاہتے جیسے طالب دنیا کا پیڑ کبھی نہیں بھرتا اب میں حشتم کرتا ہوں اور مجھے یہ امید ہے کہ چونکہ یہ کام کی بات تھی اور اسہل طور سے بیان ہوئی ہے اس لئے ان شاء اللہ اثر ہوگا اور خدا کرے کہ جب دوسری مرتبہ آؤں تو سب پر اثر دیکھوں۔ اب دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اور محمد عبدالمستان ناکہ کو توفیق دیں آمین ۵

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاصْحَابِهِ

اَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۵

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

(سردارہ البخاری)

دعواتِ عبدیت جلد چہارم

کا

پچھٹا و عظم ملقب بہ

تَارِيخُ الْمَصِيْبَةِ

منجملہ ارشادات

حکیمُ الأُمّةِ مجددُ المِلّۃِ حضرتِ میرِ لانا محمد اشرف علی صناحق انوی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى
عَلَيْهِ
مُحَمَّدُ عَبْدُ الْمَنَّانِ غُفْرًا

مکتبہ تھانوی — دفتر الابقاء

مسافر خانہ بندر روڈ کراچی

ایم۔ اے جناح روڈ

دعواتِ عبدیت جلد چہارم کا

چھٹا و عظم ملقب بہ

تاریخ المصیبة

اَیْنَ	مَتٰی	کَم	کِیْفَ	مَاذَا	مَنْ	اَلْمُسْتَمْعُوْنَ	اَشْتَاتُ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
تھانہ بھون	۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ	ایک	کھڑے ہو کر	مصیبت سے	مولوی سعید احمد صاحب تھانوی	تقریباً ۵۰ آدمی	عورتیں بھی تھیں
مرکان مٹی	بھری	گھنٹہ	سبقت لینا	مرحوم			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ
 بِاَللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَبِیْاَتِ اَعْمَالِنَا مِنْ تَهْدِیَةِ اللّٰهِ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضِلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ
 وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَوَلَدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدَهٗ وَرَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی
 عَلَیْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا نَحْنُ لِحٰثِیْہِ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَابِلًا ط
 فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْہُ ضُرَّہٗ مَرَّكَ اَنْ لَم یَدْعُنَا اِلٰی ضُرِّہٖ مَسَّہٗ ط كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلنَّاسِ فِیْ سَبِیْ
 مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیکن یہ بھی بیٹھ
 بھی کھڑے بھی پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف اُس سے ہٹا لیتے ہیں تو پھر اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے
 کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا ان حد سے نکلنے
 والوں کے اعمال (بد) ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں) اس آیت میں ایک ایسا مضمون

جو اکثر لوگوں کی حالت کو عام ہے مذکور ہے نیز اس وقت خاص سے بھی اس کو
مناسبت ہے اسی واسطے اس وقت یہ آیت تجویز کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا
میں ایسا تو کوئی انسان نہیں جس کو کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور کوئی بات اس کی مرضی کے
خلاف نہ ہو انسان تحت القدرہ ہے مستقل نہیں ہے اگرچہ ہر امر میں انسان کی ایک
مستقل تجویز بھی ضرور ہوتی ہے جسے اس کا ذہن اختراع کر لیتا ہے۔ مگر دیکھا یہ
جاتا ہے کہ ہر امر اس کی خواہش کے موافق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اٰخِرُ
لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنَّىٰ یعنی انسان کو اس کی ہر تمنا نہیں ملتی۔ تمنائیں انسان کی بہت
کچھ ہوتی ہیں مگر ملتی کم ہیں بلکہ جو خدا تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے وہی انسان
کے لئے بہتر ہوتا ہے اگرچہ اول نظر میں اس کی بہتری انسان کو محسوس نہ ہو لیکن
اس کے نتیجے پر اگر غور کیا جائے تو اس کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اول نظر
میں چونکہ حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں ورنہ
اگر مصلحت اور حکمت پر نظر ہو تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں بلکہ ہر مصیبت
نعمت ہے مگر مراد مصیبت غیر اختیار یہ ہے اور اسی میں گفتگو ہو رہی ہے۔
برخلاف اُن کے جن کو اپنے ہاتھوں اختیار کرتے ہیں یعنی گناہ کہ اس کو انسان
اپنے اختیار سے کرتا ہے سو اس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اس کو
گناہ اور مصیبت قرار دیا گیا یعنی اس سے روکا گیا اور یہی فرق ہے درمیان
فعلِ عبد اور فعلِ حق کے کہ کوئی فعلِ شر کا خدا تعالیٰ سے صادر نہیں ہوتا فعلِ شر
وہی ہے جو بندہ اپنے اختیار سے خلاف رضائے حق کرتا ہے تو امور اختیار
عبد تو خیر اور شر دونوں ہیں اور غیر اختیاری جو محض من جانب اللہ ہے وہ خیر محض
ہے۔ اسی لئے عارفین نے اپنے متعلقین کو یہ تعلیم کی ہے اور اسی سے انھیں
ایک استواری پیدا ہو گئی ہے کہ جس سے وہ پریشان نہیں ہوتے کہ
در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر است در صراطِ مستقیم لے دل کسی گمراہ نیست
(یعنی درویشی کے راستہ میں چلنے والے کے سامنے خدا کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ

بہتر ہی ہوتا ہے۔ اسے دل صراطِ مستقیم میں کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔
تو جو پیش آئے سب کو خیر سمجھے خواہ وہ بیماری ہو یا دشمن کا اپنے اوپر غالب آنا
ہو یا فقر و قافتم ہو یا اور کوئی مصیبت ہو غرض سب میں بہتری ہے مگر یہ بہتری
ایسی ہے جیسے دو اکی بہتری شفیق ماں باپ تو جانتے ہیں کہ حلق سے اترتے ہی تریاق
کا کام کرے گی۔ لیکن بچہ نہیں سمجھتا بلکہ ماں باپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہے کہ انھوں نے ایسی
دوا پلا دی یا جیسے ذیل میں نشتر دینا کہ ماں باپ خوش ہیں مگر بچہ ان کو دشمن سمجھتا ہے
نشتر زن ماں باپ سے انعام طلب کرتا ہے اور بچہ تعجب کرتا ہے لیکن ہر عاقل
جانتا ہے کہ واقع میں یہ کام انعام کا ہے تو بچے کے علم کو جو تفاوت ماں باپ کے
علم سے ہے اس سے بہت زیادہ تفاوت بندہ اور خدا کے علم میں ہے تو خدا تعالیٰ
خوب جانتے ہیں کہ جس حادثہ کو بندہ مصیبت سمجھ رہا ہے اس میں کیا کیا حکمتیں
مخفی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں عَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُهُوَ اَسْبَغًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (اکثر ایسا ہوتا
ہے کہ تم لوگ ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور درحقیقت وہ تمہارے لئے بہتر ہوتی
ہے) اس پر جس کی نظر ہوگی وہ ہرگز اس کو مصیبت نہ سمجھے گا جس طرح جراح نے
نشتر لگا کر مصیبت میں نہیں پھنسا یا اسی طرح خدا تعالیٰ جو بندے کے ساتھ
کرتے ہیں سب بہتر ہی ہوتا ہے مگر بندہ اس کی حکمت کو سمجھتا نہیں حالانکہ
اگر ذرا غور کر لے تو بعض حکمتیں معلوم ہو بھی سکتی ہیں مثلاً یہ کہ مصیبت میں یہ خاصیت
ہے کہ اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ انسان خدا کو یاد کرنے لگتا ہے تو بہ نصیب ہو جاتی
ہے تنبہ ہوتا ہے کہ فلاں امر کی وجہ سے یہ ہوا تو یہ کھلے فائدے نظر آتے ہیں مگر بعض
لوگ اس کو یاد نہیں رکھتے پس اس معنی کو مصیبت نہ کہی جائے گی مگر ظاہر نظر میں
وہ مصیبت ہے کیونکہ حقیقت لغویہ مصیبت کی یہ ہے کہ کوئی بات خلاف طبیعت
پیش آئے اور چونکہ زندگی میں زیادہ واقعات ایسے ہی ہوتے ہیں اس لئے کوئی بھی
مصیبت سے خالی نہیں ہے کوئی مال کی طرف سے پریشان ہے کوئی صحت کی
طرف سے پریشان ہے کوئی اولاد کی طرف سے پریشان ہے۔ غرض ہر شخص کو

کوئی نہ کوئی مصیبت لاحق ہے اگرچہ ہر ایک پر اثر الگ الگ ہوتا ہے اور ایک سرسری اثر ایسا بھی ہے کہ کوئی مسلمان اس سے خالی نہیں اگرچہ برائے چندے ہی اور وہ اثر متنبہ ہے اپنی بد عملی اور اپنے ضعف و عجز پر بڑا ظالم ہے وہ شخص کہ اس پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اس پر متنبہ نہ ہو بلکہ کہتا چاہیے کہ وہ انسان ہی نہیں ہے تو جو انسان ہوگا وہ ضرور اسی طرح متاثر ہوگا اور یہ تاثر بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ قبولِ حق اور رجوع عن الباطل سے بڑا سدا راہ یہ ہے کہ انسان اپنے کو سب بڑا سمجھے اسی وجہ سے یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اگرچہ جانتے تھے کہ آپ پیغمبرِ برحق ہیں خدا کے نبی ہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لائے سے پیشتر ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے تھے حتیٰ کہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ عتقریب ہم تمہاری خبر لیں گے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں گے فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِمْ (پھر جب وہ چیز آپہونچی جس کو محبوب جانتے) پہچانتے ہیں تو اس کا صاف انکار کر بیٹھے سو (بس) خدا کی مار ہو ایسے منکرین پر) لیکن جب آپ تشریف لائے تو آپ کی اطباع میں اپنے جاہ کا نقصان ہوتے دیکھ کر آپ کے ساتھ کفر کیا۔ سمجھے کہ آج تو ہم احبار کہلاتے ہیں مقتدا شمار ہوتے ہیں اگر ایمان لے آئیں گے تو چھوٹے ہوں گے اسی طرح رؤسا مکہ شریف یہ کہتے تھے لَوْلَا اُنزِلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَوْمِیْنِ عَظِیْمِیْنِ کہ اگر یہ کلام خدا کا کلام ہے تو کسی بڑے شخص پر کیوں نازل نہیں ہوا ایک یتیم پر کیوں نازل ہوا پھر یہ کہ آپ کے پاس تمول بھی نہیں تھا ابو طالب کی پرورش میں آپ رہتے تھے اور ان کی یہ حالت تھی کہ اکثر اوقات پیٹ بھرائی نہ ملتا تھا انھوں نے چونکہ کسی مرتبہ یہ تجربہ کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سب گھر کے لوگ کھاتے تو سب شکم سیر ہو جاتے اور اگر آپ علیحدہ تناول فرماتے تو سب بھوکے رہتے اس لئے انھوں نے یہ معمول کر رکھا تھا کہ روزانہ آپ کے ہمراہ کھانا کھاتے اور اگر کبھی آپ تشریف فرمانہ ہوتے تو ابو طالب آپ کو ڈھونڈتے تھے کہ آپ کی برکت سے پیٹ تو بھر جائے گا تو آپ کے گھر میں کسی قسم کا تمول بھی نہ تھا البتہ آپ حسبِ نسب میں

سب سے اعلیٰ درجہ کے تھے اور اس میں نبوت میں کوئی دخل نہیں مگر بات یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ صاحبِ حسبِ شریف کے اتباع میں کسی کو عار نہیں آتی کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم سے کس بات میں کم ہے تو حضور صلی علیہ وسلم میں یہ بات تو تھی مگر اور کوئی دنیوی فراغت نہ تھی اس لئے رؤسا کہتے تھے کہ کسی رئیس پر کیوں نازل نہ ہوا تو یہی مانع تھا۔ اور اس کی بڑی مذمت آئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رائی برابر بڑائی بھی جس کے قلب میں ہوگی وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اور اس مرض سے بہت کم لوگ خالی ہیں کم و بیش سب میں ہوتا ہے اسی مرض نے شیطان کو جس نے آٹھ لاکھ برس تک عبادت کی تھی ایک پل میں مردود بنا دیا۔ اور اسی راز کی وجہ سے حکمائے امت نے کہا ہے کہ ترے وظیفے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ کسی کے پاس نہ رہے کہ وہ اس کے تکبیر کا علاج کرے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ محض کتابیں دیکھ کر کچھ کرتے ہیں ان کے اخلاق درست نہیں ہوتے۔ غرض شیطان نے تکبیر ہی کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے سبب ملعون ہو گیا محققین نے کہا ہے کہ آسمان پر سب سے پہلا گناہ یہ ہوا اور کوئی گناہ نہیں ہوا تو یہ تکبیر ایسی بری چیز ہے جس قدر بھی کم ہو زیادہ۔ سو مصیبت سے ایسے بڑے مرض کا بھی علاج ہو جاتا ہے کہ اس سے تکبیر بھی ٹوٹ جاتا ہے غرض یہ ہے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جس پر مصیبت سے اثر نہ ہو مگر فرق یہ ہے کہ بعض لوگ تو یاد رکھتے ہیں اور اکثر بھول جاتے ہیں اور اگرچہ بھول جانے کے یہ معنی نہیں کہ ان کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو قدرت نہیں رہی مگر یرتاً ویسا ہی ہوتا ہے جس سے دوسرا ناواقف یہ اخذ کر سکتا ہے۔ پس اس آیت میں اسی مرض کو ذکر کیا گیا ہے اور اس مرض کے کئی درجے ہیں بعض کو تو مصیبت آتے وقت بھی پوری طرح تنبہ نہیں ہوتا مجھے تعجب ہوا کرتا ہے اس شخص سے جو کہ مصیبت آنے پر یہ کہتا ہے کہ معلوم نہیں ہم سے کیا گناہ ہوا ہے جس کی پاداش بھگت رہے ہیں۔

ہ ای علی سبیل الکمال وفیہ تشدید العذاب ۱۲ احمد حسن عقی عتہ

صاحبو! کونسا وقت ہے کہ ہم اس میں گناہ نہیں کرتے ہم تو ہر وقت ہی گناہ میں مبتلا ہیں پھر اس سوال کے کیا معنی اور بعض کو دوسری طرز کی غفلتیں ہوتی ہیں چنانچہ ہم میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ کہ ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہم نے کچھ کیا ہے جس سے مصیبت آئی دوسرے وہ کہ ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ کیا ہے مگر پھر بھی اس کا تدارک نہیں کرتے استغفار نہیں کرتے بلکہ بعض تو اور زیادہ گناہ کرنے لگتے ہیں میں نے جہاز میں دیکھا ہے کہ عین شدت طوفان کے وقت نہایت پریشانی میں بعض لوگ یا علیٰ یا علیٰ کہتے تھے اور بہت سے لوگ حضرت غوث الاعظمؒ کو پکارتے تھے میں نے اپنے جی میں کہا کہ اے اللہ یہ مشرکین عرب سے بھی بڑھ گئے۔ بلکہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں اتنی حفاظت نہیں کرتے جتنی بزرگ کرتے ہیں۔

مکہ شریف میں ایک شاہ صاحب ہمارے حافظ احمد حسن صاحب برادر زادہ حاجی صاحب کے پاس آئے اور کچھ نقد امانت سپرد کی۔ انھوں نے کہا کہ بھائی اللہ کے سپرد کر دو کہنے لگے کہ یوں نہ کہو اور اس پر ایک بیہودہ حکایت نقل کر دی کہ کوئی شخص اپنی دوکان حضرت غوث پاکؒ کے سپرد کر کے چلا جاتا۔ ایک بار اس کے بھائی کو دوکان سے اٹھنے کا اتفاق ہوا تو اس نے خدا کے سپرد کر دی اسی دن چوری ہوئی اس کے بھائی نے کہا کہ بھائی بڑے پیر کے سپرد کرنا چاہیے تھا اسی طرح کی ایک اور حکایت ہے کہ ایک قافلہ چلا جا رہا تھا راستے میں چور مل گئے قافلہ والوں نے اول اللہ میاں کو پکارا تو کچھ نہ ہوا پھر ایک بزرگ کو پکارا تو چور بھاگ گئے غضب یہ ہے کہ کتابوں میں اس قسم کی حکایات لکھی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کافر سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا کہ سات ہیں چھ زمیں میں اور ایک آسمان میں آپ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت کا خدا کون ہے اس نے کہا کہ آسمان والا۔ تو مشرکین عرب بھی مصیبت کے وقت ایک خدا ہی کو پکارتے تھے۔ مگر ہندوستان میں مصیبت کے وقت بھی دوسروں ہی کو پکارتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے

کہ گناہ کو یاد کر کے تدارک بھی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں لیکن وہ حالت ہوتی ہے کہ

اہلکاراں بوقت معزولی شبلی وقت و یا یزید شوند

باز چوں میرسند بر سر کار شمر ذی الجوشن و یزید شوند

(سرکاری ملازم نوکری سے علیحدہ کر دیئے جائیں تو وہ ایسے نیک بن جاتے ہیں کہ یوں

معلوم ہوتا کہ گویا یہ اپنے زمانہ کے حضرت شبلی اور یازید کے جیسے بہت بڑی ولی ہیں اور پھر

جب اپنی ملازمت پر آجاتے ہیں تو اس قدر برے اعمال کرتے ہیں جیسے کہ شمر جس نے حضرت

امام حسینؑ کو شہید کیا اور جیسا کہ یزید تمہا کہ جس کی اس وقت حکومت تھی)

یعنی جب تک مصیبت رہے اللہ بھی یاد رہے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی یاد رہے

اور جب مصیبت ٹلی تو ایسے آزاد کہ گویا خدا تعالیٰ کی حدود و حکومت ہی سے نکل گئے

اسی کو فرماتے ہیں اِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا كَمَا مَصِيبَتِ كَيْفَ تُوخُّوب

پکارتا ہے اور جب مصیبت دور کر دیتے ہیں تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا تعلق

ہی نہ رہا اور اس کی وجہ فرماتے ہیں كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی

وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ حدود سے باہر ہو گئے ہیں اور یہ خاصیت ہے کہ نیک عمل

میں بصیرت ٹھیک رہتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو ہمیشہ جاتی رہتی ہے اسی لئے

فرماتے ہیں کہ ان کو اپنے اعمال خوش معلوم ہوتے ہیں پس علت اس کی اسراف ہے کہ اس کی

وجہ سے بڑی باتیں مزین معلوم ہونے لگتی ہے اس کو سکر ہر شخص اپنی حالت کو دیکھ لے

کم و بیش سب کی یہ حالت ہے اور دوسری جگہ بھی ایسا ہی مضمون ارشاد ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا يَأْتِيَهُمْ فَلَمَّا نَجَّكُمُ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ

یعنی جب مصیبت آتی ہے اس وقت تو سب کو بھلا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمیں اس سے نجات

ہو جائے تو ہم خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں گے مگر جب اس سے نجات ہو جاتی ہے

تو اعراض کرنے لگتے ہیں آگے فرماتے ہیں وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا كَمَا أَنَّ الْإِنْسَانَ بَرًّا هِيَ نَاشِرًا

اس کے بعد فرماتے ہیں أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْشِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا شَرًّا

لَا تَجِدُوا الْكُهَُّ وَكَيْدًا ۝ یعنی تم کیا اس سے امن میں ہو گئے ہو کہ تم کو زمین ہی میں دھنسا دیں (یا تم پر کوئی ایسی تندہو ابھیجدیوے جو کنکر پتھر برسائے لگے پھر تم کس کو اپنا کار ساز نہ پاؤ) چنانچہ قارون کو دھنسا دیا گیا تھا۔ اور اس واقعہ پر گو سب کو ایمان تھا لیکن عین یقین نہ تھا مگر اب چند ہی سال ہوئے کہ کانگریہ کے قریب زلزلہ میں ایک بہت بڑے حصے کو دھنسا دیا گیا کہ لوگ اب بھی دیکھ لیں آگے فرماتے ہیں یا تم پر تندہو ایسے بھیجدیں کہ پھر تم اپنے لئے کوئی دلیل نہ پاؤ غرض ہر طرح تم ہمارے قبضے میں ہو کسی طرح بچ نہیں سکتے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خیر وہ دریائی اندیشہ تو کٹ گیا اس کو فرماتے ہیں اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً اٰخْرٰی (یا تم اس سے بیفکر ہو گئے کہ خدا تعالیٰ پھر تم کو دریا ہی میں دوبارہ لیجاویں) دیکھو رور مرہ یہ بات پیش آتی ہے کہ انسان ایک جگہ نہ جانے کی قسم کھاتا ہے مگر پھر مجبوراً جانا پڑتا ہے اور یہ اوپر بتلادیا ہے کہ اگر دریا میں بھی نہ جانا ہو تو دوسری جگہ بھی تو ہلاک کر دینا ممکن ہے کیونکہ اس کی قدرت خشکی اور دریا میں برابر ہے مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک ملاح سے ایک شخص نے پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں مرے اس نے کہا دریا میں ڈوب کر کہنے لگا اور دادا۔ کہا کہ دریا میں کہنے لگا کہ پھر بھی تم دریا میں رہتے ہو۔ ڈرتے نہیں ملاح نے کہا کہ تمہارے باپ کہاں مرے کہنے لگا کہ گھر میں۔ پوچھا اور دادا کہنے لگا کہ گھر میں۔ ملاح نے کہا کہ پھر بھی تم گھر میں رہتے ہو ڈرتے نہیں تو خدا تعالیٰ کی قدرت ہر جگہ موجود ہے بلکہ دریا میں تو بہت سی تدابیر بچنے کی ممکن بھی ہیں خشکی میں اگر کوئی آفت آئے تو اس سے بچنے کی تو کوئی تدبیر ہی نہیں مثلاً اگر دوریل گاڑیوں میں تصادم ہو جائے تو کوئی صورت بچنے کی ہو ہی نہیں سکتی برخلاف جہاز کے کہ اگر ٹوٹ جائے تو غرق ہوتے ہوئے بھی اس کو بہت دیر لگ جاتی ہے دوسرے جہاز اکثر کنارے کے قریب ہی ہوتے ہیں کہ وہاں سے مدد کا آجانا بھی ممکن ہوتا ہے تو جو شخص سمندر میں خدا سے ڈرے اور خشکی میں نہ ڈرے وہ کس قدر نادان ہے۔ دوسرے اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ سمندر ہی میں زیادہ خطرہ ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ دوبارہ سمندر ہی میں بھیجدیں اور ایک ایسی ہوا کو مسلط کر دیں کہ وہ کشتی کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے اسی کو خدا تعالیٰ

فرماتے ہیں اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً اٰخَرٰی اور یہ کچھ اسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر صاحبِ مصیبت کو کہا جاسکتا ہے کہ کیا پھر ایسا نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ پھر اسی قصہ میں تم کو پھنسا دیں۔ صابو اپنے کو کسی وقت خدا تعالیٰ کے قبضے سے نکلا ہوا نہ سمجھو۔ اور سب گناہوں کو چھوڑ دو۔ دیکھو گناہ میں مصیبت اس لئے آتی ہے کہ اس کے خدا تعالیٰ ناراض ہیں یہ بات سب گناہوں کو عام ہے اگرچہ وہ کسی قسم کا گناہ ہو تو جب خدا تعالیٰ ناراض ہوئے اور ہر قصہ ان کے قبضے میں ہے تو ممکن ہے کہ پھر کسی قصہ میں مبتلا کر دے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا تو غرود کو ایک پتھر سے پریشان کر دیا۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ غرود کی یہ حالت تھی کہ جب سر پر چوٹ لگتی تھی تو چین آتا تھا تو وہ پتھر اب بھی تو موجود ہیں اور خدا تعالیٰ کو اب بھی تو وہی قدرت ہے دیکھو کہاں غرود اور کہاں پتھر مگر خدا تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ ہمارا ایک معمولی سپاہی بھی کافی ہے۔ ایک چیونٹی اگرچہ بظاہر تہایت چھوٹی اور معمولی چیز ہے لیکن جب خدا تعالیٰ چاہتے ہیں تو اسی سے ہلاک کر دیتے ہیں اور جب ان کی حفاظت ہوتی ہے تو کسی سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا میں نے متعدد مرتبہ دیکھا ہے کہ سر میں تیل ڈال کر سر کے نیچے رومال رکھ کر سو گیا ہوں اٹھ کر دیکھا رومال پر چیونٹیاں چڑھی ہوئی ملیں لیکن سر میں ایک چیونٹی بھی نہیں پانی گئی۔ سو اس سے بچانے والا کون ہے بجز خدا کے اور اگر وہ نہ بچائے تو ادنیٰ ذرہ پریشان کرنے کو کافی ہے۔ ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس کی ناک پر بار بار ایک مکھی آکر بیٹھتی تھی اس نے تنگ آکر کہا کہ معلوم نہیں مکھی کو کیوں پیدا کیا ہوگا وزیر نے کہا کہ اس واسطے پیدا کیا ہے کہ متکبرین کا تکبر ٹوٹے۔ حاصل یہ ہے کہ ذرا سنبھل کر خدا تعالیٰ کی مخالفت کرو تم میں تو ایک مکھی کی مقاومت کی بھی تاب نہیں بس اگر بچنے کی کوئی صورت ہے تو یہی کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ میں نے افلاطون کی ایک حکایت دیکھی ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر آسمان قوس ہو اور حوادث تیر ہوں اور خدا تعالیٰ تیر انداز ہوں تو پتھر کہاں جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیر انداز سے قریب ہو جائے کہ تیر دور والے پر چلاتے ہیں۔ افلاطون نے کہا بیشک آپ جی ہیں کیونکہ یہ جواب سوائے نبی کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ مگر ان لوگوں کی ایک سفاہت یہ تھی کہ اپنے لئے نبی کی ضرورت

نہ سمجھتے تھے یہ تو خدا کو معلوم ہے کہ افلاطون کا کیا عقیدہ تھا لیکن اس حکایت کو اس لئے عرض کیا کہ خدا کے ان لشکروں سے اگر بچنا چاہے تو خدا کا قرب حاصل کرے شائد اس موقع پر کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ خدا کے نیک بندوں پر بھی تو مصائب آتے ہیں پھر قرب حاصل کرنے سے کیا فائدہ۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ وہ واقع میں مصیبت ہی نہیں کیونکہ مصیبت ایک تو حقیقی ہوتی ہے جس سے پریشانی ہو جائے اور پریشانی صرف اس گناہ سے ہوتی ہے اور وہ اس سے محفوظ ہیں اور ایک مصیبت صوری ہوتی ہے کہ ظاہر میں تو مصیبت ہو مگر اس سے وہ پریشانی نہیں سو یہ واقعات ان کے لئے مصیبت اس لئے نہیں کہ ان کی نظر ہر وقت مصلحت پر ہے اور وہ ہر حال میں راضی ہیں جو کچھ پیش آتا ہے وہ اس کو خیر سمجھتے ہیں اگرچہ اس میں کچھ تکلیف جسمانی سہنی پڑے مگر شرح مسرور ہے اور جسمانی تکلیف تو سب ہی کو ہوتی ہے مگر پریشانی اور شکوہ شکایت ان میں نہیں ہوتا حضرت بہلول نے ایک بزرگ سے مزاج پوچھا انھوں نے کہا کہ اس شخص کے مزاج کی کیفیت کیا پوچھتے ہو کہ دنیا میں جو کچھ ہو اس کی خواہش ہی کے موافق ہوتا ہو حضرت بہلول نے پوچھا یہ کس طرح ہو سکتا ہے انھوں نے کہا یہ تو جانتے ہو ہر بات خدا کے ارادے اور خواہش کے موافق ہوتی ہے اور میں نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں قننا اور اس کے تابع کر دیا ہے اسی طرح پر وہ میری خواہش کے موافق بھی ہے۔ اسی طرح ایک حکایت مشہور ہے کہ پنجاب میں ایک بزرگ تھے شاہ دولہا ایک مرتبہ ایک دریا گاؤں کی طرف چلا آ رہا تھا لوگوں نے کہا کہ دعا کیجئے ان بزرگ نے پھاوڑوں سے کھدوا کر اور بھی گاؤں کے قریب کر لیا اور پوچھنے پر فرمایا کہ جدھر مولانا دھرشاہ دولہا یہ حکایت تو بہت بڑی ہے میرا مقصود یہ ہے کہ وہ جدھر خدا کی مرضی دیکھتے ہیں ادھر ہی ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے صاحبزادے پر ایک مقدمہ ہو گیا تھا ایک حافظ لکھنؤ کے کہتے تھے کہ مجھ کو تعجب تھا کہ سب کے لئے تو یہ دعا کرتے ہیں اپنے بیٹے کے معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتے۔ بس خواب میں دیکھا کہ مولانا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے

یہ عرض کر رہے ہیں کہ یا اللہ میں احمد کے بارے میں تو کچھ کہوں گا نہیں جو آپ کی مرضی ہو اسی پر راضی ہوں جس کی یہ شان ہو کہ خدا کی مرضی ہو وہی اس کی مرضی ہو اس کو کوئی ناگواری کیوں پیش آئے گی پس اس سے اس شبہ کا جواب ہو گیا کہ اہل اللہ پر تو مٹنا نازل ہوتے ہیں۔ دیکھئے سنکھیا ایک کے لئے زہر ہے دوسرے کے حق میں شفا جس نے مدبر کر لیا ہو۔ ص در حق او شہد و در حق تو سم (اس کے حق میں شہد ہے اور تیرے حق میں زہر ہے) پس وہ لوگ اس مصیبت کا زہر یاد دیتے ہیں اور خدا کی رضا اور محبت کے سیب میں مدبر کر کے اس کی ساری تیزی کھود دیتے ہیں اب نہ کہیں کر ڈوی ہے نہ سنکھیا زہر ہے غرض حقیقی مصیبت گناہ ہی سے آتی ہے سو چونکہ ہم میں کوئی ایسا نہیں جس پر مصیبت نہ آتی ہو اور کوئی ایسا نہیں جس کی حالتِ معصیت کی نہ ہو اس لئے اس وقت اسی آیت کا مختصر بیان کر دیا گیا۔ اب میں ختم کرتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے فوراً توبہ کرو اور اسی توبہ پر قائم رہو۔

غم چوبیتی زود استغفار کن غم بامر خالق آمد کار کن

(جب تو کوئی مصیبت دیکھئے فوراً توبہ کر کیونکہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کے

حکم سے ہوتی ہے لہذا کام کرو)

یعنی خدا تعالیٰ کو راضی کرو یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر حکام کی جانب

سے کوئی بات خلاف مرضی پیش آئے تو حکام کو برا بھلا مت کہو بلکہ خدا کو راضی کر دو وہ

حکام کے قلوب کو بھی نرم کر دیں گے دیکھئے کتنی پاکیزہ تعلیم ہے یعنی ان کے دل تو

میرے قبضے میں ہیں جب میں تمہارے اعمال برے دیکھتا ہوں اور ان کے دل سخت کر دیتا

ہوں۔ کسی کا قول ہے عَمَّا لَكُمْ اَعْبَا لَكُمْ (تمہارے اوپر جو حکام ہیں وہ تمہارا اعمال

سے لایو ہوا ان الدعاء ینا فی الرضاء بیل الدعاء ما موربہ و ہوا ینخالف الرضاء کہا

علیہ الكتاب والسنۃ و کیفیۃ، و مولانا فضل الرحمنؒ حال من الاحوال غلبت علیہ

وہو التفویض بالغلبۃ و صاحب الحال معذور لکن لکنا یتوئید مقصود

المقام لان المقام بیان الرضاء بالقضاء فافہم ۱۲ احمد حسن عفی عنہ

مناسب تم پر مقرر کئے گئے ہیں) اور کسی نے کہا ہے۔ عَزَّوَجَلَّ شتی اعمالِ ماصورتِ نادر گرفت (ہمارے برے اعمال کی سزا میں نادر شاہ کے ذریعہ ہم کو سزا ملی ہے) کہ نادر شاہ کی صورت میں ہمارے اعمالِ بد ہم کو ستا رہے ہیں تو جب حاکم کی طرف سے سختی دیکھو مجھے راضی کرو ان کے قلوب کو نرم کر دوں گا پھر وہ تمہارے ساتھ نرمی برتیں گے کیونکہ یہ کارخانہ ظاہری والستہ ہے کارخانہ باطن کے ساتھ اول حکم وہاں سرزد ہوتا ہے پھر اسی کے موافق یہاں ہوتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ کی حکایت سنی ہے کہ ایک مرتبہ شہر کا انتظام بہت سست تھا ایک شخص نے شاہ صاحب سے وجہ پوچھی فرمایا آجکل یہاں کے صاحبِ خدمت سست ہیں پوچھا کہ کون صاحب ہیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک بخرہ بازار میں خر بوزے فروخت کر رہا ہے وہ آجکل صاحبِ خدمت ہے یہ اس کے امتحان کے لئے آگئے اور امتحان اس طرح کیا کہ خر بوزے کاٹ کاٹ اور چکھ چکھ سب ناپت کر کے ٹوکریں میں بھرتے وہ کچھ نہیں بولے۔ چند روز کے بعد دیکھا کہ انتظام بالکل درست ہو گیا۔ اسی شخص نے پھر پوچھا کہ آجکل کون ہیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک سقہ ہے چاندنی چوک میں پانی پلاتا ہے مگر ایک پیاس کی ایک چھدام لیتا ہے یہ ایک چھدام لے گئے اور ان سے پانی مانگا انہوں نے پانی دیا اس نے پانی گرا دیا کہ اس میں تنکا ہے اور دوسرا کٹورہ مانگا انہوں نے پوچھا اور چھدام اس نے کہا نہیں انہوں نے ایک دھول رسید کیا اور کہا کہ خر بوزہ والا سمجھا ہو گا اس شخص نے آکر بیان کیا کہ یہ واقعہ ہوا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھ لو آجکل یہ ہیں کہ رب کو سچا رکھا ہے۔ تو ظاہری انتظام باطنی انتظام کے تابع ہے تو جب خدا کو ناراض کر گئے اول محکمہ باطن میں حکم نازل ہو گا۔ پھر اس کے تابع ظاہر میں مگر اس کو سن کر کوئی شخص اس غلطی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ ایسے فقیروں کو ڈھونڈھنے لگے۔ ان کا ڈھونڈھنا محض بیکار ہے اس لئے کہ وہ خدا کے قبضے میں ہیں ان کے منہ سے وہی نکلتا ہے جو ہونے والا ہوتا ہے اگرچہ ان کی خدمت بھی نہ کرو بلکہ جو ان کے منہ سے نکلاتا ہے اس کو راضی کرو۔ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ڈھونڈھتے ہیں اسی طرح بزرگوں کی فاتحہ اس نیت سے دلاتا کہ ان سے ہمارا کوئی کام نکلے گا یہ بھی سخت غلطی ہے۔ دیکھئے آخر فرشتے بھی تو مقبول بڑے ہیں مگر ان کی فاتحہ کوئی نہیں دلاتا کیونکہ جانتے ہیں کہ وہ بالکل مجبور اور حکم حق کے تابع ہیں۔ پس اسی طرح سے یہ

لوگ ہیں اور اگر کہو زشتے تو زندہ ہیں اس لئے ان کی فاکہ نہیں دلاتے تو میں کہتا ہوں کہ زندہ لوگوں کو بھی تو ثواب پہنچانا جائز ہے۔ پس جب ان کی فاکہ اس لئے نہیں کرتے کہ وہ بالکل حکم حق کے تابع ہیں تو سمجھو کہ یہ حضرات بھی بالکل حکم حق کے تابع ہیں۔ غرض اہل خدمت اور اقطاب بالکل حکم حق کے سامنے مجبور ہوتے ہیں کہ جیسا حکم ہوا ویسا کر دیا پس ان سے محبت تو رکھنی چاہیے مگر ان سے دنیا کا کوئی کام نکلنے کی امید رکھنا سخت غلطی کی بات ہے۔ ہاں بزرگوں سے دعا کرو وہ بھی صرف ان بزرگوں سے جو مشابہ انبیاء علیہم السلام کے ہوں کہ وہ دعا بھی کرتے ہیں اور تعلیم و اصلاح بھی کریں گے کیونکہ وہ طیب بھی ہیں اور دعا کرنے کے ساتھ اپنے اعمال کی بھی درستی کرو، گستاہوں سے توبہ کرو کیونکہ بدون درستی اعمال کے محض ان کی دعا سے کچھ معتد بہ نفع نہ ہوگا اور نہ ان کی سفارش کچھ کام آوے گی اس وقت لوگوں نے اول تو عمل کو بالکل چھوڑ ہی دیا، اور اگر کرتے بھی ہیں تو یہ بہت سے وظیفے پڑھ لئے حالانکہ دنیا کی غرض سے وظیفے پڑھنے میں قلب میں ایک دعویٰ مضمر ہوتا ہے چنانچہ ان کو تیر بہدف سمجھا جاتا ہے۔ بخلاف دعا کے کہ اس میں عجز و انکار ہوتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اعمال کی درستی کرے اور ہمیشہ اس سبق کو یاد رکھے اور پھر خدا کو ناراض نہ کرے اور ناراض کرنا خاص یہی نہیں کہ اس خاص گناہ کو چھوڑ دے بلکہ سب گناہوں کو چھوڑ دے کیونکہ یہ تو محض اسی کا خیال ہے کہ فلاں گناہ سے مصیبت آئی ممکن ہے کہ کسی دوسرے گناہ سے آئی ہو پھر اگر گذشتہ مصیبت کسی خاص گناہ ہی سے آئی ہو تو کیا ضرورت ہے کہ مستقبل میں دوسرے سے نہ آئے گی۔ دیکھو اگر انگارے سے چھپرہ جل جائے تو کیا چنگاری کو چھپرہ میں رکھ دیں گے۔

غرض گناہ چھوٹا ہو یا بڑا سب چھوڑ دو۔ چونکہ اس مضمون کی ضرورت اس وقت عام تھی اس لئے اس کو بیان کر دیا گیا اب خدا سے دعا کرو کہ وہ توفیق عمل (تمام مسلمانوں اور ناشر محمد عبدالمنان کو) بخشیں۔ آمین (برحمتک یا ارحم الراحمین)

تمتہ بالخیر

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

(رواه البخاری)

دعواتِ عبدیت جلد چہارم

کا

سائلوں و عظیم ملقب بہ

حُبُّ الْعَاجِلِہ

منجملہ ارشاداً

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحبہا نقوی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْه

ناشر: محمد عبد المنان عَفْرَه

مکتبہ کھانوی۔ دفتر الابقاء

مسافر خانہ بندہ روڈ کراچی

ایم۔ اے جناح روڈ

دعوات عبدیت جلد چہارم کا

ساتواں وعظ ملقب بہ

حُبُّ الْعَاجِلِ

اَيْنُ	مَنْ	كَمْ	كَيْفَ	مَاذَا	مَنْ ضَبَطَ	الْمُسْتَمْعُونَ	اَشْتَاتُ
کہاں ہوا	سب ہوا	تنا ہوا	کیسے ہوا	مضمون تھا	س نے لکھا	مستمن کی تعداد	منفقات
صدر میرٹھ	۱۸	تقریباً	شکایت	مولوی سید احمد	اندازاً زائد از		
جلد	ربیع الثانی	۳	کھڑے ہو کر ترجیح دینا	صاحب تھانوی	پینچ ہزار		
مؤتمر الانصار	۱۳۳۰ھ	گھنٹے	بر آخرت	مرحوم	(۵۰۰۰)		

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَنَا وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَنَا وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَنَا وَنَشْهَدُ اَنْ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ - اَمَّا بَعْدُ ! مضمون مقصود کے شروع کرنے کے پیشتر دو باتیں جو نہایت ضروری ہیں کہتا ہوں ان میں ایک بات توکل گذشتہ تقریر کے بعض اجزاء کے متعلق ہے اور دوسری آج ہی کے متعلق ہے ان کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ مقصود شروع ہوگا۔ کل کی تقریر کے متعلق تو یہ کہنا ہے کہ سب صاحبوں کو جوکل کے بیان میں شریک تھے یاد ہوگا کہ میں نے یہ کہا کہ خدا کا احسان ہے کہ ہم اس جماعت میں ہیں جن کے چھوٹوں کو بھی میں اپنے سے بڑا سمجھتا ہوں۔ اس وقت ممکن ہے کہ بعض خواجواہ کے معتقدین کو شبہ ہوا ہو اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی ہو مگر آج کی تقریر سے جو ابھی آپ لوگوں نے سنی میرے گذشتہ دعویٰ کی

بدیہی دلیل آپ نے دیکھی ہوگی۔ یہ صاحب جنھوں نے تقریر پڑھی ہے اس جماعت میں سب سے چھوٹے ہیں مگر مجھ سے بڑے ہیں میں ان کی مدح نہیں کرتا محض تحدت بالنعمة کے طور پر بیان کرتا ہوں۔ اور اس پر میں اس لئے مجبور ہوا ہوں کہ یہ قاعدہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اسلام ہوگا اس کے دل میں اہل اسلام کے ساتھ درد اور ان پر شفقت بھی ہوگی جو کہ اسلام کے آثار سے ہے اسی قاعدہ کے مطابق چونکہ بھلائی بھی خدا تعالیٰ نے دولتِ اسلام سے مشرف فرمایا ہے اس لئے اس کے آثار مذکورہ ہمدردی و شفقت بھی عطا کئے ہیں اس لئے میں براہِ شفقت سوچا کرتا تھا کہ یہ کام جو خدا تعالیٰ نے مجھ سے لیا ہے میرے بعد اس کی کیا حالت ہوگی اور کون شخص اس کو سنبھال سکے گا اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اپنی تعریف کرتا ہوں۔ یا اس کام کے کرنے میں اپنا کوئی کمال یا اپنے کسی حسان کا اظہار کرتا ہوں بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ چاہے چھوٹے سے بڑا کام لے لے اور اس میں خدا تعالیٰ ہی کا احسان ہے پس اگر ہم کو کسی کام کی توفیق ہوگئی ہے تو اس میں ہمارا کیا احسان ہے۔ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ اسے توفیق دی ہے

منت منہ کہ خدمتِ سلطانی ہمیں کُنم منت شناس از وہ کہ بخدمتِ بداشت

ر تو بادشاہ پر اس بات کا احسان مت رکھ تو اس کی خدمت کر رہا ہے بلکہ

احسان مان کہ اس نے تجھ کو اپنی خدمت کے لئے رکھ لیا

تو میں نہ تو اضعاً کہتا ہوں نہ تکبراً۔ اور اگر یہ تکبر ہے تو پہلی تو اضع سے اس کو برابر کر لیا جائے تو ان خدمتوں کو دیکھ کر جن کی خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اس بتا رہا ہے کہ جب عدت میں کمی ہوتی ہے تو معلول میں بھی کمی ہوتی ہے یہ سوچا کرتا تھا کہ میرے بعد ان کاموں کا کیا انتظام ہوگا اور اس بنا پر میں ہمیشہ موت سے ڈرا کرتا تھا کیونکہ یہ خیال ہوتا تھا کہ جب میں نہ ہوں گا تو بعضے کام یوں ہی رہ جائیں گے اور سبب اس خیال کا وہی تھا کہ ان خاص خدمتوں کا بظاہر کوئی ذریعہ نظر میں نہ تھا گو بڑے کام کے لئے بڑے حضرات موجود ہیں مگر یہ چھوٹے کام کون کرے گا اگرچہ یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا تعالیٰ اپنا کام لینے کے لئے کوئی سبیل ضرور کر دیتے ہیں مگر پھر بھی سوچِ طبعی

تھی مگر اب بحدیث یہ سب خلیجانِ رفع ہو گئے کیونکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بہت سے نوجوان کام کر رہے ہیں جن سے امید ہے کہ وہ کام کو نباہ لیں گے لہذا ہم اگر آج چلے جائیں تو کیا اور کل چلے جائیں تو کیا (جو صاحب اس وعظ کو مطالعہ فرمائیں ان سے جامع وعظ کا بلجیانہ التماس ہے کہ وہ صدق دل سے جناب یاری سے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم کو تادیر بایں فیوض و برکات قائم رکھے اور تشنگانِ نزالِ شریعت کو اس سرچشمہ سے سیراب فرماتا رہے آمین) انہی نوجوانوں میں ایک مولوی محمد مرتضیٰ حسن صاحب بھی ہیں۔ مولوی صاحب موصوف اگرچہ صورت بڑھے معلوم ہوتے ہیں لیکن طبیعت اور عمر کے اعتبار سے ابھی بالکل نوجوان ہیں بلکہ اگر بے ادبی نہ ہوتی تو کہتا کہ مولوی صاحب میری گود کے کھلائے ہوئے ہیں اور ابھی تو آپ نے دوہی دیکھے ہیں ایسے بحدیث بہت سے ہیں آپ سب صاحب دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت دیں اور ان سے اپنے دین کی خدمت علی الوجہ الاتم لیں اور ان کی طبیعتوں میں استقلال اور پابندی پیدا کریں۔ ان مولوی صاحب میں (مولوی شبیر احمد صاحب کی طرف اشارہ فرما کر) ابھی اتنی کمی ہے کہ یہ پابند نہیں۔ دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ ان کو پابندی عطا فرمائیں (سب لوگ دست بدعا ہوئے) اور اس کے ذکر کرنے کی مجھے ضرورت نہ تھی لیکن صرف اس خیال سے کہ شاید مجمع کے سامنے اس کو سن کر آئندہ مولوی صاحب پابندی کا خیال فرمائیں۔ میں نے ظاہر کر دیا باقی کام جیسا کچھ یہ کر سکتے ہیں وہ آپ نے دیکھ ہی لیا دوسرا مختصر مضمون جو آج کے متعلق کہتا، وہ یہ ہے کہ جو وقت میرے لئے وعظ کا مقرر کیا گیا تھا اس میں سے کچھ حصہ گذر گیا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ بہت اچھی حالت میں گذرا اب اگر میں پورا وقت لیتا ہوں تو بہت زیادہ دیر ہوگی اس لئے وقت کم لوں گا اور اپنی تقریر کو انتہائے جلسہ کے معین وقت ہی پر ختم کر دوں گا اور اس کمی کا ایک سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ گذشتہ مضمون کے بعد اب میرے بیان کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں رہی اور شاید اس مضمون کی عظمت کے سامنے میں چل بھی نہ

سکوں (حضرت مولانا نے یہاں تک فرمایا تھا کہ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ جتنی دیر چاہیں بیان فرمائیں ہم لوگوں کو دیر ہونے کی ذرا پروا نہیں آپ ہماری تکلیف کا ذرا خیال نہ کریں۔ اللہ دَرِّمَنْ قَالَ (اللہ تعالیٰ اس کا بھلا کریں جس نے یہ بات کہی) قبولِ خاطر و لطفِ سخن خدا دادِ دست) اب میں شروع کرتا ہوں اور اس طریقہ قدیم کے موافق خطبہ پڑھتا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُحَمَّدًا وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَعْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضِلِّهِ فَلَاحَادِي لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدًا وَرَسُوْلَهُ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعٰجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ رَاۤءِىْ مَا لَكُمْ سَرِيۡرٌ اَلَيْسَ لَكُمْ اِيۡسَآءٌ مِّمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوۡنَ (اگر تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو ترک کئے دیتے ہو) جس مضمون کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ایک نہایت ضروری مضمون ہے اور تمہارے مولوی بشیر احمد صاحب کے مضمون کا مشہور توپیوں ہے کہ اگر پدر نتواند پس تمام کند (اگر باپ کسی کام کو پورا نہ کر سکے تو بیٹا پورا کرے گا) مگر اس وقت اس کا عکس پڑھ لیجئے اگر پدر نتواند پدر تمام کند (اگر بیٹا کسی کام کو پورا نہ کر سکے تو باپ پورا کرے گا) مگر یہ میں نے ازراہ بے تکلفی ان کی کم عمری کے اعتبار سے کہہ دیا ہے امید ہے کہ مولوی صاحب برانہ نامیہ کے کیونکہ واقع میں ان کو میں اپنے سے بڑا سمجھتا ہوں۔ غرض اس وقت میں جو کچھ بیان کروں گا وہ مولوی صاحب کے مضمون کا تتمہ ہوگا اور مولوی صاحب کا مضمون اگرچہ بالکل کافی تھا لیکن اس کے بعض اجزا کی توضیح کی ضرورت ہے۔ میرا قصد پہلے سے بھی اس مضمون کو بیان کرنے کا تھا مگر اتفاق سے مولوی صاحب کے لئے بھی یہی مضمون تجویز کیا گیا مگر مولوی صاحب نے صرف اعتقادی حالت کو آخرت کے متعلق زیادہ بیان کیا ہے چونکہ اس کے متعلق ایک دوسرا پہلو عمل کا بھی ہے اس لئے میں اس کو بیان کئے دیتا ہوں کہ دونوں بیانیوں کا مجموعہ آخرت کے دونوں ضروری پہلوؤں کو حاوی ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے لوگو تم دنیا سے محبت رکھتے ہو

اور آخرت کو چھوڑے دیتے ہو۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ان دنیا داروں کی شکایت فرماتا ہے ہیں جو کہ آخرت کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ دنیا سے محبت کرنا اور آخرت کو چھوڑنا یہ دونوں باتیں عمل ہیں علم نہیں۔ اور عمل کے بیان کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہر علم کے لئے عمل غایہ ہے اگرچہ ظاہر نظر میں بعض علم خود بھی مقصود معلوم ہوتے ہیں مگر نظر غائر سے ان علوم کا ثمرہ بھی کوئی عمل ہے چنانچہ آگے عنقریب معلوم ہوگا اور اس مسئلے کی بابت کہ ہر علم کے ساتھ عمل بھی ہے علمائے شریعت کا قول تو سب کو معلوم ہے کہ وہ احکام میں ایک درجہ اعتقاد اور ایک درجہ عمل نکلتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ عقلا و حکماء اطباء وغیرہ ہر فرقہ اسی حکم پر ہے اور ہر جماعت ہر فن میں دو جز و ضروری مانتی ہے ایک علم اور دوسرا عمل۔ اور اپنے اپنے درجہ میں دونوں مطلوب سمجھے جاتے ہیں اور علوم تو بعض بظاہر ایسے بھی ہیں جن کو عمل سے کوئی تعلق نہیں یعنی ان علوم کا اثر مرتب ہونے میں کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ محض علم ہی سے اس کا اثر اس پر مرتب ہو جاتا ہے گو نظر غائر سے ان علوم سے بھی بعض اعمال کسی درجے میں مقصود ہیں لیکن عمل کوئی ظاہر میں بھی ایسا نہیں ہے کہ وہ علم سے مستغنی ہو مثلاً علم کو حیدر ایک ایسا علم ہے کہ اگر کسی قسم کا عمل نہ کیا جائے تب بھی اس کا ثمرہ یعنی نجات اگرچہ بد پر ہے اس پر مرتب ہوگا اور اس کو کسی عمل کی ضرورت نہ ہوگی لیکن کسی عمل مثل نماز روزہ کی بابت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بغیر اعتقاد کے اس عمل کا اثر اس پر مرتب ہو جائے گا تو دونوں کے تعلق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تو کسی درجے میں عمل سے مستغنی ہے لیکن عمل علم سے اصلاً مستغنی نہیں اور یہی راز ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عبادت کا مقابلہ کوئی عبادت نہیں کر سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں علم اور معرفت درجہ کمال پر تھا اس کی تائید میں مرشدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ عارف کی دو کعتیں غیر عارف کی ہزار کعتوں سے بھی زیادہ درجہ رکھتی ہیں وجہ فرق کی یہی ہے کہ عارف کو جو علم و معرفت حاصل ہے غیر عارف کو حاصل نہیں۔ اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حاجی صاحب رحمہ اللہ نے مبالغہ ایسا فرمادیا ہوگا ہرگز نہیں صاحبو! یہ بالکل واقع کے مطابق اور اس سے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کا عمیق علم معلوم ہوتا ہے اور یہی وہ علوم ہیں جن کی وجہ سے مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ صیغے متبحریوں

فرماتے تھے کہ مجھے حاجی صاحب رحمہ اللہ سے جو کچھ اعتقاد ہوا ہے وہ حاجی صاحب رحمہ اللہ کے علم کی بدولت ہوا ہے تو اس میں اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ حاجی صاحب رحمہ اللہ نے ذرا مبالغہ نہیں فرمایا۔ خود حدیث شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اگر ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک مد یا نصف مد صدقہ دیں اور غیر صحابی جبل احد کی برابر صدقہ دیں تو غیر صحابی کا یہ صدقہ صحابی کے نصف مد کی برابر نہیں ہو سکتا۔ اب ذرا مدینہ منورہ جا کر دیکھئے کہ نصف مد غلہ کس قیمت کا ہوتا ہے اور اس قیمت کا کس قدر چاندی یا سونا آتا ہے اور وہ سونا جبل احد سے کیا نسبت رکھتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ بلا تو وسط قیمت کے اگر خود نصف مد غلہ کا طویل و عرض بھی لیجئے اور اس مقدار کو جبل احد کے مقابلہ میں دیکھئے کہ کیا نسبت رکھتا ہے ظاہر ہے کہ اس کو جبل احد سے کوئی نسبت بھی نہیں تو اس کا مقتضایہ تھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کو کروروں حصے زیادہ فرماتے۔ بہر حال مقصود واضح ہو گیا۔ تو وجہ اس تضاعف کی یہی علم اور معرفت ہے اور یہاں شاید کسی شخص کو یہ شبہ ہو کہ مولوی بھی عجیب چیز ہوتے ہیں ایک ہی چیز سے جو کام چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ اس حدیث شریف سے اس وقت علم کی فضیلت ثابت کر دی گئی اور اکثر اس سے صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت ثابت کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے کہ صحبت سے ایسا خلوص میسر ہوا تھا کہ عمل میں یہ برکت ہو گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں ایک کا حصول دوسرے کا حصول ہے مقصود ہر طرح حاصل ہے اس تلازم و بخاذب کی وہ حالت ہے کہ

بخت اگر مدد کند و امنش آورم بہ کف گر بکشد زہے طرف رہ بکشم زہے شرف

راگر میری قسمت ساتھ دے تو میں اس کا دامن اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لوں پھر

اگر وہ اپنی طرف کھینچ لے تب بھی میں خوش ہوں اگر میں اس کو اپنی طرف کھینچ لوں

تو یہ بھی میرے لئے عزت کی بات ہے

عِبَادَ اَنْتَ سَتِي وَحَسْبُكَ وَاِحَدٌ وَكُلُّ رَاٰلِي ذَاكَ الْجَمَّالِ يَشِيرُ

ہمارے مضمون تو الگ الگ ہیں مگر سب کا مقصد ایک ہی ہے اور ہمارے

سب مضامین اسی کے جمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں

خواہ اس طرح کہہ دیجئے یا اس طرح۔ اگر خلوص صحبت کی برکت سے ہے تو علم خلوص کی برکت سے بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات میں علم کا مرتبہ صحبت و غیرہ سب سے مقدم ہے کیونکہ صحبت بھی علم ہی کی بدولت نصیب ہوئی۔ پس علم مستلزم ہوا صحبت کو اور صحبت مستلزم خلوص کو پھر اس خلوص سے اور علم اور معرفت میں ترقی ہوئی تفصیل اس کی کہ علم سے صحبت ہوئی یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام فرمائی تو تمام عرب بلکہ تمام اہل جن مخاطب تھے تو اس کی کیا وجہ کہ ان سب میں صرف انہی حضرات کی سمجھ میں آیا دوسرے مخاطبین مثلاً ابو جہل ابو لہب کیوں نہیں سمجھ سکے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے پاس خدا تعالیٰ کی عطا کی کوئی ایسی دولت موجود تھی جو کہ ابو جہل کے پاس نہ تھی اگرچہ ظلماتِ کفر میں اس کی چمک دھمک چھپی ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی اقرار رسالت کیا چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے قَلَمًا تَبَيَّنَتْ وَجْهَهُ عَلِمْتَ أَنَّهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی یہ معلوم

کر لیا کہ یہ چہرا جھوٹے کا نہیں ہے

آفتاب آمد دلیل آفتاب

گر دلیلت باید از دئے رومتاب

(دھوپ ہی سورج کے ہونے کی کافی دلیل ہے اگر دلیل ہی چاہتا ہے اس کی طرف سے منہ کو مت پلٹا اور نہ ہٹا)

مولانا رومی کا یہ آئندہ شعر عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا گویا پورا

ترجمہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ

نور حق ظاہر بود اندر ولی

نیک میں بارشی اگر اہل ولی

(اللہ تعالیٰ کا نور اللہ کے ولی کے اندر خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے اگر تو اہل

ہے تو اچھی طرح دیکھ)

گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت، اس لئے بجائے ولی کے نبی بدل دینا چاہیے اور اسی کا ترجمہ مولوی

ابوالحسن صاحب کا ندھلوی نور اللہ مرقدہ کا شعر ہے

مرد حقانی کی پیشانی کا نور

کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

سَيِّمًا هُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ الشُّجُوْدِ (ان کی عبادتوں کا نور ان کے چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے) تو ضرور یہ کوئی بات تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھی دوسروں کو نصیب نہیں۔ اور صحابو! وہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم کے علوم اور ان کے معارف میں اور یہ اس وقت کے علوم ہیں کہ جب تک دولت ایمان بھی ان حضرات کے پاس نہ تھی صرف اس کے حاصل ہونے کا احتمال تھا جس کے ساتھ ہی جانب مخالف کا احتمال بھی موجود تھا۔ گویا فیضان کا ایک ذرہ تھا کہ جس نے ہلکا رکھا تھا اسی کو قمر مانتے ہیں۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کُند صاف گر با شدند انم چوں کُند
(مٹی ملی ہوئی ایک گھونٹ یعنی عشق مجازی جب مجنوں بنا سکتی ہے تو اگر صاف ہو
یعنی عشق حقیقی ہو تو معلوم نہیں کیا سے کیا بنا دے)

جب اس پر علم کی یہ حالت تھی تو اسلام کے بعد اور فیض صحبت حاصل کر کے کیا حالت ہوئی ہوگی۔ شاید کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ اس مجموعی تقریر سے صحابہ کرام کی معارف و علوم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن دوسروں کے علوم و معارف کی فضیلت کیسے ثابت ہوگئی کہ کسی ولی کی بھی یہ حالت ہو جائے کہ اس کی دو رکعت دوسرے کی ہزار رکعت بڑھ کر ہو سکیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء کے معارف و علوم انہی حضرات کے حاصل ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ برابر چلا جاتا ہے تو صحابہ کرام ہی کا فیض دوسرا اولیاء کو بھی پہنچا ہے اس کی توضیح کے لئے میں ایک محسوس مثال اختیار کرتا ہوں۔ ریل کو چلتے ہوئے سب ہی دیکھتے ہیں اب میں اس کے متعلق دریافت کرتا ہوں کہ ریل میں جس قدر گاڑیاں لگی ہوتی ہیں ان کے چلنے کی تدبیر کیسا ہے۔ ظاہر ہے کہ تدبیر اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انجن میں آگ اور پانی سے اسٹیم تیار کی جائے اور گاڑیوں کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے جب انجن کو حرکت ہوگی گاڑیاں خود بخود متحرک ہوں گی اس مثال میں متحرک بالذات صرف انجن ہے گاڑیاں محض وابستگی کی وجہ سے کھنچی چلی جا رہی ہیں نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ انجن ہر گارڈی کے ساتھ نہیں بلکہ انجن کے ساتھ صرف ایک گاڑی بلا واسطہ وابستہ اور دوسری گاڑیاں بوساطہ اس سے وابستہ ہیں تو جب انجن کے ساتھ محض ظاہری وابستگی کی وجہ سے ساری گاڑیاں متحرک ہوگئی ہیں تو کیا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متوسلین اور وابستگان میں

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیوض نہ آئیں گے اور ان میں حرکت پیدا نہ ہوگی ضرور ہوگی اور اسی تقریر سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اگر کسی کو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا مقصود ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی زنجیران انجنوں سے ملا دے جب ان کو حرکت ہوگی یہ بھی متحرک ہوگا اور پہنچ جائے گا خوب کہا ہے ۔

بودمورے ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائی کبوتر زود تا گاہ رسید

(ایک چیونٹی کو شوق ہوا کہ کعبۃ اللہ میں پہنچے اس نے کبوتر کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیا اور

بہت جلد کعبۃ اللہ پہنچ گئی)

یعنی ایک چیونٹی کو اشتیاق ہوا کہ کسی طرح کعبۃ اللہ پہنچوں لوگوں سے پوچھا تو معلوم

ہوا کہ کعبۃ تو بہت دور ہے اور بہت سی دقتوں کے بعد مدت میں وہاں پہنچنا ہوتا ہے ۔

غریب مشتاق چیونٹی نے جب ان موانع کو ٹٹا اور اپنے کمزور جثہ کو دیکھا نیز دھوپ کی تیزی ہوا

کی سختی زمین کی تپش کی طرف نظر کی تو بہت نایوس ہوئی اسی حالت میں ناگاہ ایک رہبر پر

اس کی نظر پڑی جس کے چہرے کو یا آثار رہبری مترشح تھے جس کی صورت دیکھ کر پشیمرد دل کو تسلی ہوئی جسکی یہ حالت تھی کہ

اے لقاؤ تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(اے وہ ذات کہ تیری ملاقات ہی سب سوالوں کا جواب خود بخود حاصل ہو گیا مشکل سے

مشکل باتیں تجھ سے پوچھے بغیر ہی حل ہو گئیں ہیں)

اس رہبر نے کہا کہ اطمینان رکھو میں تمہیں ایک سہل طریقہ منزل مقصود پر پہنچنے کا بتاتا ہوں

لیکن شرط یہ ہے کہ خود رانی اور تکبر کو آگ لگا دینی پڑے گی ورنہ اگر اس کو نہ چھوڑا تو پھر کوئی

طریقہ نہیں مشتاق چیونٹی نے تکبر کے چھوڑ دینے کا وعدہ کیا آخر تھوڑی دیر میں حرم شریف

کا ایک کبوتر نظر پڑا راہبر نے اُسے دیکھ کر پہچانا اور چیونٹی سے کہا کہ مبارک ہو اب مقصود

حاصل ہونے کا وقت قریب آیا دیکھو یہ کبوتر حرم شریف کا ہے اگر اس کی قدمبوسی ناگوار نہیں

اور اس کو ذلت نہیں سمجھتی ہو تو بے تامل اس کے پیروں کو لپیٹ جاؤ اس کو تو خبر بھی نہ ہوگی

اور تم اس کی ایک پرواز میں کعبہ میں ہوگی چنانچہ چیونٹی نے ایسا ہی کیا اور پہنچ گئی ۔

دست در پائے کبوتر زود تا گاہ رسید ۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ دستگی کے

ساتھ استنکاف کا نہ ہونا بھی ضروری ہے ورنہ اگر استنکاف باقی رہے گا تو مقصود سے ادھر ہی رہ جاؤ گے۔ صاحبو! یہ مضمون اگرچہ مختصر ہے لیکن نہایت توجہ سے سننے کے قابل ہے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں میں اس وقت ایک بڑی کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ ان کو متحرکین سے استنکاف اور استکبار ہے ایسے لوگوں کو نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور جو صرف یہ کہ ان کی آمدنی بہت کم ہے سامانِ آسائش ان کے پاس نہیں بہت سے خدمِ حشم نہیں رکھتے۔ لباس بہت قیمتی نہیں پہنتے۔ جب اپنے لباس سے ان کے لباس کا موازنہ کرتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے کیونکہ اہل دنیا کا لباس تن دو سو ڈھائی سو کا اور ہاں لنگ کے زیر و لنگ کے بالا بنے غم دزد کے غم کالا۔ نشست کی جگہ دیکھتے ہیں تو اپنے ہاں سینکڑوں روپیہ کے قیمتی فرش پاتے ہیں وہاں چار پیسے کی ایک چٹائی وہ بھی خستہ شکستہ میلی کچیلی اس لئے سمجھتے ہیں کہ جب ہمارے پاس سامان زیادہ ہے تو ہم بڑے ہیں۔ مگر صاحبو! یاد رکھو کہ اسی بڑے سمجھنے کی بدولت عزا زیل برباد ہوا جس کے برباد اور خراب ہونے سے آج تم خراب ہو رہے ہو اس نے بھی یہی کیا تھا کہ اپنا ظاہری اعزاز یعنی ناز ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام کی ظاہری حقارت یعنی خاکی ہونا دیکھ کر اپنے کو بڑا اور ان کو چھوٹا سمجھا اور ارشادِ خداوندی سے معترضانہ انکار کر دیا۔ ابی دَسْتَكْبِرٍ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ

آج بھی یہ مرض عام ہو رہا ہے۔ صاحبو! میں براہِ شفقت کہتا ہوں کہ یہ سامان ظاہری تمہارے لئے رہزن ہو رہا ہے ظاہری حالت پر مدار نہ رکھو حقیقت میں بنو۔ یاد رکھو کہ ہ گریصورت آدمی انساں بدے احمدو بوجہل ہم یکساں بدے اینکہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند (اگر ہر آدمی کی صورت والا انسان ہو اگر نا تو حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو جہل دونوں یکساں ہو کیونکہ دونوں قریش تھے اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے ہرگز ایسا نہیں ہے جو کچھ تو دیکھ رہا، آدمیت کے خلاف ہیں بلکہ یوں سمجھ کہ آدمی نہیں ہیں آدمی کے اُپر کا غلاف ہیں)

لہذا صورت کو یا لباس کو چھوڑ دینا چاہیے اور اس کو معیار نہ بنانا چاہیے۔ بعض لوگ اپنے

دنیاوی سامان کو معیار بناتے ہیں اور چونکہ اہل اللہ کو ان سے علیحدہ پاتے ہیں اس لئے ان کو حقیر سمجھتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ

تباہ شد اہل باطن در پے آرائش ظاہر بہ نقاش احتیاجے تیسٹ دیوار گستاخا

(جو اہل دل ہوتے ہیں وہ اپنے ظاہر کے سنوارنے کی فکر میں نہیں رہتے۔ باغ کی چہار دیواری

کو نقش و نگار بنانے والے کی ضرورت نہیں)

ان حضرات کو ادھر تو وجہ بھی نہیں ہوتی میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر شریعت کا حکم

نہ ہوتا تو یہ حضرات پاجامہ بھی نہ پہنتے ان کے لئے اتنا تعلق بھی باہر ہے ان کی مذاق کی وہ حالت ہے جیسا کہ ذوق کہتا ہے

غریبان ہی دفن کرنا تھا زیر زمین مجھے اک دوستوں نے اور گادی کفن کی شاخ

اور زینت اور لباس تو کیا چیز ہے ان حضرات کی نظروں میں سلطنت کی بھی کوئی حقیقت

نہیں ہوتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل سلطنت کی اطاعت بھی یہ لوگ نہیں کرتے

بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے اس کی تمنا نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ صرف

ایک تہ بند باندھے رہتے تھے اور کوئی کپڑا نہ پہنتے تھے ان کے بھائی بادشاہ وقت تھے

ایک روز انھوں نے ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ پاجامہ پہن لیتے تو اچھا تھا آپ کے

اس حال میں رہتے سے میری بھی سکی ہے انھوں نے کہا کہ اگر میں پاجامہ پہنوں گا تو اس کے

لئے کرتہ بھی ہونا چاہیے۔ بادشاہ نے کہا کرتہ بھی حاضر ہے وہ بولے تو پھر ٹوپی جو تہ بھی

ہو بادشاہ نے کہا وہ بھی کیا مشکل ہے انھوں نے کہا تو پھر سواری کے لئے گھوڑا بھی ہو

اور پھر کہا کہ سائیس بھی ہو اور اصطیل بھی ہو اور ان سب مصارف کے لئے گانوں بھی

ہو پھر اس شان کے موافق فلاں فلاں سامان بھی پھر اس کے لئے ایک گانوں کافی نہ ہوگا

بہت سے دیہات ہوں حتیٰ کہ سلطنت بھی ہو۔ بادشاہ ساری باتوں کو منظور کرتا گیا

تو آپ فرماتے ہیں کہ یہ سارے جھگڑا ایک پاجامہ پہننے کی بدولت اکٹھا ہوا مجھے پاجامہ ہی

پہننے کی کیا ضرورت کہ ان مصیبتوں میں پھنسوں۔ غرض ان حضرات کے نزدیک اس

تمام ساز و سامان کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے۔ ایک اور بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ

انہوں نے ایک بادشاہ سے پوچھا کہ اگر تم کسی وقت شکار میں جاؤ اور اپنے ساتھیوں سے جدا ہو جاؤ اور پیاس کی شدت سے تمہارا برا حال ہو جائے اس وقت ایک شخص تمہارے پاس ایک پیالہ پانی لے کر آئے اور کہے کہ اگر مجھ کو نصف سلطنت بخش دو تو میں تم کو یہ پیالہ پانی کا دوں تو اس وقت تم کیا کرو بادشاہ نے کہا میں نصف سلطنت دیکر پیالہ خرید لوں اس کے بعد ان بزرگ نے کہا کہ اگر اتفاق سے تم کو بند پڑ جائے اور کسی طرح پیشاب نہ اترتا ہو تمام اطباء عاجز ہو جاتے ہیں اور اس وقت ایک شخص اس شرط پر پیشاب کر دینے کا وعدہ کرے کہ باقی نصف سلطنت اس کو دے دو تو تم کیا کرو بادشاہ نے کہا کہ میں بقیہ نصف سلطنت بھی دیدوں۔ فرمایا کہ اب تو تم کو اپنی سلطنت کی حقیقت اور اس کی قیمت معلوم ہو گئی ہوگی کہ صرف ایک پیالہ پانی اور ایک پیالہ پیشاب اس کی قیمت ہے۔ صا جو! آج کل جو کچھ ترقی کی پکار ہو رہی ہے اور دلوں میں ترقی کی محبت ہے صرف اسی وجہ سے کہ آپ لوگوں نے ایک ہی چیز کو دیکھا اور پہچانا ہے اگر دوسری طرف بھی کچھ نظر ہوتی تو یقیناً آپ بھی وہی کہتے جو ہم کہتے ہیں کہ

آنکس کہ ترا شناخت جانرا چہ کند
فرزند و عیال و خاتماں را چہ کند

(جس شخص نے تجھ کو جان لیا وہ اپنی جان کو کیا کرے گا اور بیوی بچوں اور خاندان

دلوں کے خیال میں کس طرح رہے گا)

اہل دنیا اور ان کے شغفات کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے آپ نے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ بہت سی بالو جمع کر کے پیروں پر اس کو جاتے ہیں اور گھروندہ تیار کرتے ہیں اور جب ان کے بزرگ اس لغو حرکت سے روکتے ہیں تو لڑکے اپنے دل میں بہت خفا ہوتے ہیں اور اپنے بزرگوں بڑوں کو اپنا دشمن اور مخالف سمجھتے ہیں اور اپنے کھیل پر اصرار کرتے ہیں عقلاء ان کی اس حرکت کو دیکھتے ہیں اور ہنستے ہیں تو بچوں کی خفگی اور اپنے کھیل پر اصرار کرنے کی وجہ یہی ہے کہ ان کی نظر ابھی تک اسی گھروندے کی چند وہی خوبیوں پر ہے ابھی تک عالی شان قصر اور بچہ محل ان کی نظروں میں نہیں آئے اور ان کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور اسی وجہ سے اپنے گھروندے کا بیچ ہونا ہنوز ان کی سمجھ میں

نہیں آیا جس دن اپنے گھر و ندے کی حقیقت اپنے ذہن میں آجائے گی اس دن وہ بھی اپنے بزرگوں کے ہم آہنگ ہوں گے۔ اسی طرح عقلا، امت آپ کو ان عالیشان کوٹھیوں اور محلات میں پھنسا ہوا دیکھ کر دارِ آخرت کی ترغیب دیتے ہیں اور اس شغف پر ہنستے ہیں لیکن آپ اپنی حقیقت ناشناسی کی وجہ سے ان پر خفا ہوتے اور ان سے استنکاف کرتے ہیں ورنہ اگر آپ کو حقیقت کا علم ہوتا تو اپنی اس حالت پر افسوس کرتے اور یوں کہنے لگتے کہ

ولاتا کے درین کا رخ مجا زی کنی مانند طفلان خاک بازی

توئی آن دست پر در مرغ گستاخ کہ بودت آشیان بیرون از میں کاخ

چرازاں آشیان بے گمانہ گشتی چو دونان چند این دیرانہ گشتی

اے دل تو کب تک بچوں کی طرح اس مجازی گھر کے کھیل میں رگڑ رہے گا جو مٹی کے

گھر بنا بنا کر کھیلا کرتے ہیں۔ اے نافرمان پرندے تو اسی کے ہاتھوں کا تو پالا ہوا ہے۔

اس دنیا کے مخلوق سے تو علیحدہ تیرا گھر ہے تو اپنے اصلی گھر سے کیوں غافل اور بے پروا

ہو گیا ہے اور کینہہ ذلیل جانور چکور کی طرح دیرانی جگہوں میں پھر رہا ہے)

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ بے گھرے ہو جاؤ اور جو کچھ ہے برباد کر دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ

محبت چھوڑ دو اور دل سے بے تعلق ہو جاؤ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ چونکہ ان لوگوں کے

پاس کوئی چیز ہی نہیں اس لئے ان کو محبت اور تعلق بھی نہیں۔ خصمت بنی بنی از بے جا داری

کی حالت ہے تو میں کہوں گا جس کا جی چاہے جائداد پیش کر کے بھی دیکھ لے۔ صاحبو!

جائداد کیا چیز ہے سلطنت تک کولات مار دی ہے۔ سنجر شاہ نیم روز نے حضرت

نوح الاعظم رحمہ اللہ کے پاس التجا بھیجی کہ آپ کی خدمت میں کچھ حصہ سلطنت کا پیش

کرنا چاہتا ہوں قبول فرمائیے آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ

چوں چتر سنجرى رخ بختم سیاہ باد در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانکہ کہ یا فتم خبر از ملک نیم شرب من ملک نیم روز بیک نمے خرم

جیسے کہ ملک نیم روز کے بادشاہ سنجر کا تلج سیاہ ہے اسی طرح میرا نصیب بھی سیاہ

ہو جائے اگر خدا تجھو اسے میر دل میں اس بادشاہ کے ملک کی خواہش پیدا ہو جائے

جب سے مجھے آدھی رات کی لذت حاصل ہو گئی اور اس ملک کی خبر لگی ہے میں تو اس

بادشاہ کے ملک نیم روز کو ایک جو کے پلے بھی خریدنے کو تیار نہیں ہوں)

یعنی اگر تمہارے پاس ملک نیم روز ہے تو میرے پاس ملک نیم شب موجود ہے اس میں یہ

لطیفہ بھی ہے کہ بادشاہ کے ملک کام ملک نیم روز تھا۔ ایک اور عارف کہتے ہیں

بفراغِ دل زمانے نظرے بمہارے روئے بہ ازاں کہ چہر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

ردل کے سکون و اطمینان کے ساتھ اس چاند جیسے چہرہ والے کی طرف تھوڑی

دیر کے لئے دیکھتے رہتا ہی بادشاہ کے تاج اور تمام شان و شوکت سے بہتر ہے)

تو ان حضرات کی ظاہری شکستگی کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اس سامان کی مطلق قدر نہیں ہے نیز یہ

بھی وجہ ہے کہ خود آقلے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حالت پسند ہے چنانچہ حدیث

قدسی ہے کہ اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ یعنی میں ان سے قریب ہوں جن کے دل ٹوٹے

ہوئے ہیں مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں

فہم و خاطر تیر کمر دن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

دلپنے دل و دماغ سے زیادہ کام لینا یہ راستہ کا پالینا نہیں ہے عاجز اور ٹوٹے

ہوئے دل کے سوا فضل الہی حاصل نہیں ہوتا)

کیوں؟ اس لئے کہ

ہر کجا پستی ست آب آں جبارود ہر کجا مشکل جواب آں جبارود

(جس جگہ پستی (نیچا حصہ ہے) پانی اسی طرف کو بہتا ہے جہاں انسان کی سمجھ سے

زیادہ مشکل سوال پیدا ہوتا جواب اسی کو سمجھا جاتا ہے)

ہر کجا دروے دوا آں جبارود ہر کجا رنجے شفا آں جبارود

(جہاں تکلیف اور بیماری ہوتی دوا وہیں کی جائے گی اور جہاں زخم لگا ہو شفا اسی طرف

تو چونکہ یہ شکستگی ہی خدا تعالیٰ کو پسندیدہ ہے اس لئے ان حضرات کو بھی یہی پسند ہے۔ صاحبو!

کیا سنا نہیں پیا جس کو چاہیں وہی سہاگن ہو دیکھئے اگر کسی بازاری عورت سے عشق ہو جائے اور

وہ حکم کرے کہ ہر بازار لنگوٹا باندھ کر پھرو تو یقیناً عشق و محبت ایسا ہی کرنے پر مجبور کرے گی

اور اگر ایسا نہ کیا تو عشق کامل نہ سمجھا جائیگا۔ اللہ اکبر جب ایک بازاری عورت کی محبت میں یہ حالت ہو جاتی ہے تو عشق خدا میں کیا کچھ حالت ہونی چاہیے اور بڑا مقامِ غیرت ہے ان لوگوں کے لئے جن کو اس کی حس نہ ہو خوب کہا ہے ۷

عشق مولے کے کم از لیلے بود کوئے گشتن بہر او او لے بود

کیا حق تعالیٰ کا عشق لیلیٰ سے کم ہے نہیں بلکہ اس کے لئے کئی کئی اور کونہ کونہ پھرنے اور ہی بہتر ہے (غرض ان حضرات کی شکستگی کو موجبِ حقارت نہ سمجھو اور استنکاف کو چھوڑ کر ان کا اتباع کرو۔ اور اپنے میں طلب کی شان پیدا کرو جب یہ پیدا ہو جائے گی استنکاف خود بخود جاتا رہیگا میں اس کی ایک زندہ نظیر دیتا ہوں۔ آپ نے اکثر ایسے رئیس دیکھے ہوں گے جن کو کیمیا کی تلاش رہتی ہے اور اس تلاش میں جو شخص بھی کیمیا دانی کا مدعی ان کو ملتا ہے اس کو کیمیا گر سمجھ کر اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ اگر ذرا بختگی سے ان کے کیمیا گر ہونے کا یقین ہو جائے تو اپنا تنگ نام مال و جائیداد سب ان کے پیچھے گنوا دیتے ہیں اور اگر کوئی ان کو کچھ کہتا اور ملامت کرتا ہے تو اس کو منہ تے ہیں تو یہ اتباع اور شغف کیوں ہے؟ صرف اس واسطے کہ ان کو کیمیا آنے کا گمان ہے۔ پس جب حصول کیمیا کے موہوم الیہ پر ظاہری کیمیا جاننے والوں کا اس قدر اتباع کیا جاتا ہے اور اپنی شان و شوکت کو طاق میں رکھ دیا جاتا ہے اور ذرا پروا نہیں کی جاتی جن لوگوں کو سچ مچ کیمیا آتی ہے کہ اگر لوہے اور پتھر کو کندن کر دیں تو کوئی تعجب نہیں ان کا اتباع کرتے استنکاف کیوں ہوتا ہے یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ مقصود میرا یہ تھا کہ جب انجن میں یہ طاقت ہے کہ اس کے ساتھ وابستہ ہونے سے گاڑیاں منزل پر پہنچ جاتی ہیں تو کیا صحابہ کرام کے ساتھ وابستگی کا یہ اثر نہ ہوگا۔ بالخصوص جبکہ یہ بھی ثابت ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد دیگر اولیاء اللہ پر بھی کبھی بلا واسطہ نزول الوار و برکات ہوتا ہے کیونکہ یہ سلسلہ نہ منقطع ہوا ہے نہ ہوگا ۷

ہنوز آل ابر رحمت در فشاں است خم و خمیانہ با مہر و نشان ست

(ابھی وہ رحمت کا بادل موتی برسار رہا ہے شرابِ عشق کے مثلے اور میٹھا پر مہر اور نشان لگی ہوئی ہے اب تک وہی جام گردش میں ہے وہی دور چل رہا ہے ہر وقت یہی صدا بلند ہے ۷

حریفان ہمہ فے پرستی کتید۔ بجوشید و نوشید و مستی کتید

دلے دوستو تم شرابِ عشق کی محبت میں لگے رہو خوب جوش میرا و خوب پیو اور خوب مست رہو) غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وابستگی کی بدولت کہئے یا وابستگی اور ذاتی حرکت دونوں کے سبب کبھی علم اور معرفت اب بھی عطا ہوتا ہے اور وہی ایسی چیز ہے کہ اس کی بدولت ان کی دور کعت غیر عارف کی ہزار کعت کے برابر ہے اسی علم نے صحابہ کرامؓ کو اُس مرتبہ تک پہنچا دیا اور یہی علم و معرفت آج بھی ہزاروں کو اپنی اپنی استعداد کے موافق مراتبِ علیا پہ پہنچا رہا ہے غرض علم ایسی چیز ہے کہ عمل کوئی بھی علم سے مستغنی نہیں لیکن بعض علوم عمل سے مستغنی ہیں مگر بایں معنی کہ اس کی صحت کسی عمل پر موقوف نہیں گو کمال اس کا کسی عمل پر موقوف ہوتا بایں معنی کہ اس علم کا ثمرہ بھی کوئی عمل نہیں نظر غائر سے جیسا کہ شروع ترجمہ آیت کے ساتھ عرض کیا گیا ہے اس کا ثمرہ کوئی عمل بھی ضرور ہے یعنی اُس کی ایک غایت کوئی نہ کوئی عمل ضرور ہے مثلاً قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کا عقیدہ ہے کہ اس میں کسی عمل کی ضرورت بمعنی توقف نہیں ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عمل کی طرف سے بالکل توجہ ہٹالی جائے بلکہ اس علم کا کمال ضرور عمل پر موقوف ہے اور غایت بھی اس کی کوئی عمل ضرور ہے مثلاً قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ہی کو لیجئے کہ عقیدہ توحید کی صحت گو اعمال پر موقوف نہیں لیکن توحید میں نورانیت اعمالِ صالحہ ہی سے ہوتی ہے اور نیز اس کی غایت میں ایک عمل بھی ہے مثلاً جب خدا کو کمالات اور تصرفات میں منفرد مانا تو غیر اللہ سے ایسا تعلق رغبت و رعبیت کا نہ ہونا چاہئے جیسا کہ ہے میں اپنے اس مضمون کا مخاطب خصوصیت کے ساتھ طلبہ کو بتاتا ہوں کہ ان میں اکثر کو اپنے علوم پر تازہ ہوتا ہے خصوصاً اہل عقائد میں کہ میں خود اپنے کو دیکھتا ہوں کہ عقائد درست کرنے کی فکر تو ہے مگر عمل کی طرف توجہ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عقیدہ بوجہ اصل ہونے کے کافی سمجھتے ہیں اور حالاً اہل میں جمار لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں عقیدے کی پوچھ ہوگی اس کے بعد اور کوئی باز پرس نہ ہوگی لہذا جو چاہو کرو۔ صاحبو! خدا کے لئے سنھلو اور اپنی خبر لو۔ مجھ سے قنوج میں ایک تاجر عطر نے جو اہل حدیث تھے یہ کہا کہ ہم لوگوں کا جو کچھ تقویٰ ہے وہ چند مسلوں میں ہے جن میں حقیقوں کے اختلاف ہے ورنہ ہمارے اعمال کی یہ حالت ہے کہ میں عطر کی تجارت کرتا ہوں اور اس میں تیل ملا کر

فروخت کرتا ہوں بیچارے سچے آدمی تھے صاف کہہ دیا کہ اس امر میں کبھی مجھے عمل بالحدیث کا خیال پیدا نہ ہوا اور ہمیشہ خلط کر کے فروخت کرتا رہا۔ ہم لوگ حنفی ہیں خدا کا شکر ہے مگر یہ افسوس ہے کہ ہم نے بھی اسی درستی عقائد پر قناعت کر لی ہے اور عمل کی ذرا فکر نہیں ہے سہرا پا دتیا میں مہمک ہیں اور محض علوم کو اور اعتقادات کو کافی سمجھتے ہیں بلکہ جو لوگ اپنے کہلاتے ہیں اور دخول سلسلہ رکھتے ہیں ان میں بھی تقویٰ کا اہتمام نہیں۔ خالی محبت و صحبت عقیدہ پر کفایت کئے ہوئے ہیں تو اس مرض کو دیکھ کر خدا تعالیٰ نے مجھے ایک بتا سجاتی ہے بظاہر بالکل نئی جس کو اجمالاً ابھی ذکر کیا ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر چند بعض علوم کو عمل سے تعلق یعنی تو قفس نہیں ہے مگر قرآن شریف و حدیث کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کی غایت علاوہ نفسِ بجات کوئی عمل بھی ہے یعنی ایک غایت تو ان علوم کی یہ ہے کہ ان پر نفسِ بجات من العذاب مرتب ہو جائے اگرچہ وہ چند روز کی تکالیف اٹھانے کے بعد ہو نیز اس غایت کے سوا اور بھی ایک غایت ہے جو کہ بدون عمل کے حاصل نہیں ہو سکتی مثلاً علم تقدیر کی جہاں یہ غرض ہے کہ اس کے ماننے سے بجات ہوگی وہیں یہ غرض بھی ہوگی جس کو اس آیت میں اشارہ فرماتے ہیں مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لَكِنَّا لَا نَسُوهُ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ وَلَا نُنْفِرُ حُجُوبًا لَكُمْ إِلَّا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيُنظَرُوا إِلَىٰ مَا أَصَابُوا مِنْ مُصِيبَةٍ لِيُذَكَّرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اس آیت میں تصریح کر دی کہ ایک بڑی مصلحت مسئلہ تقدیر کی اطلاع میں یہ بھی ہے کیونکہ طبعی بات ہے کہ نقصان ہونے پر انسان کو رنج و صدمہ ہوا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی عنایت کو ملاحظہ فرمائیے کہ باوجود غمتی اور بے پروا ہونے کے ہماری مصلحت پر نظر فرما کر ہم کو ایسی بات بتلا دی جو کہ نہایت درجہ ہمارے لئے سرمایہ تسلی ہے اگر تمام جہان کے عقلا متفق رائے ہو کر اس کی تدبیر کرتے تو ایسی بات ہا تھ نہ آتی جو خدا تعالیٰ نے بتلا دی یعنی ہم کو مسئلہ تقدیر سکھلا دیا۔ صاحبو! یہی مسئلہ ہے جس کی بدولت ہم بڑے سے بڑے فکر اور مصیبت میں مبتلا کر بھی اپنے دل کو تسکین دیتے ہیں اور غم کو دھو لیتے ہیں اگر ہم کو اس مسئلہ کی تعلیم نہ کی جاتی تو کوئی

سبیل ہمارے پاس نہ تھی کہ ہم اپنے رنج کو دھو سکیں۔ اس کی حقیقت ایک مثال میں سمجھنے فرض کیجئے کہ دو شخص ایسے ہیں جن کی حالت ہر پہلو سے بالکل یکساں ہے جو کچھ ساز و سامان روپیہ پیسہ ایک کے پاس ہو وہی دوسرے کے پاس بھی ہے۔ جو سامان آسائش ایک کو میسر ہے دوسرے کو بھی ہے ایک ہی خاندان کے ایک ہی مزاج اور طبیعت کے ہیں اور دونوں کو خدا تعالیٰ نے ایک ایک لڑکا بھی عنایت فرمایا ہے اور دونوں نے اپنے اپنے لڑکے کی تعلیم و تربیت میں یکساں کوشش کی ہے اور دونوں لڑکے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کر کے فارغ ہوئے ہوں اور عین ایسے وقت میں کہ جب سائے گھرانے کی امیدیں ان کے ساتھ وابستہ ہونے لگی ہوں اور ان کے پھلنے پھولنے کے دن آئے ہوں ان دونوں کا انتقال ہو جائے اور اتفاق سے ایک ہی مرض میں اور ایک ہی طبیب کی سورتدبیر سے مرض بگڑ کر انتقال ہوا ہو اس وقت ان کے والدین غم اور رنج کا جو عالم ہو گا ظاہر ہے اور رنج بھی دونوں کا قریب قریب برابر ہو گا کیونکہ دونوں کی یکساں حالت فرض کی گئی ہے لیکن باوجود اس اتحادِ حالات کے ایک ہی فرق دونوں میں تھا کہ ایک ان میں منکر تقدیر تھا اور دوسرا قابل تقدیر۔ اس لئے ضرور ہے کہ ان دونوں کے رنج میں باوجود اسباب رنج برابر ہونے کے فرق ہو گا یعنی اس شخص کا غم جو قابل تقدیر ہے بہت تھوڑی دیر باقی رہے گا کیونکہ فوراً ہی اس کو یہ مضمون یاد آئے گا کہ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا الْاَلَمَاتُ ۗ اِنَّ اللَّهَ لَسَاهُو مَوْلَانَا ۗ وَ عَلٰى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ کہ جو مصیبت آتی ہے وہ خدا کے حکم سے آتی ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ حکیم مطلق ہیں اور فعلُ الحکیم لایخلو اعن الحکمة رحیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا، قضیہ مسلمہ ہے اس لئے یہ مصیبت بھی کسی مصلحت کو لئے ہوئے ضرور ہے اور اگر حضرت خضرؑ کا قصہ قتل صبی کا یاد آ گیا جس کو قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے اور جس کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ

آں پسر راکش خضرؑ برید خلق برآں را در نیابد عام خلق

(اس لڑکے کو حضرت خضرؑ نے مار ڈالا اور خلق کو کاٹ دیا مگر اس کا بھید عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا)

نیز خدا تعالیٰ کی رحمت واسعہ پر نظر گئی ان سب باتوں سے سمجھ گیا کہ کوئی مصلحت ضرور ہوگی جن میں ایک مصلحت وہ بھی جس کو ایک اعرابی نے سمجھا۔ صا حو! یہ مضمون سننے اور

غور کرنے کے قابل ہے۔ جب حضرت عباسؓ کا انتقال ہوا تو عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک عربی تعزیت کے واسطے آیا اور یہ دو شعر تعزیت میں پڑھے۔

رَضِبْرُنْكَ بِكَ صَابِرِينَ قَانِمًا صَبْرًا تَرَعِيَّةً بَعْدَ صَبْرٍ الرَّاسِ
 (اے ابن عباس تم صبر کرو ہم بھی تمہارے ساتھ صبر کریں گے کیونکہ سردار کے صبر کے بعد ہی رعایا بھی صبر کر سکتی ہے
 یعنی آپ بڑے ہیں صبر کیجئے کہ ہم چھوٹے بھی صبر کریں آگے کہتا ہے ۷

خَيْرٌ مِنَ الْعَبَّاسِ اجْرًا بَعْدَهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ مِّنْكَ لِلْعَبَّاسِ
 (حضرت عباسؓ کی وفات پر صبر کی وجہ سے جو مجھے ثواب ملیگا وہ تیرے لئے حضرت عباسؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباسؓ چونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے تو حضرت عباسؓ کو تجھ سے بہتر یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات مل گئی ہے)

یعنی حضرت عباسؓ کے انتقال سے تم کو ایسی چیز مل گئی جو تمہارے لئے حضرت عباسؓ کی ذات سے زیادہ نفع رساں ہے یعنی ثواب کیونکہ حضرت عباسؓ کی ذات ان کے لئے اتنی کارآمد نہ تھی جتنا کہ ثوابِ آخرت کا کارآمد ہے اور حضرت عباسؓ کو تم سے اچھی ایک چیز مل گئی یعنی خدا تعالیٰ کا قرب لہذا نہ تم خسارہ میں ہونہ وہ۔ تو اگر کوئی اور حکمت سمجھ میں نہ آئے تو یہی حکمت تسلی کے لئے کافی ہے یہ تو قابلِ تقدیر کی حالت تھی۔ اب منکرِ تقدیر کو لیجئے کہ اس کے پاس تسلی اور تسکین کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے وہ عمر بھر اسی رنج میں رہے گا کہ افسوس میں نے فلاں تدبیر کیوں نہیں کی اور فلاں طبیب کے کیوں رجوع نہ کیا کبھی اپنی خطا تجویز کرے گا کبھی معالج کی بے پروائی سمجھے گا اور اس کو بُرا بھلا کہنا شروع کرے گا لیکن وہ ہزار شکاپت کرے بلکہ معالج کو سزا بھی کر دے لیکن اس کے دل کی حسرت کسی طرح کم نہ ہوگی کیونکہ اس کو ہمیشہ یہ خیال رہے گا کہ اگر میں فلاں تدبیر کرتا تو ضرور کامیاب ہوتا تو اس کا غم اس کی عمر کے برابر ہے کہ جب تک زندہ رہے گا غم و رنج ہی میں رہے گا اور قابلِ تقدیر کے غم کی عمر زیادہ سے زیادہ ہفتہ دو ہفتہ۔ اس مثال سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہر علم کی ایک نہ ایک غایت ضرور رکھی ہوئی ہے اگر اہل علم غور کریں گے تو قرآن شریف و حدیث شریف میں بکثرت ان غایات کو پائیں گے غضب کی بات ہے کہ ان

غایات کا اتنا بڑا ذخیرہ اور بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ صاحبو! قطع نظر اس سے کہ یہ علم کا ذی غایتِ عملیہ ہونا فی نفسہ ایک علم ہے اور اس لئے قابلِ تحصیل ہے اس میں ایک بڑا نفع یہ ہے کہ اگر ان غایات پر نظر ہو تو بہت سے شبہات اور شکوک کا خاتمہ ہو جاتا ہے مثلاً مسئلہ تقدیر کی غایت معلوم ہونے سے یہ نفع ہو گا کہ اس مسئلہ پر جو بہت سے شبہات ہوتے ہیں وہ جاتے رہیں گے کیونکہ جو شخص غایت کو سمجھ کر کام میں لگے گا اس کو شبہ واقع ہونے کی نوبت ہی نہ آئے گی اسی طرح مثلاً نزولِ باری کے متعلق شبہ کیا جاتا ہے کہ نقل و حرکت اجسام کا خاصہ لہذا کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کے لئے خواص اجسام ثابت کئے جائیں۔ صاحبو! مجھے اسی کی شکایت ہے کہ اس شبہ کی نوبت ہی کیوں آتی ہے اصل وجہ اس نوبت آئینی یہ ہے کہ ہم کو اس اطلاعِ دہی کی غایت کا علم نہیں اور جس دن اس غایت کی خبر ہو جائے گی اعتراضات پیدا ہی نہ ہوں گے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص قصبہ کے تحصیلدار کو یہ اطلاع کرے کہ صاحب کلکٹر یہاں سے چھ میل کے فاصلہ پر ڈیرہ ڈالے پڑے ہیں اور تحصیلدار اس خبر کو سن کر اس خبر رساں پر اعتراض کرنے لگے کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا کہ یہ مسافت چھ میل کی ہے اور تم نے کیسے پہچانا کہ وہ کلکٹر ہے وغیرہ وغیرہ تو سمجھا جائے گا کہ تحصیلدار اپنی تحصیل کے کام کو ضروری نہیں سمجھتا نیز اس کو معلوم نہیں کہ کلکٹر کس غرض سے دورہ کر رہا ہے کیونکہ اگر یہ کام کو ضروری سمجھتا اور اس دورہ کی غرض معلوم ہوتی تو ہرگز اس کو ایسے اعتراض نہ سوچتے بلکہ اپنے کام کی فکر ہوتی اور سب سے پہلے اپنے کام کی درستی کی فکر کرتا جب اس سے فراغت ہوتی اس کے بعد البتہ اس قسم کے سوالات کی گنجائش تھی پس خدا تعالیٰ کے نزول کی اطلاع سے بھی مقصود ہم کو یہ جتنا نا ہے کہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں تم انکی طرف متوجہ ہو اور اس نے تم کو یہ شرف بخشا ہے کہ

امروز شاہ شاہاں شاہاں مہماں شدت مارا جبریل بالملائک درباں شدت مارا
 راج بادشاہوں کے بادشاہ ہمارے مہمان ہو ہیں آج جبریل علیہ السلام بہت فرشتوں کو لیکر ہمارے گھر کا پہرہ
 یہ بات تھی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد دلایا تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ حاکم حقیقی کے قرب
 کی خبر سن کر جو کچھ کرتا ہے وہ کر لو مگر افسوس کہ ہم نے کرنے کا کام تو نہ کیا۔ ہاں ترمذی شریف کی

حدیث میں شکوک پیدا کر دینے مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حدیث شریف پڑھا رہے تھے ایک طالب علم نے اس حدیث میں کہ نماز میں حدیث النفس نہ کرنے سے گذشتہ گناہ معاف ہوتے ہیں اعتراض کیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ حدیث نفس بھی نہ ہو مولانا نے اس پر فرمایا کہ بھائی کبھی اس کا ارادہ تم نے کیا ہے؟ اگر کبھی ارادہ کیا ہوتا اور پھر حاصل نہ ہو سکا ہوتا تو یہ سوال زیبا تھا اور جب ارادہ ہی نہیں کیا تو کس منہ سے عیبر الحصول کہا جاتا ہے خوب کہا ہے

سودا قمار عشق میں شیریں کو کہن بازی اگر چہ پانہ سکا سر تو کھوسکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتے عشق باز اے رُویا ہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

فرہاد اپنے عشق میں کامیاب نہیں ہو سکا لیکن آج دفتر عشق میں سب سے اول اس کا نام ہے اس لئے کہ اس نے اپنی وسعت بھر کوشش تو کی لیکن اگر تم بھی کوشش کرتے اور ناکام رہتے تو تمہارے سوالات قابل قدر تھے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ یہ دنیا کی زندگی قیل وقال کے لئے نہیں وجد و حال کے لئے ہے ہاں اشکال کے حل کا وہ وقت ہے جب تمہیں ہر طرح اطمینان کلی نصیب ہو جائے اور یہ اس وقت ہو گا جس کی نسبت ارشاد ہے

دُجُوۃٌ یُّوۡمِنِیۡنِ مُسۡفِرۡةٌ مُّضَاجِحۡةٌ مُّسۡتَبۡشِرۡةٌ (بہت سے چہرے اس روز ایمان کی وجہ سے)

روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں ہوں گے) اس وقت فرصت میں جا کر پوچھ لیجئے گا کہ

نزول کے کیا معنی تھے باقی نری الفاظ کی توجیہ سے تسلی نہیں ہو ا کرتی اور دیکھئے ریحی بہ کرامتے

سب کچھ سنا لیکن کبھی نہ پوچھا کہ یہ کیونکر ہوتا ہے اور اس کو تو کیا پوچھتے ایک ہلکی سی بات کو پوچھا تھا

اسی کی نسبت ارشاد فرمایا گیا کہ یَسۡئَلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَہۡلِیۡطِ قُلۡ ہِیۡ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ (آپے چاندوں

کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آہ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لئے جس کا خلاصہ یہ

ہے کہ بیکار سوالات کے جواب کی ضرورت نہیں نہ اس قسم کے سوالات کی اجازت اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے

کسی شخص نے ایک عارف سے پوچھا کہ معراج میں کیا کیا باتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا

تعالیٰ سے کیں چونکہ یہ ضروری سوال تھا جواب دیا کہ

اکنوں کبرادماغ کہ پُرسد تر باغبان بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

دب کس کا دماغ ہے اور کس کی ہمت ہے باغبان سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا پھول نے کیا سنا اور باغبان نے کیا کیا اور صاحبو! ذاتِ صفاتِ باری میں حق کس کو ہے کہ وہ کچھ زبان کھول سکے اور دماغ کس کا ہے کہ وہ کچھ سمجھ سکے۔

۵۔ تو ندیدی گھے سلیمان را
چہ شناسی زبان مرغان را
(جب تو نے حضرت سلیمان ہی کو نہیں دیکھا تو پرندوں کی بولیاں کیا سمجھ سکتا ہے)
نیز یہ بھی ہے کہ ۵

عناقث کار کس نشود دام باز چیں کا
ینجا ہمیشہ باد بدست دست دام را
(اے شکاری اپنا پھندا اٹھالے عنقا (شہ باز) کا شکار کوئی نہیں کر سکتا اس جگہ ہمیشہ ہوا
ہی کے پھندے کو توڑ دیا ہے یا پھندے کے اندر ہوا ہی رہی ہے)

اور یہی وجہ ہے کہ علامہ غزالی رحمہ اللہ اپنی تصانیف میں علم کلام پر بہت انکار کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو اس شعر کا حاصل ہے ۵

عناقث کار کس نشود دام باز چیں کا
ینجا ہمیشہ باد بدست دست دام را
غرض ذاتِ صفات کے متعلق احاطہ ہو سکتا ممکن نہیں اس لئے کہ *اَللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ*
اور جب وہ عالم بھر کو محیط ہے تو ایک ضعیف انسان اس کی ذاتِ باصفات کو کما حقہ کیونکر
علماً احاطہ کر سکتا ہے اگر ایک پانی کا کیرا عالم بھر کے سر کی دریا کو شش کرنے لگے اور چاند سورج
پر کہ جو اس کو پانی میں نظر آتی ہیں رائے زنی کرنے لگے تو کیا وہ ان کی پوری جسامت کو دریافت
کر سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہماری وہ حالت ہے کہ ۵

چوں آں کرے کہ در سنگے نہمان ست
زمین و آسمان وے ہمان ست

(اس کیرے کی طرح جو پتھر کے اندر چھپا ہوا ہے اس کا زمین و آسمان وہ ہی ہے)
تو اگر پتھر کا کیرا اس کے اندر رہ کر سنے کہ بہت سی متحرک چیزیں دنیا میں ہیں اور وہ ان سب
کی حقیقت وہاں ہی ڈھونڈھنے لگے اور جب اس کی سمجھ میں نہ آسکیں تو قوطاً از کار کر دے
اور رب کو بیچ بتلا دے تو کیا اس کا بیچ کہنا قابل التفات ہو گا یا اسکی جستجو قابل شمارہ جستجو ہو گی کبھی
نہیں اور یاد رکھو کہ جن لوگوں نے کچھ سمجھ لیا ہے وہ یوں کہتے ہیں ۵

حدیث از مطرب دے گو و باز دہر کتر جو
کہ کس نکشود نکشاید حکمت این معمارا

رگانے بجانے والے اور شراب کے متعلق جو کچھ کہنا ہے کہو اور زمانے کے بھی یہ معلوم کرنے کی فکر میں نہ رہو کیونکہ حکمت کے ذریعہ کوئی بھی اس راز کو نہ سمجھ سکا نہ سمجھ سکتا ہے۔

اے اہل سائنس سائنس کی تحقیق اس وقت کیجئے کہ جب آپ کو اپنے ضروری مشغلوں کی فرصت ہونے لگے اور آنکھ اٹھا کر دیکھئے آپ کس منجد میں پھنسے ہیں خود آپ کا ضروری مشغلہ ایسا عظیم الشان ہے کہ وہ بحرِ سیتبِ بحرِ عشق کہ ہمیشہ کنارہ نیست آبخا جزا اینکہ جاں بسا ز بند چارہ نیست

عشق کا دریا بڑا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اس جگہ تو سولنے اپنی جان کو سپرد کر دینے کے اور کوئی علاج نہیں تو جب اس بحرِ عشق کے بیچ دھم لامتنا ہی ہیں تو اس کو چھوڑ کر کو اکب کے اسرار میں کہاں جا پھنسے اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ کو اکب وغیرہ کا ذکر خود قرآن شریف میں بھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف میں محض خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کے مفرد من الکمال ہونے پر استدلال کرنے کے لئے ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس مقصود کے حاصل کرنے کے لئے ان چیزوں کا اجمالی علم کافی ہے جس کو ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے چنانچہ ایک بدوی کا قول ہے *الْبَعْرَةَ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيرَةِ وَالْآثَرَ يَدُلُّ عَلَى الْمَيْدِ وَالسَّمَاءُ ذَاتُ الْاَبْرَاجِ وَالْاَرْضُ ذَاتُ الْفَجَاجِ كَيْفَ لَا يَدُلُّ لَانَ عَلَى اللَّطِيفِ الْجَبْرِ* (اونٹ کی میگنیوں سے سمجھا جاتا ہے کہ یہاں سے اونسٹے گزرا ہے قدموں کے نشان دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ یہاں سے کوئی گزرا ہے تو پھر یہ برجوں والے آسمان اور گڑھوں والی زمین کو دیکھ کر اس کے بنانے والے اللہ تعالیٰ کو نہیں سمجھا جاسکتا جو لطیف بھی اور باخبر بھی ہے) صاحبو! اس سے زیادہ اور کیا پاکیزہ استدلال ہو گا اب فرمائیے کہ اس بدوی نے سائنس اور ہدیت کی کونسی کتاب پڑھی تھی اور کس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی صرف ایک چیز کو دیکھا اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر استدلال کیا پس قرآن مجید میں بھی بقدر ضرورت اجمالاً ایسے مضامین آئے ہیں انکی فضول تحقیقاً جن پر استدلال علی الصانع موقوف نہ ہوندا کہ نہیں غرض ان امور میں پڑنا ایک شغل لایعنی ہے پھر آج اس سے بھی زیادہ یہ غضب کیا جا رہا کہ سائنس کے ان لایعنی مسائل کو قرآن شریف میں تلاش کیا جاتا ہے صاحبو! اس قسم کے مسائل قرآن شریف میں تلاش کرنا ایسا جیسے طب اکبر میں جو تیاں سے کی ترکیب تلاش کرنا۔ غرض جو شخص کام میں لگے گا اس کو اس قسم کی خرافا کی طرف توجہ نہ ہوگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس قسم کے سوالات نہ کرنا بتلا رہا ہے کہ یہ سوالات سب غیر ضروری اور بے کار ہیں صرف اس قدر

اجمالاً سمجھنا کافی ہے کہ یہ مصنوعات ہیں لہذا ان کے لئے کسی صنایع کا ہونا ضروری ہے۔ اب توحید کی غایت کو سمجھتے اس کو اہتمام کے لئے مکرر بیان کرتا ہوں کہ ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ هُوَ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ کہ خدا کا کوئی شریک نہیں وہ بے زنا ہے نہ اس نے کسی کو جنم دیا نہ اس کو جنم دیا اس کے کوئی کفو نہیں۔ اس تعلیم کی ایک غایت تو یہ ہے کہ اس کے اعتقاد سے ہم کو نجات حاصل ہو دوسرا ایک غایت اس کی یہ بھی ہے کہ غیر خدا پر کبھی طمعاً و خوفاً نظر نہ ہو کیونکہ طبعی امر ہے کہ جب کسی بہت بڑے سے تعلق ہو جاتا ہے تو چھوٹوں کی ہدیت یا احتیاج دل میں باقی نہیں رہا کرتی۔ اکبر شاہ کی حکایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شکار میں گیا اتفاقاً تین تنہا ہیں دور نکل گیا ایک دیہاتی کے یہاں مہمان ہو واجب چلنے لگا تو اس دیہاتی سے کہا کہ اگر تم کو کبھی حاجت واقع ہو تو تم دارالسلطنت میں ہمارے پاس آنا چنانچہ وہ ایک بار آیا اکبر اس وقت نماز پڑھ رہا تھا نماز سے فارغ ہو کر اس نے دعا مانگی جب دعا سے بھی فریاد کر چکا تو اس دیہاتی نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے۔ اکبر نے کہا کہ میں خدا تعالیٰ سے دعا مانگ رہا تھا۔ دیہاتی نے کہا تم کو بھی مانگنے کی ضرورت ہے؟ اکبر نے کہا کہ بیشک مجھے بھی ضرورت ہے۔ کہنے لگا کہ پھر مجھے تم سوجت کہنے کی کیا ضرورت جو شخص تمہارے شاہانہ سوالات کو پورا کرے گا کیا وہ میرے عزیزانہ سوالات کو پورا نہ کرے گا۔ تو یہ استغنا اس توحید ہی کے رنگ کی بدولت تھا جو کہ چھلک اٹھا اسی کو کہتے ہیں۔

موحد چہ بر پائے ریزہ زرش

چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد ز کس

ایں ست بنیاد توحید و بس

ایک اللہ تعالیٰ پر یقین اور بھروسہ رکھنے والا سونے چاندی کو ٹھوکرے سے مارتا ہے خواہ تم اس کے قدموں میں نہ روزیو رکھو یا اس کے سر پر ہندی لوہے کی مشہور تلوار رکھو۔

اسی طرح عقائد کے ہر مسئلہ کی ایک غایت علاوہ نجات کے قرآن شریف و حدیث شریف میں ملے گی تو ان غایات کو بالکل نظر انداز نہ کر دینا بڑا ظلم ہے ان کو بھی لینا چاہیے۔ اس تقریر سے یہ ثابت ہو گئی جس طرح ہر عمل کو علم سے تعلق ہے اسی طرح ہر علم کو بھی عمل سے تعلق ہے گو کیفیت تعلق کی مختلف ہو لہذا بڑی کمی ہوگی کہ صرف علم کو بیان کر کے چھوڑ دیا جائے اور اس کے متعلق عمل کو بیان نہ کیا جائے۔ یہاں تک تمہید تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بحث علمی کے بعد ضرورت اس کی بھی ہے کہ اعمال سے بحث کی جائے

اسی واسطے میں نے اس آیت کو اس وقت پڑھا ہے تاکہ مولوی شبیر احمد صنا کے بیانِ علمی کے بعد اسی آیت کا بیان عملی بھی ہو جائے۔ بالجملہ اس میں خدا تعالیٰ ایک شکرانہ کو ظاہر فرماتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت چھوڑتے ہو یہاں تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ کے بعد تَذَرُونَ الْآخِرَةَ (تم جلدی سے ملنے والی چیز دنیا سے محبت کرتے ہو اور چھوڑ دیتے ہو آخرت کو) بڑھانے سے حبِ دنیا کی تفسیر بھی ہوگی یعنی حبِ دنیا اس کو کہیں گے جس میں آخرت کا ترک ہو جائے اور اسی سے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ کے معنی بھی سمجھ میں آئے ہوں گے یعنی حبِ دنیا وہ ہے کہ اس کی بدولت آخرت چھوٹ جائے ورنہ اگر آخرت نہ چھوٹے تو وہ حبِ دنیا سمجھی جائے گی اور وہ رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ میں داخل نہ ہوگی گو اس کی طرف طبعی میلان اور بقدر ضرورت اس کا اکتساب بھی ہو اس کے دریافت کرنے سے بہت سے اثر کا لارفع ہو چکا ہے کیونکہ فدا یان ترقی یہ سمجھتے ہیں کہ علماء ہم کو دنیا کے لینے سے بالکل روکتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم سب کے ملا ہو کر بیٹھ رہیں چنانچہ ان لوگوں نے اس قسم کی ایک حکایت بھی گواہی ہے کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے ہاں بہت سے مولوی جمع ہو گئے تھے رتبے اتفاق کر کے بادشاہ سے کہا کہ فوج پر یہ روپیہ فضول خرچ ہو رہا ہے سب کو موقوف کر دو اس لئے کہا کہ فوج اس ضرورت سے رکھی ہے کہ اگر کوئی غنیمت آئے تو یہ اس کو دفع کریں مولویوں نے کہا کہ اگر ایسا ہوگا تو اس کام کو ہم انجام دیں گے۔ غرض فوج موقوف کر دی گئی یہ خبر مشہور ہوئی تو کوئی غنیمت آچڑھا۔ بادشاہ نے مولویوں سے خبر کی یہ لوگ کتابیں لیکر پہنچے اور وعظ و نصیحت سنایا وہ کیوں سننے لگا تھا آخر ناکام واپس آئے اور بادشاہ سے کہا کہ صاحب وہ بڑا نالائق ہے مانتا نہیں خیر پھر آپ ملک چھوڑ دیجئے آپ کا ملک گیا اس کا ایمان گیا اور اس حکایت کو پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ مولویوں کے کہنے پر چلیں تو گھر بار سب چھوڑ دیں۔ صاحبو! اس افواہی حکایت کی تو کچھ اصل ہی نہیں ہے جس کا جواب دیا جائے لیکن اصل اعتراض کی نسبت کہتا ہوں کہ آپ لوگ کسی مولوی کے پاس رہے نہیں اس لئے آپ کو اس قدر وحشت اور اجنبیت ہے چند روز تک اگر کسی مولوی کے پاس رہے تو ان شاء اللہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ مولوی کیا تعلیم آپ کو دیتے ہیں اور اگر کہئے کہ ہم اتنا وقت کہاں سے لائیں تو میں کہوں گا کہ آپ امراضِ جسمانی کی ضرورت کی رخصت

لیتے ہیں یا نہیں اور اس رخصت میں تین تین چار چار مہینے گنوا دیتے ہیں یا نہیں تو جو بامراض جسمانی کے لئے ایک سول سرجن انگریزی کے کہنے سے چار مہینے فضول برباد کر دیئے تو امراضِ روحانی کے علاج کے لئے ایک عربی سول سرجن کے کہنے سے سچا چار مہینے کے چالیس دن ہی اس کے پاس فارغ ہو کر رہ لو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ معتقدانہ رہو بلکہ ممتحنانہ رہنے کی اجازت ہے ہاں معاندانہ طور پر نہ رہو اب اس سے زیادہ اور کیا آسانی ہوگی کہ عمر بھر میں سے صرف چالیس دن ملنے جائیں اللہ اگر آپ ایسا کر لیں تو قریب قریب تمام سوالات کے جوابات خود بخود بدوں مناظرہ کے آپ کی سمجھ میں آجائیں اور جب آپ چلنے لگیں اس وقت آپ پوچھا جائیگا آیا یہ کہنا صحیح تھا یا نہیں کہ

اے لفتائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(اے وہ ذات کہ تیری ملاقات ہی سے سب سوالوں کا جواب مل جاتا ہے اور تیرا ذریعہ ساری

مشکلیں بغیر حجت کے پوری ہو جاتی ہیں)

اور اس وقت کہا جائے گا کہ دیکھ لو

آفتاب آمد دلیل آفتاب گمراہی لیلت باید از وی رُو مناب

(آفتاب خود آفتاب کی دلیل ہے اگر تو اس کے وجود کی دلیل چاہتا ہے تو اس کی طرف سے چہرہ مت ہٹا) اور چالیس دن کی تخصیص اپنی رائے سے نہیں کرتا بلکہ خود حدیث سے ہم کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اگر ہم چالیس دن تک کسی کام کو بنا دے کہ میں تو پھر ہماری مدد ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا جَرَى اللَّهُ مِنْ قَلْبِهِ بِنَابِعِ الْحِكْمَةِ أَوْ كَمَا قَالَ (جس شخص نے چالیس دن خالص اللہ کے لئے کر دیئے اللہ تعالیٰ اس کے دل سے حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہو جائیے کہ ہر ضرورت میں ہماری دستگیری فرمائی اور ایک معیار ہم کو بتلادیا کہ اس کے موافق ہم باطمینان کام کر سکیں اور وہ معیار یہ ہے کہ اس میں خلاص ہو ایسا چل نہ ہو جیسا کہ ایک گنوار نے کیا تھا کہ اس کو مولوی صاحب نے تاز پڑھنے کے لئے کہا اور چلہ بھر پڑھنے پر ایک بھینس دینے کا وعدہ کیا جب چلہ پورا ہو گیا تو یہ شخص مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہا چالیس دن پورے ہو گئے لہذا بھینس دیجئے مولوی صاحب نے کہا کہ بھائی میں نے تو اس کو کہہ دیا تھا کہ اگر تو نے چلہ بھر جم کر تاز پڑھ لی تو عادت پڑ جائے گی اور پھر نہ چھوٹ سکے گی کہنے لگا بہتر ہے نہ دیجئے جاؤ پھر

یاروں نے بھی بے وضو ٹرخائی ہے تو جیسے اس کو بے وضو پڑھنے کی وجہ سے اثر نہ ہوا اسی طرح اگر تم بھی مثلاً اس نیت سے رہو کہ مولوی صاحب کے پاس رہ کر خوب دعوتیں کھانے کو ملیں گی تو خاک بھی اثر نہ ہوگا۔ بلکہ میں یہ بتلائے دیتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس جا کر رہنے کا قصد ہو تو اپنے پاس ہی کھانا بھی ہوگا تا کہ خرچ کر کے تعلیمات کی قدر تو ہو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز مفت آتی ہے اس کی کچھ قدر بھی نہیں ہو کرتی لہذا اس تعلیم کا معاوضہ یہ ہے کہ چالیس دن تک اپنا خرچ کر کے رہو مجھے۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے ایک کتاب چھپوانے کے لئے فرمایا میں نے اس کے مفت تقسیم کرنے کا خیال ظاہر کیا فرمایا کہ بھائی مفت تقسیم نہ کرنا کیونکہ لوگ دیکھیں گے بھی نہیں بغرض علماء سے وحشت یا ان پر اعتراضات یا مسائل اسلام میں شکوک اسی وقت تک ہیں کہ جب تک آپ ان کے پاس جا کر نہیں رہتے مگر نہایت افسوس ہے کہ اظہار طلب اور شکوک ہونے کے باوجود بھی یہ نہیں ہوتا کہ چالیس دن کسی کے پاس جا کر رہ لیں۔ قصہ کیرانہ میں ایک تحصیلدار صاحب نے ایک ضا کو پیش کر کے کہا کہ ان کو بعض مسائل اسلام میں شکوک ہیں میں نے کہا ان شکوک کا علاج یہ نہیں کہ اس مختصر جلسہ میں یہ ان کو پیش کریں اور میں جواب دیدوں اور سن کر چلے جائیں ان کا علاج یہ ہے کہ چند روز کے لئے میرے پاس ٹھہرنا بھون میں آکر رہیں اور میں جو کہا کروں اس میں یہ غور کیا کریں ان صاحب نے نہایت زور کے ساتھ تمہارا بھون آکر رہنے کا وعدہ کیا تھا لیکن مدت گزری اور ان کا وعدہ وفا نہیں ہوا اصل بات یہ ہے کہ لوگ اپنی اس حالت کو مرض نہیں سمجھتے حالانکہ یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ کوئی مرض بھی اس کی برابر نہیں نیز مرض بھی پڑتا ہے لہذا ایک دو جلسہ میں اس کا ازالہ ممکن نہیں کم سے کم ایک چلہ تو ضرور طبیب کے پاس رہنا چاہیے جیسا حدیث میں مذکور ہوا اسی حدیث کا حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے گویا ترجمہ کیا ہے۔

شنیدم رہروی در سرزمینی ہمے گفت این معمارا قرینے

کہ اے صوفی شراب انگہ شود صاف کہ در شیشہ ہما ندرار بعینے

(کسی ملک میں بیٹے ایک راستہ چلنے والے شخص سے یہ بات سنی وہ اس بات کو بڑے قاعدے اور

مزے سے کہتا تھا کہ اے صوفی شراب اس وقت صاف ہوتی ہے جبکہ شیشے کے اندر چالیس روز رہے

شیشے سے مراد قلب ہے اور شراب سے مراد محبت الہی ہے معلوم ہوا کہ ایک چلہ علاج کھانے

سے ان شاء اللہ اصل مرض جاتا رہے گا۔ اور پھر ان شاء اللہ عمر بھر مقویات پہنچتی رہیں گی
گو یا مسہل تو طبیب کے پاس رہ کر ہو جائیگا اور ازالہ مرض کے بعد تقویت پہنچانے والی دوا میں
دور رہ کر بھی پہنچتی رہیں گی۔ خدا کے لئے صاحبو اس علاج کو آزما کر تو دیکھو۔ اور چونکہ میں نے اصل
علاج بتلا دیا ہے لہذا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں لوگوں کے جزیئی شکوک اور شبہات
کا جواب دوں لیکن تبرعاً خاص اس مقام کے اقتضا سے اتنا کہتا ہوں کہ تَجِبُونَ الْعَاجِلَةَ کے
بعد بطور تفسیر کے تَذَرُونَ الْآخِرَةَ بڑھا دینے سے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ کے متعلق
شبہات کا جواب ہو گیا کہ حُبُّ الدُّنْيَا وہی ہے جس میں ترکِ آخرت ہونے کے سبب دنیا پس کسب
دنیا جائز ہے اور حُبُّ دُنْيَا ناجائز۔ کسب اور حب میں وہی فرق ہے جو کہ غلیظ کے صاف
کرنے اور کمانے اور اس کے کھانے میں کہ اول براتہیں دوسرا برا اور معیوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ
تَجِبُونَ الْعَاجِلَةَ فرمایا تَكْسِبُونَ الْعَاجِلَةَ نہیں فرمایا اب اپنے اوپر منطبق کر لیجئے اور دیکھئے
کہ آپ تَجِبُونَ کے مصداق ہیں یا تَكْسِبُونَ کے۔ اس انطباق میں عوام سے تو کچھ خوف
اور اندیشہ اس لئے نہیں کہ ان کو کچھ خبر ہی نہیں ان بیچاروں سے جو بات کہہ دی گئی انہوں نے
سن لی اور عمل کر لیا اور علماء سے اس لئے خوف نہیں کہ ان حضرات کی نظریں اصل حقیقت تک
پہنچی ہوئی ہوتی ہیں البتہ ان نیم خواندہ لوگوں سے جو بوجہ نیم ہونے کے تلخ بھی ہیں ڈر لگتا ہے کہ
قرآن شریف کا ترجمہ دیکھ کر یہ نہ کہہ دیں کہ ہم کو یہ آیت سن کر اپنی حالت پر منطبق کرنے کی اس ضرورت
نہیں کہ ہم اس کے مخاطب ہی نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے لہذا کفار اس کے مخاطب ہوں گے
ہم مسلمان اس کے مخاطب نہیں ہو سکتے ہم سے اس آیت کو کیا تعلق لہذا اس کے متعلق عرض کرتا
ہوں اور میں نے اس مضمون کو متعدد مرتبہ اس کے قبل بھی بعض جلسوں میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے
کہ اکثر لوگ آیات کے متعلق یہ سن کر کہ کفار کو خطاب کیا گیا تھا بے فکر ہو جاتے ہیں حالانکہ اس سے
بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ زیادہ فکر میں پڑ جانا چاہیے اور زیادہ اثر لینا چاہیے کیونکہ جب
کوئی آیت عتابیہ کفار کی شان میں نازل ہوتی ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس آیت کے مضمون کا
خطاب کفار کو ان کی ذات کی وجہ سے ہوا ہے یا کسی صفت کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ذات کی
وجہ سے یہ خطاب نہیں ہوا ورنہ ہر انسان کو گو وہ متقی ہی ہو اس کا خطاب ہوتا کیونکہ ذاتاً سب

متحد ہیں اور لازم باطل ہے پس معلوم ہوا کہ کسی صداقت کی وجہ سے یہ خطاب ہوا ہے اور کوئی حالت خاص اس مضمون کے ترتیب کی علت ہے، تو اگر وہ علت کفار کے علاوہ کسی دوسری جگہ بھی پائی جا سکی تو اس جگہ بھی یہ مضمون مرتب ہو گا۔ مثلاً اس آیت میں وعید کا مدار حب العاجلہ ہے لہذا اگر حب العاجلہ تمہارے اندر پائی جا سکی تو تم بھی وعیدِ محبت میں داخل ہو گے پس اب غور کرو اور اگر اپنے اندر حب العاجلہ دیکھو تو بہت جلد اس کا علاج کرو اور اپنی حالت پر افسوس کرو کہ جو امور اس زمانے میں کفار میں بیوتے تھے وہ آج تمہارے یعنی مسلمانوں کے اندر موجود ہیں۔

اسی طرح حدیث مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُنْعَبِدًا فَقَدْ كَفَرَ کسی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کا کام کیا میں تاویل کر کے لوگ بے فکر ہو گئے ہیں حالانکہ یہ بے فکری کی بات نہیں بلکہ اگر تاویل اس میں نہ ہوتی اور حقیقی معنی مراد ہوتے تو کچھ زیادہ مرن نہ تھئی کیونکہ اگر کسی چار کو چار کہہ دیا جائے تو اس کو کچھ غیرت نہ آئے گی اور اگر کسی شریف کو چار کہہ دیا جائے تو اس کو مر رہتا چاہے تو تاویل کرنے سے وعید میں من وجر زیادہ شدت ہو گئی اور زجر بڑھ گیا مگر افسوس کہ ہم لوگ ہم سے کام نہیں لیتے بجز اللہ نیم خزانوں کا شبہ تو رفع ہوا لیکن ایک شبہ تین پاؤ خزانوں کا رہ گیا ہے کہ تَجْوِزُونَ اور تَذَرُونَ سے مطلق محبت اور ترک مراد نہیں بلکہ یہ دونوں لفظ خاص ہیں یعنی وہ ترک مراد ہے جو اعتقاداً ہو اسی طرح محبت کے وہ مراد ہے جو اعتقاداً بقادوام کے ساتھ ہو اور ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں کیونکہ ہم بجز اللہ قیامت کے قائل ہیں دنیا کو فانی جانتے ہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں کوئی قید نہیں اور تمہارے پاس اس قید کی کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل کوئی دعویٰ مسوع نہیں ہوتا پس اس قسم کی قید لگانا قرآن شریف کے مقصود کو باطل کرتا ہے اور ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے کسی مقام پر پہنچ کر ایک مجمع میں بیٹھ کر کہنا شروع کیا میں جب یہاں آیا تو ایک عورت سے میری آشنائی ہوئی اور میں اس کے گھر جایا کرتا تھا اور اس کا گھر ایسا ایسا تھا اور اس کا شوہر ایک بار آ گیا تھا اور اس نے مجھ کو اس طرح چھپا دیا تھا اور اس موقع پر اس عورت کا شوہر بھی تھا اور اس کے پکڑنے کی فکر میں تھا اب یہ اقرار ہی مجرم مجمع کے سامنے ہو گیا جرم ثابت ہونے میں کوئی حجت باقی نہ رہی اس عورت کو خیر ہوئی اور کچھ اشارہ کر دیا جس کو یہ سمجھ گیا اور تمام قصہ ختم کر کے اخیر میں کہہ دیا کہ بس اتنے میں آنکھ کھل گئی تو کچھ بھی نہ تھا لوگوں نے کہا کہ کیا یہ سب خواب تھا کہنے لگا اور نہیں تو بھلا میں

غریب پر دینی مجھ کو کون پوچھتا ہے تو ایسی تاویل آپ حضرات ہی کو مبارک ہو۔ ہمارا اندیشہ تو یہ ہے کہ اَلْمَطْلُوقُ يُجْرِي عَلَى اِطْلَاقِهِ (جس میں کوئی شرط اور قید نہ ہو وہ عام ہی رہیگا) آیت اگر ترکِ عمل کی اباحت کہیں قرآن شریف یا حدیث شریف میں مذکور ہوتی تو البتہ رفعِ تعارض کے لئے اس موقع پر قید مذکور لگا کر تاویل کی جاتی اور اس کے بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مسئلہ اجرائیِ طلاقِ علی الاطلاق ہر جگہ نہیں بلکہ اس مقام پر ہے کہ جہاں مطلق کو اطلاق پر رکھنے میں کسی دوسری آیت یا حدیث سے تعارض واقع نہ ہو اور اگر تعارض ہوگا تو مطلق اپنے اطلاق پر نہ رہے گا غرض یہ ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں کر لیں مگر افسوس ہے کہ ہم کو اس کی ذرا پروا نہیں وہ حالت ہو رہی ہے کہ

برہو تاویل تراں میکنی پست و کز شد از تو معنی سنی

چوں ندارد جان تو قندیل ہا بہرینش میکنی تاویلیہا

کردہ تاویل لفظ بکر را خویش را تاویل کن نے ذکر را

(جو تیرے پاس روشنی کے لئے قندیلیں نہیں ہیں تو تو اپنی عقل کے لئے تاویل میں گھڑ رہا ہے) اور میں علی سبیل التقریل کہتا ہوں کہ اگر یہ معنی مطلق نہ بھی ہوں اور تذرون مقید ہی ہو اعتقاد ہی ترک کے ساتھ مرتب بھی آپ کو بے فکری نہ ہونا چاہیے کیونکہ جس دل میں درد ہوتا ہے اس کو تھوڑے سے التفات سے تنبیہ ہو جاتا ہے گو وہاں دوسری ہی کسی حالت کا بیان ہو مشہور ہے کہ سع عشق ست دہزار بدگمانی حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سبزی فروش سدا لگاتا ہوا نکلا الخیار العشرة بدائق جس کے معنی یہ ہیں کہ دس لکڑیاں ایک دانق کی عوض لیکن حضرت شبلی رحمہ اللہ نے سن کر ایک چیخ ماری اور رونے لگے اور فرمایا کہ جب دس پسندیدہ آدمیوں کی یہ قیمت ہے تو ہم گنہگار کس شمار میں ہیں ان کا ذہن منتقل ہوا اختیار کے دوسرے معنی کی طرف یعنی نیک لوگ۔ ان لوگوں کے دل میں ہر وقت وہی ایک بات رہتی رہتی ہے۔

حضرت جامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

بسکہ در جان نگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدامی شود از دور پیدارم توئی

(حقیقت یہ ہے میری جان میں جان ڈالنے والا اور میری کھلی آنکھ تو ہی ہے اور دور سے بھی جو کچھ مجھے دکھائی دیتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ بس تو ہی ہے)

ممکن ہے کہ کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ شعراء کے کلام سے مسائل پر استلال کیا جاتا ہے اس لئے میں حدیث سے بھی اس کو ثابت کرتا ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے اور صحابہ کرام کچھ کھڑے کچھ بیٹھے تھے اور کچھ آ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَجْلِسُوا یعنی بیٹھ جاؤ اس ارشاد کو سن کر جو شخص جس جگہ تھا اسی جگہ بیٹھ گیا حتیٰ کہ ایک صحابیؓ اسی وقت مسجد میں داخل ہوئے تھے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سن کر فوراً جوتوں کے پاس بیٹھ گئے حالانکہ جانتے تھے کہ مخاطب وہ لوگ ہیں جو جگہ پر پہنچ کر بھی بیٹھے نہیں لیکن محض اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اور تمہارے کانوں میں پڑا ہے اگرچہ تم بظاہر مخاطب نہیں لیکن خطاب محبوب کو سننے والے تو ہو لہذا بیٹھ ہی جانا چاہیے تو آپ لوگ جامی اور شبلیؒ کو بھی جانے دیجئے خود حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دردِ دل کا اور محبت کا مقتضایہ ہے کہ احتمال پر بلکہ مشابہت احتمال پر بھی اپنے کو مخاطب سمجھے اگرچہ اپنے مخاطب ہونے کا یقین نہ ہو بلکہ مخاطب نہ ہونے کا بھی یقین ہو مگر یہ سمجھ لیجئے کہ جامیؒ کو چھوڑ کر جام نصیب نہ ہو گا غرض جس طرح آپ چاہیں ثابت سمجھیں حدیث سے یا شعراء کے اقوال سے ہمارا مقصود ہر طرح حاصل ہے اب میں مقصود کی تفصیل کرتا ہوں کہ اس آیت میں حُرَّتِ عَاجِلَةٍ پر ملامت فرمائی گئی ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں تو جس درجہ کی محبت ہوگی اسی درجہ کی ملامت بھی اس پر مرتب ہوگی۔ ایک درجہ تو محبت کا انتہائی ہے جس کو کفر کہتے ہیں اور اس پر ابد الابد کی سزا اور ملامت مرتب ہوگی بحمد اللہ مسلمان اس سے تو پاک ہیں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اعتقاد تو صحیح ہے یعنی آخرت کے امکان اور وجود دونوں کا قائل ہے لیکن اس اعتقاد اور علم کا جو نتیجہ ہوتا چاہیے تھا کہ اعمال درست ہوتے خشیت کا غلبہ ہوتا دنیا سے دل سرد ہوتا یہ بات نہیں ہے اس کے متعلق خدا تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ کہ قیامت کا دن جس میں حساب کتاب ہوگا اور ایک

جزئی عمل کو جانچا جائے گا۔ سر پر آگیا ہے مگر لوگ ابھی خوابِ غفلت میں مست ہیں جو لوگ صرف علم کو کافی سمجھ کر عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے وہ اس میں غور کریں اور دیکھیں کہ اب بخفی ان کی رائے صحیح رہتی ہے یا نہیں۔ صاحبو! یاد رکھو یہ مرجیہ کا مذہب ہے۔ آپ لوگ اگرچہ درجہ اعتقاد میں اس کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے اعتقادی مؤاخذے سے نجات پا جائیں لیکن بالکل بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ صاحبو! ہم لوگ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل سنت والجماعت ہیں ہمارے نزدیک ہر ایک چیز اپنے درجے پر ہے۔ علم اپنے درجے پر ہے اور عمل اپنے درجے پر ہے۔ اور یہ نہ سمجھو کہ ترکِ عمل گناہِ صغیرہ ہے اس لئے قابلِ توجہ نہیں کیونکہ اول تو یہ گناہِ صغیرہ نہیں بلکہ کبیرہ ہے۔ دوسرے اگر بالفرض صغیرہ بھی ہوتا تب بھی قابلِ توجہ تھا اس لئے کہ گناہِ صغیرہ اور کبیرہ کی مثال چھوٹی چنگاری اور بڑے انگارے کی سی ہے یعنی جس طرح ایک بڑا انگارہ غفلت ہونے کی صورت میں قصرِ عالیشان کو خاکستر بنا دینے کے لئے کافی ہے اسی طرح ایک چنگاری بھی تھوڑی مدت میں اس انگارے کی برابر بلکہ اس سے زائد کام کر سکتی ہے اور اگر اب بھی کسی صاحب کو گناہِ صغیرہ کے قابلِ ترک ہونے میں تامل ہو تو وہ مہربانی کر کے ایک چھوٹی چنگاری اپنے گھر کے چھپر میں رکھ کر دیکھ لیں۔ صاحبو! سچ کہتا ہوں کہ تمہارے قصرِ ایمان کے لئے گناہِ صغیرہ ایسا ہی ہے جیسے چھپر کیلئے چھوٹی چنگاری اور یہ گفتگو علیٰ سبیل التذکرہ تھی ورنہ جیسا پہلے کہا جا چکا ہے ترکِ عملِ صغیرہ نہیں۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ شریعت کے خلاف وضع رکھنا یا رشوت لینا عدل نہ کرتا چوری کرنا ہمیشہ دائرہ ہی منڈانا کھنوں سے نیچے یا کھنوں کی برابر پا جاوے پہننا معافی صغیرہ ہیں۔ کبھی نہیں۔ البتہ کفر سے کم ہیں لیکن جو چیزیں کفر سے کم ہوں ان سے بے فکری کی اجازت مل جانا ضروری نہیں ہے۔

آسمان نسبتِ بعرشِ آند فرود
لیک بس عالیست پیشِ خاک تُوڈ
(عرشِ الہی کے لحاظ سے تو آسمان نیچے ہے مگر مٹی کے ڈھیر اور پہاڑوں سے بہت بلند ہے)
صاحبو! چھوٹا بڑا ہونا امراضِ اضافی ہے لہذا ممکن ہے کہ جو امر دوسرے امر کی نسبت چھوٹا ہو وہ نظرِ آلی ذابہ بہت بڑا ہو۔ ہمارے عرف میں باپ کے بڑے بھائی کو تایا، کہتے

ہیں تو باپ تایا سے چھوٹا ہوتا ہے لیکن کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ تایا سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اپنے باپ کو اپنا صاحبزادہ سمجھنے اور کہنے لگا ہو بلکہ تایا کی برابر ہی اسکی عزت بھی کی جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اگرچہ تایا کی نسبت چھوٹا ہے لیکن فی نفسہ تو چھوٹا نہیں اسی طرح عمل کا گناہ اگرچہ کفر سے چھوٹا ہے لیکن فی نفسہ وہ چھوٹا نہیں ہے اور عمل کو ضروری نہ سمجھنے کی بنا کہ عملی حُبِ عاجلہ ہے ایسی عام ہے کہ اس میں عوام علماء بلکہ اہل باطن کم و بیش سب ہی مبتلا ہیں۔ لیکن سب کا ابتلا مختلف حیثیتوں اور مختلف مراتب کا ہے اسی لئے ممکن ہے کہ بعض فرقوں کا ترکِ عملِ صغیرہ ہی کے مرتبہ میں ہو یا بعض خلافِ اولیٰ ہی کے مرتکب ہو رہے ہیں لیکن جس طریق میں وہ ترک پیش آ رہا ہے اس کے اعتبار سے وہ کبیرہ یعنی مہتمم بالشان ہی سمجھا جائے گا۔ پس سب بڑا درجہ تو کفر ہے اُس کے بعد مسلمان دنیا داروں کی حالت۔ بالخصوص ان میں سے ایک خاص جماعت کی جس کو اس زمانہ کی نیرنگیِ جدت نے بید متاثر کیا ہے یہ لوگ خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل نہیں اس کو برحق مانتے ہیں لیکن ایسا مانتے ہیں کہ وہ ماننا نہ ماننے کی برابر ہے چنانچہ بعض یہاں تک کہتے ہیں کہ ضرورتِ مذہبِ مجبور کرتی ہے کہ خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا جائے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ ہم اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور اسلام کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں اس لئے ہم کو بھی ماننا چاہیے اور اس اعتقادِ تسلیم کی جو حقیقت ہے ظاہر ہے۔ نیز بعض لوگ ان میں ایسے بھی ہیں کہ محض قومیت کی وجہ سے مذہب اور مذہب کے مسائل کے قائل ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ترقی قومی ان لوگوں کے نزدیک اصل مقصود ہے اور ترقی بدون اتحاد کے حاصل نہیں ہو سکتی اور حصول اتحاد قومی کے لئے اتحادِ مذہب سب سے اچھا ذریعہ ہے لہذا ہم سب کو ایک مذہب ماننا چاہیے تو چونکہ اتحادِ مذہب ترقی قومی کا موقوف علیہ ہے اس لئے مجبوراً اس کو مانا جاتا ہے تاکہ ان کا تمدن اور ترقی محفوظ رہے اس جماعت کے نزدیک اسلام کی جو وقعت ہے وہ بالکل ہی ظاہر ہے یعنی اس نے مذہبِ اسلام کو ایک دنیوی مطلوب کے حصول کا اقرار دیا اور آلہ خود مقصود بالذات نہیں ہوا کرتا بلکہ اگر کبھی مقصود کسی دوسرے طریقے سے

حاصل ہونا ممکن ہو تو آلہ کو ترک کر دیا جاتا ہے لہذا یقینی ہے کہ اگر بدون اتحاد فی المذہب کے کسی دوسرے طریقہ سے تمدنی ترقی ان لوگوں کو حاصل ہو سکے تو ہرگز یہ متحد فی المذہب نہ رہیں یا کم از کم اس اتحاد کو غیر ضروری سمجھنے لگیں یا اگر اتحاد پر تو موقوف ہو لیکن اتحاد فی الاسلام پر موقوف نہ ہو تو ہرگز یہ لوگ مسلمان نہ رہیں۔ چنانچہ اسی جماعت کے ایک صاحبِ حال نے یہ رائے پیش کی تھی کہ دنیا میں سب کے لئے ایک مذہب ہونا چاہیے۔ اور وہ مذہب توحید ہے غیر موحدین کو توحید اختیار کرنا چاہئے اور اہل توحید کو اعتقاد رسالت کی قید سے قطع نظر کرنا چاہئے اگر کوئی شخص رسالت سے مختلف رائے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اس کو مذہب کا مخالف نہ سمجھنا چاہئے (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا۔ اللّٰهُ تَعَالٰی ہَمُّ کُوہِمَارے نفس کی برائیوں سے بچائے) صاحبو! یہ وہی مذہب ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے۔

از مذہب من گیر دمسلمان گلمہ دارد

اور لیجئے ایک مسلمان نے ایک مجمع میں کہا کہ توحید بے مدارِ نجات ہے رسالت کا اقرار کوئی ضروری مسئلہ نہیں ہے اگر اس کا کوئی منکر بھی ہو تو اس کی نجات ہو جائے گی میں نے جواب میں کہا کہ توحید کو تو موقوف علیہ نجات کا مانا جاتا ہے اب سمجھو کہ توحید کی حقیقت کیا ہے؟ سو توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ہم ایسا معبود ایک مانیں کہ نہ اس کا کوئی شریک و ہمہیم ہو نہ کمالات میں کوئی حالت منتظرہ اس میں باقی ہو نہ عیوب میں سے کوئی عیب اس کے اندر پایا جاتا ہو اگر کوئی عیب خدا میں کوئی مانے وہ توحید کا منکر ہوگا۔ اور منجملہ عیوب کے ایک عیب وقوع کذب بھی ہے لہذا جس میں کذب پایا جائیگا وہ خدا نہ ہوگا اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط تو جو شخص آپ کو رسول نہ مانے اس نے خدا کو کاذب کہا اور جو کاذب کہے وہ موحّد نہیں پس جو شخص آپ کو رسول نہ مانے وہ موحّد نہیں پس انکار رسالت مستلزم ہے انکار خدا کو تو ثابت ہوا کہ منکر رسالت کو تمہارے ہی قاعدے سے نجات نہیں ہو سکتی اور میں نے کہا کہ قیامت تک اس کے جواب کی مہلت دیتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ غرض ان لوگوں کا مذہب محض

ان کی قوم ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی کسی اسلامی خدمت سے مسلمانوں کا دل خوش نہیں ہوتا کیونکہ ان کی تمام خدمات قوم کی دنیاوی ترقی کے لئے ہوتی ہیں اسلام کے لئے نہیں ہوتیں دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر یہ خدمات اسلام کے لئے ہوتیں تو اس کی غایت رضا و خداوندی ہوتی جو کہ اسلام کی اصلی غایت ہے اور اگر یہ غایت ہوتی تو اس کے آثار بھی ضرور نمایاں معلوم ہوتے اور ہر کام میں اس کی جھلک موجود ہوتی حالانکہ ہم اس کے برخلاف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اہل دین اور خادین مذہب کو نہایت درجہ ذلیل سمجھتے ہیں اور ان پر تمسخر کرتے ہیں۔ نماز روزہ عبادات میں شکوک پیدا کئے جلاتے ہیں تو اگر یہ لوگ مذہب اسلام کو حق سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا کے جو یاں ہیں تو ان حرکات کی کیا وجہ معلوم ہو کہ محض قوم کے لئے سب خدمات کی جاتی ہیں اور طرہ یہ کہ قوم کے لئے بھی جو کچھ نامبارک بیداری پیدا ہوئی وہ دوسری قوموں کو ہندوؤں، آریوں، عیسائیوں کو دیکھ کر اور نامبارک بیداری اس لئے کہا گیا کہ دین سے لاپرواہی اور اعتراضات یہ اسی بیداری کا نتیجہ ہیں ان کے لئے اس بیداری سے خواب ہی بہتر تھا۔

ظالمی راخفتہ دیدم نیم روز گفتم این فتنہ است خوابش بُردہ بہ
آنکہ خوابش بہتر از بیداریست آں چنا بدتر ندگانی مُردہ بہ

میں نے ایک ظالم شخص کو دوپہر میں سوتے ہوئے دیکھا میں نے دل میں کہا یہ ایک فتنہ ہے اس کا سوتا ہی بہتر ہے اور جو شخص ایسا ہو کہ جاگنے سے اس کا سوتا ہی بہتر ہو ایسی بری زندگی والے کا مر جانا ہی بہتر ہے۔

صاحبو! ہمارے پرانی وضع کے امراء اگرچہ بہت قبائح میں گرفتار ہیں گنہگار ہیں بد عمل ہیں لیکن ان میں اتنی بات اب بھی باقی ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام یا ارشادات و احکام منکر شرمندہ ہو جاتے ہیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں اپنے کو خطا دار سمجھتے ہیں خدا کے نیک بندوں کے سامنے تسلیم خم کر دیتے ہیں وہ اگرچہ بھنگرہ ہی ہوں لیکن ان میں فروتنی، عجز و انکسار نیک نیتی ضرور ہے تو ایسے لوگ علی غلطی میں مبتلا ہیں اور ایسے قابلِ رحم ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کی ایک شہر کے متعلق میرے ایک بزرگ کہتے تھے کہ اس جگہ کے فقیر

جہنمی اور امیر سب جنتی ہیں کیونکہ امرا تو فقیر اور کو اللہ والا سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فقرا تحصیل مال و جاہ کے لئے امرا سے ملتے ہیں آجکل کے پیروں کی حالت سوچ کر مجھے ایک شخص کا خواب یاد آتا ہے کہ اس نے اپنے پیر سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے یعنی یہ کہ میری انگلیوں میں بخاست لگی ہے اور آپ کی انگلیوں میں شہد لگا ہے۔ پیر صاحب نے کہا تو دنیا کا کتا گنہگار ہے ہم تارکِ دنیا ہیں ایسا تو ہونا ہی چاہیے۔ مرید نے عرض کیا کہ حضور! بھی خواب ختم نہیں ہوا میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں آپ کی انگلیاں چاٹ رہا ہوں اور آپ میری انگلیاں اس پر پیر صفا بہت خفا ہوئے۔ خیر یہ خواب تو خواہ صحیح ہو یا غلط لیکن آجکل کے مکار اور طالبِ دنیا پیروں کی حالت تو واقعی ایسی ہی ہے مقصود یہ ہے کہ پرانی وضع کے لوگ اگرچہ زند بھی ہوں لیکن وہ دین کا جو کچھ کام کرتے ہیں دین کی نیت سے کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں میں اگرچہ بیدار مغزی نہیں بلکہ بڑی رندی ہے لیکن ان کی جا پر یاد آتا ہے کہ

گنہ آمر ز رنداں متدرج خوار بطاعت گیر پیرانِ ریاکار
 (وہ شراب خور آزاد لوگ بھی جو پیٹ پر پیٹ چڑھاتے ہیں اور نئے نئے گناہ ایجاد کرتے ہیں ریاکار پیروں کا اظہار ہیں)
 ایک بھنگر بھی اگر ان کے سامنے خدائی حکم بیان کرے تو وہ خوف زدہ ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ اگرچہ بد عمل ہیں لیکن ان میں قوتِ ایمان ضرور ہے اور اس قوتِ ایمان کی بدولت ایسے لوگ پیروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں اگرچہ اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے پیر پرستی تک نوبت پہنچا دی ہے بلکہ پیروں سے گذر کر قبر پرستی تک پہنچ گئے ہیں لیکن ان گنہگاروں میں اور بیدار مغز آزادوں میں اعزازِ کبر کے دَحْوِ اللہِ الشَّابَشِ الْأَوَّلِ (اللہ تعالیٰ پہلے کفن چور پیر رحم کریں) یاد آتا ہے یہ زبانِ عربی کی ایک مثل ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نباشی کیا کرتا تھا اہل شہر اس سخت عاجز تھے کہ یہ مر جا آخر ایک روز وہ مر گیا اس کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے نے پدری کام انجام دینا شروع کیا لیکن اتنا اضافہ بھی اس کام میں کر لیا کہ کفن چرا کر مردہ کے ایک میخ ٹھوک دیتا تھا اس پر یہ مثل جاری ہوئی اور عام ہو کر ہر ایسے موقع پر کہ دو بڑے آدمیوں میں سے دوسرا پہلے سے زیادہ بڑا ہو بولی جانے لگی تو نباشی کے اعتبار سے اگرچہ پہلا اور دوسرا دونوں قابلِ نفرین ہیں لیکن اضافہ کی رُے دوسرا زیادہ قابلِ ملامت ہے اور پہلا اس کے مقابلے میں قابلِ مدح۔ اسی طرح نفس گناہ

کے اعتبار سے دونوں فرقوں کی حالت افسوس کے قابل ہے لیکن پرانی وضع کے لوگ ابھی تک دولت ایمان سے بہرہ ور ہیں اور انکی یہ حالت کسی درجے میں اب بھی یہ ہے کہ اِذَا تَلَّيْتُمْ عَلٰی عِلْمِ اٰيَتِنَا ذَا دَنْتُمْ اِيْمَانًا کہ جب ان کے سامنے خدا تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور اس کے احکام سنائے جاتے ہیں تو ان کے ایمان کو قوت ہوتی ہے اور اپنی بد عملی پر رنج اور افسوس ہوتا ہے۔ برخلاف اس کو پیدا جماعت کے کہ یہ لوگ اکثر عملی خرفات سے تو پرہیز کرتے ہیں ناچ نہیں دیکھتے فضول رسوم کو رکھتے ہیں بیوی کو فضول زیور بنانے سے روکتے ہیں وغیرہ وغیرہ اگرچہ یہ سب باتیں بھی ان لوگوں کی دوسروں ہی کے لئے ہیں مثلاً بیوی کو تو فضول روپیہ خرچ کرنے سے روکتے ہیں اور خود سیکرہ روپیہ ہار مونیٹ وغیرہ خرافات میں برباد کر دیتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی اس روک ٹوک کو دیکھ کر بھولے بھولے مولوی بہت خوش ہوتے ہیں حالانکہ یہ کوئی مسرت کے قابل نہیں اس لئے کہ یہ ممانعت خلاف شرع ہونے کی نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس قسم کی رسوم وغیرہ خلاف عقل ہیں اور اگر شریعت کے خیال سے ممانعت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ رسوم شادی عینی کو تو روکا جائے اور سود و رشوت کی آمدنی کو حلال بنانے کی کوشش کی جائے۔ غرض یہ کہ یہ جماعت ظاہری حالت کے اعتبار سے سراپا مذہب ہے مگر مذہب بالکل الگ ہے اور ان کا سارا اسلام محض دنیا کی درستی ہے اور اسی لئے ان کا ذکاوت یا جدت بالکل قابل قدر نہیں ہے میرے نزدیک ان لوگوں کی سرحد بھی قسم اول بعض منکرین اسلام کی سرحد سے ملی ہوئی ہے گو ملک الگ الگ ہیں لہذا ان کی حالت بھی نہایت خطرناک ہے اور چونکہ یہ لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اس لئے ہم بھی خاموش ہیں ورنہ انصاف یہ ہے کہ ان لوگوں میں کوئی بات بھی اسلام کی نہیں ہے بلکہ ہر بات اسلام کے خلاف ہے۔ اور اس کا علاج یہ ہی ہے کہ چند روز کسی صاحب باطن کے پاس رہے۔ میں نہایت شفقت سے کہتا ہوں کہ اگر اپنی اصلاح کی فکر ہے اور اصلاح کو ضروری سمجھتے ہو تو چند روز کسی مولوی کے پاس رہ لو اگر کہو کہ مولوی تو سب کھانے پینے کے ہوتے ہیں ان کے پاس رہنے سے اصلاح کیونکر ہوگی تو میں کہتا ہوں کہ یہ خیال بالکل غلط ہے تم سب مولویوں کے پاس تھوڑا تھوڑا قیام کہ کے دیکھ لو ان شاء اللہ تم کو اپنی غلطی خود معلوم ہو جائے گی اور دیکھ لو گے سب ایک طرح کے نہیں ان میں تمہارے

مصلح بھی ملیں گے اور اگر ایسا کرنا یعنی ایک کو دیکھ کر آکر پھر دوسرے کی طرف رجوع کرنا دشوار معلوم ہو تو میں کہوں گا کہ اگر کسی بازاری عورت سے محبت ہو جاتی ہے اور لوگ تم کو وصال کی امیدیں دلا کر رہبری کا وعدہ کرتے ہیں اور پھر دھوکے پر دھوکہ دیتے ہیں اس وقت ہر مدعی رہبری کے ساتھ کیوں ہو لیتے ہو اور یہ بار بار عذر اس وقت کہاں چلے جاتے ہیں۔ صاحبو! خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنی محبت بھی نہیں اور اس کے طریق کی اتنی جستجو بھی نہیں ہو سکتی مولانا نے خوب کہا ہے ۷

عشقِ مولیٰ کے کم از یسلی بود گوئی کشتن بہر او اولی بود

(مولیٰ کا عشق لیلے کے عشق سے کب کم ہوتا ہے بلکہ اس کے عشق میں کوچہ میں پھرنا زیادہ بہتر ہے) صاحبو! اگر ہر تعطیل میں ایک ہفتہ ایک ایک بزرگ کے پاس قیام کر لو تو کیا بڑا حرج ہو جائے پھر جب کوئی شافی کافی مل جائے پس اس کو لے لو۔ ایک مرتبہ اختلافِ عمل کا یہ ہے کہ اعتقادات سب درست ہوں مگر کاہلی اور حظوظ پرستی کی وجہ سے دنیا میں اہتہماک ہو اور نفس پرستی درستی اعمال نہ کرنے دیتی ہو اس طبقے کا علاج یہ ہے کہ ان کو چاہیے کہ موت کو یاد کیا کریں۔ موت وہ چیز ہے کہ اس کے یاد کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہر طرح حالت درست ہو جائیگی۔ کیونکہ اعتقاد تو پہلے سے صحیح ہے صرف حظوظ کو کم کرنے کی ضرورت ہے اس کا علاج اس سے ہو جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَكْتَرُ ذَاهَاذِمِ الْكَذٰبَاتِ الْمَوْتُ (لذاتوں کو ختم کر دینے والی یعنی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو) اس حدیث کے الفاظ خود غور کرنے کے قابل ہیں کہ اول موت کی صفت کو بیان کیا اس کے بعد موت کے نام کی تصریح فرمائی جس سے اس امر اکثر و کی حکمت دریافت ہو گئی یعنی موت زیادہ یاد کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے لذات کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور سہل ترکیب اس کے یاد کرنے کی یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے مراقبہ موت کیا کرے اور سوچا کرے کہ ایک دن میں مروں گا دوزخ اور جنت میرے سامنے پیش کی جائے گی اگر میں گنہگار مروں گا تو جنت کو مجھ سے چھپا لیا جائے گا اور تاقیامت مجھ کو عذابِ قبر ہو جائے گا پھر قیامت آئے گی اور رب کے نامہائے اعمال ان کو دکھلائے جائیں گے اس کے بعد حساب ہوگا اگر خدا نخواستہ میری ناشائستہ حرکات بڑھ گئیں تو فرشتے کشاں کشاں مجھے جہنم کی طرف لے جائیں گے وغیرہ

وغیرہ اس مراقبے سے ان شاء اللہ تعالیٰ اتہاک فی الدنیا کا مرض بالکل ترائیں ہو جائے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن میں بیس دفعہ موت کو یاد کرے گا اس کو شہادت حاصل ہوگی مگر موت کے یاد کرنے کے یہ معنی نہیں کہ لفظ موت کو بیس دفعہ دہرایا جائے اس لئے کہ موت کو یاد کرنے سے شہادت کا درجہ حاصل ہوگی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو بالکل سوئپ دے گا اور تسلیم کر دے گا اور اس کے حفظ و نفاذ قسانی بالکل چھوٹ جائیں گے اور یہ ان لوگوں میں ہوگا کہ۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

(جو لوگ تسلیم و رضا یعنی عشق کی تلوار کے مارے ہو تو ہر غریب کی جانب ہرگز گھڑی ان کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے) بس موت کو یاد کرنا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یہ تقسیم تو اہل دنیا کے حالات کے اعتبار سے تھی اب اہل دین کی خدمت میں متوجہ ہوتا ہوں۔ ان میں ایک تو اہل ظاہر ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ بعض اعمال جو عرفا ان کی وضع کے خلاف نہیں ہیں اگرچہ شرعاً مہنی عنہ ہیں وہ ان میں مبتلا ہیں اور جن اعمال سے ان کے ظاہری تقدس پر حرف آئے گا اندیشہ ہوا ان سے احتراز کرتے ہیں مثلاً غیبت کہ بہت بڑا گناہ ہے مگر چونکہ عادتاً خلاف تقدس نہیں سمجھا جاتا اس لئے اکثر ایسے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور جب بیکار آدمی بیٹھتے ہیں تو غیبت شکرایت ضرور کرتے ہیں اور شراب پینا چونکہ تقدس کے خلاف ہے اس لئے اس کے پینے سے احتراز کرتے ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ ایسے لوگ خود بھی اپنے کو مقدس سمجھتے ہیں۔ سبحان اللہ یہ عجیب تقویٰ ہے کہ کچھ ہی کر لیجئے پھر متقی کے متقی رہئے تو گویا ایسے لوگوں کا تقویٰ بی بی تیزہ کا وضو ہے کہ اسے ایک مرتبہ کسی بزرگ نے وضو کر دیا تھا پھر ساری عمر اس ایک وضو سے اس نے نماز پڑھی تو جیسے بی بی تیزہ کا وضو نہ پیشاب سے ٹوٹتا تھا اور نہ پینا۔ سے ایسا ہی ان متقیوں کا تقویٰ نہ غیبت سے ٹوٹتا ہے نہ شکرایت سے کچھ ہی کر لیں مگر یہ تاج النقیاب بنے رہیں گے۔ صا جہو! اگر یہ اس کو گناہ نہیں سمجھتے تو یہ سخت غلطی ہے اور اگر گناہ سمجھتے ہیں اور پھر اس بے پروائی کے ساتھ مبتلا ہیں تو بہت ہی سخت غلطی ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ لَأَسَدِي فَبَلَدِكَ مُصِيبَةٌ وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَاَلْمُصِيبَةُ أَكْبَرُ

(اگر تو نہیں جانتا تھا اس لئے گناہ کیا تب تو گناہ ہے ہی اور اگر جانتا ہے اور پھر گناہ کیا تو بہت بڑا گناہ ہے)

اس کا علاج یہ ہے کہ

قال ابگذار مرد حال شو پیش مرد کارل پامال مشو

(ہائیں بنانا چھوڑ دو اہل حال بنو اور اس کام کے لئے کسی مرد کارل ولی کی خدمت کرو) آج تک آپ لوگوں نے قال یقول کی خدمت کی ہے اس لئے شریعت کا رنگ نہیں چڑھا۔ اب ذرا تھوڑے دنوں کے لئے اس کو چھوڑ کر حال پیدا کیجئے مگر یہ بدون صحبت اہل اللہ کے نہیں ہوتا۔ چند روز تک ان کی صحبت کی تہایت ضرورت ہے اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ سب گناہ چھوٹ جائیں گے۔ اس مقام پر ممکن ہے کسی کو یہ شبہ ہو کہ اہل حال سے خود گناہوں کا صدور ہوتا ہے تو ان کی صحبت سے دوسروں کے گناہ کیونکر چھوٹ جائیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ان حضرات سے گناہ بہت کم ہوتا ہے دوسرے اگر کبھی ابتلا ہو جاتا ہے تو فوراً ان کو تنبہ ہوتا ہے اور وہ ندامت و گریہ و زاری سے اسے معاف کر لیتے ہیں ہم لوگوں کو نہ تنبہ ہوتا ہے نہ اس پر کڑھتے ہیں ہم کو شیطان نے سمجھا دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اس لئے جو جی میں آئے کرو۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اپنے کو اس سے خارج سمجھتا ہوں۔ ہم ہی لوگوں کی بابت حافظ رحمہ اللہ کہتے ہیں

واعظاں کیں جلوہ بر محراب منبر میکنند چوں بخلوت میر سداں کار دگیر میکنند

(تقریریں کرنے والے جو محراب و منبر پر بیٹھ کر بڑا شاندار و عظیم کہتے ہیں جب خلوت اور تنہائی میں جاتے ہیں تو جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں)

مگر ہم واعظوں نے اس کے ایک نئے معنی گھڑے ہیں یعنی حافظ کا مطلب یہ ہے کہ جب خلوت میں جاتے ہیں تو ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں لیکن اس کجور کا شعر اس معنی کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس تو بہ فرمایاں چرا خود تو بہ کمترے کنند

(مجھے ایک مشکل یہ درپیش ہے کہ کوئی مجلس میں بیٹھنے والے عقلمند سے پوچھے کہ دوسروں کو تو بہ کا حکم کرتے ہیں خود کیوں بہت کم تو بہ کرتے ہیں)

کہ دوسروں کو تو گناہوں سے روکتے ہیں اور طاعات کی ترغیب دیتے ہیں اور خود اس آیت کے مصداق بن رہے ہیں یا ایہا الذین امنوا لہم تقوا لئن مالا تفعلون ہ اور اتا مروون الناس بالیبر

وَتَنسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَكُونُونَ الْكَاثِبِينَ ﴿۱۸۰﴾ اے مسلمانوں! ایسی باتوں کو کہتے ہو جو تم خود نہیں کہتے کیا تم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتابچے پڑھتے ہو یہاں بعض لوگوں کو اس میں یہ شیطانی دھوکا ہو جاتا ہے کہ وہ وعظ ہی چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہماری سزا خود ہی دست نہیں تو ہم دوسروں کو کس منہ سے کہیں حالانکہ یہ دوسرا جرم ہے کیونکہ انہوں نے ترکِ عمل بھی کیا اور ترکِ تبلیغ بھی کیا۔ ان اہل ظالموں میں مذکور بالا کی کے ساتھ ایک کمی یہ بھی ہے کہ چونکہ ان میں نسبت مع الشراخ نہیں ہوتی اس لئے اس کے خواص آثار سے بھی خالی ہوتے ہیں اور اس سبب سے ایک گونہ محبتِ مال سے ان کو ہو جاتی ہے اور اس محبتِ مال کے سبب سے لوگ اہل دنیا کے پاس جا کر اپنی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی نظروں میں دلیل ہوتے ہیں اور ان کی ذلت کی وجہ سے علمِ دین کی ذلت ہوتی ہے ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے۔

بِسْمِ الْفَقِيهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي تَالِبٍ (وہ درویش بہت براجوامیر کے دروازہ پر جاتا ہے) انکی تو یہ حالت ہوئی چاہیے کہ ایک بزرگ کے پاس ایک بادشاہ گئے وہاں خدام کا پہرہ تھا بادشاہ نے اندر جا کی اجازت چاہی خادم نے اجازت نہ دی اور کہا اول میں شیخ سے دریا کر لوں اگر وہاں اجازت ہوگی تو اجازت دیدن کا چنانچہ شیخ سے جا کر عرض کیا اور شیخ کے اجازت دینے پر آکر بادشاہ کو اجازت دیدی بادشاہ کو چونکہ اس قسم کی روک ٹوک کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی سخت ناگوار گذرا اور شیخ کے روبرو جا کر بیڑی کے لہجے میں کہنے لگا کہ ص۔ درویش را درباں نباید درویش کے دروازہ پر درباں نہیں رہتا ہے) اس کو سن کر شیخ نے اس کے تکبر کے مقابلہ میں نہتے باکانہ انداز سے فرمایا کہ ص۔ بایدا تا سگ دنیا نیاید۔ (درباں ضرور چاہیے تاکہ کوئی دنیا کا کتا نہ لگھے) اور وجہ اس پر دوائی اور استغنا کی یہ ہوتی ہے کہ ص۔ طبع بگل و ہرچہ خواہی بگو (حرص اور لالچ کو چھوڑ دو پھر جوئی میں آئے کہو یعنی لالچی آدمی حق بات نہیں کہہ سکتا) حضرت سلیم چشتی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ پیر پھیلا گئے بیٹھے ہوئے تھے کہ بادشاہ مع وزیر کے آیا بادشاہ کو دیکھ کر آپ اسی طرح بیٹھے رہے وزیر کو آپ کا یہ انداز گراں گذرا اسے کہا کہ حضرت پیر پھیلا کر بیٹھنا کب سے سیکھ لیا۔ فرمایا کہ جب ہاتھ سمیٹ لیا ہے۔ اس کے بعد وزیر نے کہا کہ بادشاہ ادلی الامر میں داخل ہے اس کی تعظیم آپ کو کرنی چاہیے۔ فرمایا بادشاہ تمہارے ادلی الامر میں ہو گا میرے تو غلام کا غلام ہے وزیر نے کہا کہ حضرت کیسے؟ فرمایا کہ ہوا و ہوس میرے غلام ہیں اور بادشاہ ہوا و ہوس کا غلام ہے لہذا میرے غلام کا غلام ہوا۔ مولانا شہید کا واقعہ ہے کہ جب آپ لکھنؤ تشریف لائے۔ تو ایک شاہزادہ خدمت میں حاضر ہوا اور زمین بوس سلام کیا آپ نے اس سلام کے جواب میں اس کو انگوٹھا دکھلایا۔ آج تو اگر کو مسمولی زمیندار مرید ہو جائے تو بسا غنیمت سمجھا جاتا ہے آخر یہ کیا بات تھی۔ بات یہی تھی کہ ان حضرات کے دل میں دنیا کی نہ وقعت تھی نہ محبت اور پھر یہ بھی نہیں کہ ان حضرات کی زندگی تکالیف میں بسر ہوتی ہو بخدا ان کی زندگی ایسی آسائش میں بسر ہوتی ہے

کہ دوسروں کو وہ آسائش نصیب بھی نہیں ہوتی اگر کسی کو اس میں کلام ہو تو وہ آج بھی بزرگوں کی حالت کو جا کر دیکھ لے کہ وہ کس قدر آسائش میں ہیں اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان حضرات کو ظاہری بے لطفی کسی قسم کی ہوتی بھی ہے تو یہ سمجھ لو کہ ان کے دل میں ایک ایسی چوٹ لگی ہے کہ اس بے لطفی میں ہزاروں لطف ہیں۔ غرض اس فرقہ میں حب مال کا مرض ہے اس کا علاج بھی وہی ہے کہ اہل باطن کی صحبت ان کو مستفیض ہونا چاہئے۔ دوسرا فرقہ اہل دین میں وہ ہے جو اہل باطن کہلاتے ہیں یہ لوگ اپنے دل میں بہت خوش ہونگے کیونکہ سارے فرقوں میں تو کوتاہیاں اور عیب نکال دیئے گئے اب صرف یہ ہی ایک فرقہ رہ گیا ہے کہ درجہ بدرجہ ترقی ہو کر یہ ہی نرت ایسا نکلے گا جس میں کوئی عیب نہ ہو اور اپنے مقابلین میں سب سے اچھے یہ ہی ثابت ہوں گے۔ سو غرض یہ ہے کہ یہ حضرات سب سے اچھے ہیں۔ لیکن یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز زیادہ لطیف ہوتی ہے اگر وہ بگڑتی ہے تو دوسری سب چیزوں سے زیادہ بدبو اس میں پیدا ہوتی ہے اور یہ حضرات دوسرے سب فرقوں سے لطافت اور نطافت میں بڑے ہونگے اس لئے ان میں اگر کچھ خرابی پیدا ہوگی تو سب سے زیادہ بدبو نما ہوگی سو اس فرقے میں خدا کے فضل و کرم سے وہ عیوب تو نہیں ہیں جو مذکورہ بالا فرقوں میں تھے مگر انصاف یہ ہے کہ یہ بھی کوتاہیوں سے خالی نہیں چنانچہ بعض لوگوں میں یہ کوتاہی ہے کہ انھوں نے بالکل یکسوئی اختیار کر کے اس کو ایسا ضروری اور اپنا ماہ الامتیاز سمجھا کہ بچا رہے دنیا داروں سے بدخلقی پر تکی شروع کر دی حالانکہ یہ شریعت میں مطلوب نہیں شریعت نے بدخلقی کی سخت ممانعت کی ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب صاحب اللہ مرقد فرماتے تھے کہ فقرا کو بدخلقی نہ ہونا چاہیے اور فرماتے تھے کہ بزرگوں کا ارشاد ہے بِئْسَ الْفَقِيرُ عَلَىٰ بَابِ الْأَمِيرِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْفَقِيرِ (برائے درویش کا امیر کے دروازہ پر جانا۔ وہ امیر بہت اچھا ہے جو درویش کے دروازہ پر جاتا ہے) تو جب کوئی امیر فقیر کے دروازہ پر جاتا ہے تو وہ نعم کا مصداق ہو کر جاتا ہے اس واسطے ہم کو اس نعم کی تعظیم کرنی چاہیے۔ اگرچہ من حیث الامیر اس کی تعظیم نہ ہو اور اسی بنا پر حضرت حاجی صاحب صاحب اللہ مرقد فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اَنْزَلَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ مَنْزِلِهِمْ (مرتبہ کے اعتبار سے لوگوں سے پیش آؤ) یہ تو نقل تھی حضرت رحمہ اللہ کے ارشاد اور برتاؤ کی اس کے ما سوا ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے کہ امراء کو جو وصف امارت حاصل ہوا ہے خدا تعالیٰ کی جانت سے غطا ہوا ہے لہذا ہم کو ضروری ہے کہ اس کے حق کی رعایت کریں البتہ ان سے تعلق نہ کرنا چاہیے بس یہ برتاؤ رکھنا چاہیے کہ جو تمہارا پاس آئے خوش ہو کر جانا۔ صاف جہاں اگر آپ لوگ امراء کو اپنے پاس نہ آنے دیں گے اور ان سے غلطی سے پیش

آئیں گے تو آخر وہ لوگ کہاں جائیں گے اور کس جگہ اپنا ٹھکانا تلاش کریں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم خود ان کے دروازے پر نہ جاؤ۔ مگر اس میں بھی اس قدر تفصیل ہے کہ اگر تم سے اصلاح ناس متعلق ہو اور امراتم کو خود بلائیں تو بشرطِ عدم تذلل چلے جاؤ اس میں الکار نہ کرو۔ مجھ سے بعض امرالے یہ اعتراض پیش کیا کہ علماء ہمارے خبر نہیں لیتے۔ میں نے کہا کہ جناب کبھی آپ بھی تو توجہ کیجئے اس کے بعد دیکھئے کہ علماء آپ کی دستگیری کرتے ہیں یا نہیں۔ صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ علماء پر دستگیری نہ کرنے کا الزام بالکل غلط الزام ہے۔ امراتو جب تو خود نہیں کہتے حالانکہ یہ ان کا کام ہے اور الزام علماء پر رکھتے ہیں اصل یہ ہے کہ ان کو طلب حق ہی نہیں ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ چین سے بیٹھ سکتے۔ ایک کوتاہی ان میں یہ ہے (اور اسی کوتاہی کی وجہ سے یہ بھی من وجہ یُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ کے مصداق ہیں کہ ذکر کے آثارِ عاجلہ کو مطلوب سمجھتے ہیں۔ البتہ محققین اسے مستثنیٰ ہیں۔ باقی محققین کے علاوہ اکثر اس کے منتظر رہتے ہیں کہ دل میں کچھ گرمی پیدا ہو یا کچھ نظر آنے لگے۔ صاحبو! یہ بہت کمی ہے اور یہ ایسا نقص ہے کہ اکثر اس پر نظر بھی نہیں جاتی اس کا علاج علمی تو یہ ہے جو حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی کوئی شخص آکر شکایت کرتا اور کہتا کہ حضرت مجھے نفع نہیں ہوا تو فرمایا کرتے کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم اللہ کا نام لیتے ہو اور مثنوی سے استشہاد فرمایا کرتے تھے مولانا کی مثنوی میں ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ روزانہ ذکر کیا کرتا تھا لیکن اس کو کوئی اثر مرتب ہوتا ہوا معلوم نہ ہوتا تھا آخر ایک روز مایوس ہو کر ذکر کئے بغیر ہی سو گیا خواب میں ایک فرشتے کو دیکھا اور اس نے یہ سوال کیا کہ آج تم نے ذکر کیوں نہیں کیا کہنے لگا کہ کچھ نفع تو ہوتا ہی نہیں نہ وہاں سے کچھ جواب ملتا ہے ارشاد ہوا کہ

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ویں نیاز و سوز و درد پیک ماست

(انہوں نے کہا کہ تیرا اللہ کہتا ہی ہمارے طرف سے لبیک کہتا اور قبول کرنا۔ یہ تیرا نیاز اور سوز اور درد سب ہمارے ہی تو دیئے ہوئے ہیں)

کہ تمہارا اللہ کہتا ہی ہمارا لبیک کہتا ہے اور یہی جواب دینا ہے اور اس کو ایک مثال سے واضح فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کسی صاحب اختیار رئیس کے پاس جاؤ اور اس کو تمہارا جانا سے یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا؟ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا ۱۲ جامع

ناپسند ہو تو وہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا ظاہر ہے کہ دوسرے وقت گھسنے بھی دیکھا
پس خدا تعالیٰ کا پانچواں وقت کی نماز کے لئے مسجد میں آنے کی قوت باقی رکھنا ذکر کی توفیق
عطا فرمانا یہ دلیل ہے اس کی کہ تمہارا پہلا عمل ناپسند نہیں ہو اور نہ کوئی ایسا سخت پہرا
ہوتا کہ تم مسجد میں گھسنے بھی نہ پاتے اور پہرے سے مراد ظاہر ہی پہرہ نہیں بلکہ وہ پہرا مراد
جو کہ ایک نوکر اور آقا کے قصے میں ہوا تھا کہ دونوں بازار کام کو چلے راستہ میں نماز کا وقت
آگیا نوکر نمازی تھا آقا سے اجازت لے کر مسجد میں چلا گیا اور آقا دروازے پر بیٹھا رہا
جب بہت دیر ہوئی آقا نے پکارا کہ بھائی باہر کیوں نہیں آتا نوکر نے کہا کہ آنے نہیں دیتا
آقا نے کہا کہ کون نہیں آنے دیتا کہنے لگا کہ مجھے وہی باہر آنے نہیں دیتا جو تمہیں اندر نہیں
آنے دیتا تو یہ پہرہ ہے جو کہ ایک قلم آگے بڑھتے نہیں دیتا اور جبکہ عمل کا مسلسل سلسلہ چلا
جائے تو سمجھنا چاہیے کہ سب مقبول ہو رہا ہے۔ یہ مولانا رومیؒ اور حاجی حسنا نور اللہ مرقہ کی تحقیق
ہے۔ ایک اور ملفوظ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کا اس موقع پر یاد آگیا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ لوگ
آکر کچھ فائدہ نہ ہونے کی شکایت فرماتے تو حضرت حاجی حسنا رحمہ اللہ جواب میں یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے
یا ہم اور یا نہ یا ہم جستجوئی میکنم حاصل آید یا نہ یا ہم جستجوئی میکنم
(اس کو پاؤں یا نہ پاؤں جستجو کرتا رہوں کچھ حاصل ہو یا نہ ہو پس آرزو کرتا رہوں)
اس کا حاصل یہ ہے کہ نفع بھی نہ ہو تب بھی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے اس واسطے کہ ہم مخلوق
اور غلام ہیں غلام کا یہ منصب نہیں کہ وہ کام کے معاوضہ کا امیدوار ہو اگر کسی غلام سے یہ کہا جائے
کہ جا کر کنویں سے پانی لے آؤ اور وہ کہے کہ مجھے اس کے معاوضہ میں کیا ملے گا تو وہ نہایت گستاخ
ہے تو ہم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم غلام ہیں اور اس وجہ سے ہم کو حکم ہے۔ اسی پر فرماتے ہیں۔
ع حاصل آید یا نہ یا ہم جستجوئی میکنم۔ اس کے اسہتاد میں بوستان کی ایک حکایت یاد آئی۔
شیخ نے بوستان میں ایک شخص کی حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص روزانہ عبادت کیا کرتا آخر ایک روز
یہ آواز آئی کہ خواہ کچھ ہی کرو ہرگز قبول نہ ہو گا یعنی عدم النفع معلوم ہو گیا لیکن وہ پھر بھی عبادت
میں مشغول رہا اس قصے کی خبر اس کے ایک مرید کو بھی ہوئی اس نے کہا کہ جب وہاں قبول ہی نہیں ہے
تو عبادت کرنے سے کیا فائدہ۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے عزیز

توانی ازاں دل بے پروا صحتن کہ دانی کہ بے او تو اں ساختن

(اس کی طرف سے اپنے دل کو جب ہٹایا جاسکتا ہے جبکہ میں یقین کروں کہ اس کو بغیر گذر ہو سکتی ہے،
قلب کو اس سے فارغ کر سکتے ہیں جس کے بدون گذر ہو جانے کی امید ہو اور جبکہ یہ نہیں ہے

تو میں اب کہاں جاؤں۔ معاً بجز رحمت جو شش میں آیا اور یہ ارشاد ہوا کہ

قبولست گرچہ ہنر نیستت کہ جز ما پناہ و گرنیستت

(تمہاری سب عبادتیں قبول ہیں اگرچہ یہ تمہارا کوئی کمال اور ہنر نہیں مگر چونکہ تمہارے لئے

سوائے میرے اور کوئی پناہ کی جگہ ہے ہی نہیں)

کہ چونکہ کوئی پناہ نہیں ہے اس لئے قبول کرتا ہوں۔ تو ہمارا یہ مذہب ہوتا چاہیے جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ ہم اپنا کام کئے جائیں باقی ثمرات کا ترتب۔ اس پر ذرا بھی نظر نہ ہونی چاہیے۔

بدر ووصاف ترا حکم نیست دم و رکش کہ آنچه ساقی مار سحنت عین الطافست

(شراب کی نیچے کا تلچھٹ ہو یا صفا شراب ہو تجھے سوچنے کی ضرورت نہیں بس چڑھا جا کیونکہ ہمارا ساقی لے جو کچھ بھی دیا ہو اسکی عین مہربانی)

اور اگر ایسا نہ کیا تو تم ہی یُجِبُّونَ الْعَاجِلَةَ میں ہو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کے نتیجے کا وعدہ آخرت میں ہے کہ دنیا

میں وہاں نیا ہم البتہ نہ ہوگا بلکہ وہاں یہ ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ

لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (وہ لوگ جو ہمارے راستے میں کوششیں کرتے ہیں ہم ان کے راستے آسان کر دیتے ہیں بیشک

اللہ تعالیٰ مخلص لوگوں کے ساتھ ہیں) اس آیت کے معنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں تو یہ وعدہ ہے کہ

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلًا وَإِلَّا لَأَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ اور طائف کے صاف ہونے کا کہیں وعدہ نہیں اور آخرت میں وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ

الْمُحْسِنِينَ اور معیت کا وجوب تو یہاں ہو جاتا ہے مگر کامل ظہور آخرت میں ہوتا ہے گو دنیا میں

بھی اس کے آثار معلوم ہوں یعنی ایسا شخص اپنے قلب کو دیکھتا ہے کہ وہ خدا سے راضی ہے جس کی

بابت ارشاد ہے رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ مگر عینی ظہور آخرت میں ہوگا۔ اب تمام مرتب

یُجِبُّونَ کے معلوم ہو گئے ہوں گے۔ اگرچہ جزئیات بیان نہیں ہوئیں مگر اصول بجد اللہ بہت

کافی بیان ہو گئے۔ اب خدا سے دعا کیجئے کہ وہ (محمد عبدالمنان ناشر اور تمام مسلمانوں کو)

توفیق عمل دے۔ آمین (بِسُحْبَتِكَ يَا رَحِمَ الرَّحِيمِينَ)

تہت

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

دعوات عبدیت جلد چہارم کا

آٹھواں وعظ ملقب بہ

إِزَالَةُ الْغَفْلَةِ

بمجلد ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دہلوی

رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

ناشر: محمد عبد المتان غفرلہ

مکتبہ کھانوی۔ دفتر الايقا

مسافر خانہ پندر روڈ کراچی

الم. لے جنرل روڈ

دعوات عبدیت جلد چہارم کا

آٹھواں وعظ مُلقب بہ

ازالۃ الغفلة

اَيْنَ	مَتَى	كَمْ	كَيْفَ	مَاذَا	مَنْضَبَطَ	الْمُسْتَمْعُونَ	اَشْتَاتَ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد تخمینہ	مستقرات
مسجد نید			دنیا میں منہرک				
روضہ وصیب	۳ ربیع الثانی	ارٹھانی	کھڑے ہو کر	ہو کر آخرت سے	سعید احمد تھانوی	۲۰۰ آدمی	
جھنجھانہ	۳۳۰	گھنٹہ	غافل نہ ہو جائے	مرحوم			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ
الْفُسَيْنِ وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَبَارَكُ وَسَلَّمَ۔

اَمَّا بَعْدُ ! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ - يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَلْهَكُمُ اَمْوَالُكُمْ
وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ط وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَانْفِقُوْا مِنْ
مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيْكُمْ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا اَنْخَرْتَنِيْ اِلَىٰ اَجَلٍ
قَرِيْبٍ فَاَصَّدَقْتُ وَاَكُنُّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا اَجَاءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ
خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

راے ایمان والو! تم کو تمھارے مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی یاد اور راطاعت سے غافل نہ کرنے پاویں جو ایسا کرے گا ایسے لوگ، ناکام رہنے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (حقوق واجبہ) اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آکھڑی پھر وہ کہتے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تمھوڑے دلوں کیوں مہلت نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اس کی میعاد عمر کی ختم ہونے پر آجاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے سب کاموں کی پوری خبر ہے)

یہ سورہ منافقون کی تین آیتیں ہیں ان میں خدا تعالیٰ کو ایک ضروری مضمون بیان کرنا مقصود ہے باقی مضامین اس کے موید و تابع ہیں۔ اور وہ مضمون ایسا ہے کہ اس کے معلوم کرنے کی اس وقت ضرورت عام ہے کیونکہ اس میں کوتاہی بھی عام ہو رہی ہے اور اس کے وقوع کا احساس تو سب کو ہو سکتا ہے مگر بوجہ غور نہ کرنے کے اس کو کوتاہی و مرض شمار نہیں کرتے اور اسی وجہ سے اس کو شدید مرض کہا جاوے گا کیونکہ امراض دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ مرض جس کے مرض ہونے کی اطلاع مریض کو ہو۔ دوسرا وہ مرض ہے جس کے مرض ہونے کی اطلاع ہی نہ ہو ایسا مرض زیادہ مہلک ہوتا ہے اور اسی لئے زیادہ قابل اہتمام ہوتا ہے اس وقت جن امراض میں گفتگو ہے یعنی معاصی ان کی مختصر سی فہرست تو ہر شخص کے ذہن میں ہے یعنی زنا چوری جھوٹ بولنا وغیرہ کہ اس کو سب گناہ جانتے ہیں لیکن بعض معاصی ایسے بھی ہیں کہ وہ سب ان کی جڑ ہیں اور اس لئے سب سے اول فہرست معاصی میں ان کا نام ہونا ضروری ہے مگر ہم کو ان کی طرف التنا بھی نہیں نہ ہماری فہرست معاصی میں کہیں ان کا شمار ہے اور یہ بہت بڑی عقلمندی ہے اس آیت میں بھی ایسے ہی مرض کا ذکر ہے جو ہماری فہرست میں داخل نہیں کیا گیا۔ اس کے نام سے معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اس کو شمار نہیں کیا اور وہ مرض دنیا میں مہلک ہوتا ہے۔ اب جس سے چاہے دریافت کر لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ کسی نے بھی اس کو مرض نہیں سمجھا۔ نماز نہ پڑھنے کو دوسرے کا مال دبا لینے کو زنا کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں مگر دنیا میں کھپ جانے کو کوئی بھی گناہ نہیں سمجھتا حالانکہ یہ ایسا مرض عام مرض ہے جس میں قریب قریب سب مبتلا ہیں۔ اور ایسا قوی ہے کہ سب معاصی اسی کا فرع ہیں مثلاً کوئی شخص نماز میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کا سبب یہ ہی ہے کہ وہ دنیا میں غرق ہے۔

اور دین سے بے فکر ہے علیٰ ہذا روزہ حج، زکوٰۃ جس چیز میں بھی کوتاہی ہو اس کا سبب یہ ہی ہے اگر کوئی شخص بدکاری میں مشغول ہے تو اس کی وجہ بھی دین سے بے فکری اور دنیا میں نہما ہے۔ غرض اس میں تطویل تقریر کی ضرورت نہیں۔ اگر ذرا غور کیا ہوگا تو معلوم ہوا ہوگا کہ یہ سب معاصی کی یہ ہی انہماک فی الدنیا ہے مگر پھر بھی یہ سب ہی کا شعار ہو رہا ہے حتیٰ کہ دیندار بھی ہاتھ پائی عاریفین و اہل تقویٰ و اہل فکر کے سب اس میں مبتلا ہیں۔ دینداروں کی دینداری بھی اتنی ہی ہے کہ نماز پڑھ لیں اگرچہ بے فکری ہی سے ہو اور ڈاڑھی نیچی کر لیں اگرچہ لوگوں کا مال دبا رکھا ہو معاملات میں ضرر پہنچاتے ہوں۔ غرض دینداری بھی آجکل اس کا نام ہے کہ صورت دینداروں کی سی ہو اور سیرت میں صرف وہ باتیں ہوں جو رسوائی سے بچائے رکھیں۔ مثلاً پانچ وقت کی نماز پڑھنا، روزہ رکھ لینا اگرچہ حالت یہ ہو۔

از بروں چوں گور کافر پر حلال و اندروں تہر خدائے عز و جل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید و درونت تنگ میدارد دیزید
(باہر سے یعنی ظاہری حالت تو ایسی ہے جیسے کافر کی قبر ہوتی ہے جن پر دشمنین غلات ہوں اور اندر خدا کا غضب نازل ہو رہا ہے اپنی ظاہری حالت ایسی بنا رکھی ہے کہ اپنے مقابلہ میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ میں بھی عیب نکالا جاتا اور اندر کی حالت یہ ہے کہ اگر بیزید جیسا شخص بھی دیکھے تو اس کو غیرت آئے)

تو اگرچہ یہ حالت ہو لیکن وہ خود بھی اپنے کو اور دوسرے بھی اس کو دیندار سمجھیں گے اور اس میں ضرر یہ ہوتا ہے کہ اگر ایسے آدمی سے مکر و فریب وغیرہ کی کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو لوگ اس کو دیندار سمجھ کر اور پھر ان افعال کا مرتکب دیکھ کر سب دینداروں کو اس پر قیاس کرتے ہیں اور اگر ان کا لقب کہیں مولوی ہے تو ان کو ساتھ مولوی بھی بدنام ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کی بدولت سچے دیندار اور مقبول بھی بدنام ہوئے۔ کاش اگر اس کی شکل دینداروں کی نہ ہوتی تو اس کے حرکات سے دیندار تو بدنام نہ ہوتے اور ایک برا اثر اس کا یہ ہوتا ہے کہ ایسے حرکات دیکھ کر

لوگوں کو دینداری سے نفرت ہو جاتی ہے کہتے ہیں کہ ہم نے بڑے بڑے دین دار دیکھے سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ جب دیندار ایسے ہیں تو اس دین داری میں کچھ اثر نہیں اور اس طرح اور بھی دنیا میں منہمک کر دیتا ہے کہ فائدہ ہی کیا تو اس سے تو دنیا دار ہی اچھے کیونکہ دیندار ہوئے تو فلاں شخص جیسے ہو جائیں گے۔ اور اگر دینداروں کی شکل نہ ہو تو اگرچہ خود برباد ہو لیکن کوئی دوسرا تو فریب میں نہیں آتا۔ صاحبو! آج بہت بڑی جماعت ان ہی نام کے مولویوں کو دیکھ کر علم دین سے متنفر ہو گئی ہے۔ جب اُن سے کہا جاتا ہے تو وہ صاف یہ جواب دیتے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب جیسے ہیں ویسے ہی ہم بھی ہو جائیں گے پھر کیا نتیجہ ہو گا کہ دنیا سے بھی کھوئے گئے اور دینداری ملی تو ایسی ملی یہ ضرر ہو ان کے دین سے بے فکری کرنے کا کہ خود تو بگڑے ہی تھے دوسروں کے لئے بھی ایک برائے نمونہ بن گئے۔ سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ ان کو دیکھ کر لوگ اسلام قبول کرتے تھے۔ دیکھئے صحابہ کرامؓ کی کیا حالت تھی کہ ان کے اعمال کو دیکھ کر لوگوں کو اسلام سے انس ہوتا تھا۔ رہا تلوار اٹھانے کا قصہ سو یہ محض دفعِ اعداءِ حق کیلئے تھا خواہ اسلام سے یا استسلام سے نہ کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان کرنے کے لئے چنانچہ تلوار سے کوئی اسلام نہیں لایا۔ کیونکہ اسلام دل سے مانتے اور تصدیق کرنے کا نام ہے سو اگر تلوار کے زور سے لوگ اسلام لاتے اُن کے قلوب پر تلوار کا اثر کیسے ہو جاتا اور دل پر اثر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کے اخلاق و عادات نہایت پاکیزہ اور شریعتِ مطہرہ کی تعلیم کے بالکل مطابق ہو گئے۔ تھے پس معلوم ہوا کہ دل پر کوئی اثر ہوتا تھا۔ پس اس اثر کا ایک سبب مسلمانوں کے معاملات تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی زرہ جو چوری ہو گئی تھی ایک یہودی کے پاس ملی آپ نے دیکھ کر پہچانی اور فرمایا کہ یہ میری زرہ ہے۔ یہودی نے کہا کہ گواہ لاؤ۔ اللہ اکبر کس قدر اسلامی تعلیم کا نمونہ اپنے کو بنا لیا تھا کہ جہاں رعایا کو زبان سے آزاد کیا عمل سے بھی دکھلا دیا کہ ایک یہودی کی یہ جرأت ہے کہ صاحبِ سلطنت سے کہتا ہے کہ گواہ لاؤ

حالانکہ یہود خود ایک ذلیل قوم تھی جب سے انھوں نے حضرت موسیٰ کے ساتھ سرکشی کی تھی اس وقت سے برابر ذلت اور خواری ہی کی حالت میں رہے اور اب بھی جہاں ہیں ذلیل اور خواری ہی ہیں سچ کہا ہے ۵

عزیزی کہ از در گہش سر بتافت بہر در کہ شد بیچ عزت نیافت

(جس کسی عزت والے نے بھی اس کے دروازے سے منہ موڑا پھر جس

در پر بھی گیا پھر عزت نہیں ملی)

پس ایک تو اس کو قومی ذلت اور پھر یہ کہ آپ ہی کی قلمرو کا رہنے والا مگر اس پر بھی یہ جرات صاحبو! یہ ہے حقیقی آزادی نہ وہ جو آجکل اختیار کی گئی ہے کہ دین سے نکل گئے۔ خدا کو چھوڑا رسول کو چھوڑا۔ آزادی یہ ہے کہ کسی صاحب حق کی زبان بند نہ کریں، کسی پر ظلم نہ کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ ایک یہودی کا کچھ تشریف آپ کے ذمہ تھا ایک روز اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں آکر حضور اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بے باکانہ کچھ الفاظ کہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو دھمکایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ لِعَبَاۤءِ الْحَيِّ مَقَالًا (جس کسی شخص کا کسی دوسرے پر کچھ حق ہوتا ہے اس کے کہنے کا حق حاصل ہے) تو آزادی یہ ہے کہ حکومت کر کے رعایا کو اتنا آزاد کر دیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمل سے اتنا آزاد بنا دیا تھا کہ اس یہودی نے کہا کہ گواہ لاؤ یا تالش کرو۔ چنانچہ حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں جو کہ اس وقت قاضی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت سے اسی عہدے پر چلے آتے تھے جا کر تالش دائر کی۔ دونوں مدعی مدعا علیہ بن کر مساوات کے ساتھ عدالت میں گئے۔ حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موافق قاعدہ شریعت کے پوچھنا شروع کیا۔ یہ نہیں کہ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے سے بل چل پڑ جائے۔ غرض نہایت اطمینان سے اس یہودی سے پوچھا کہ کیا یہ زرہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے اس نے انکار کیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ گواہ لائیے، اللہ اکبر زرہ آزادی دیکھئے

کہ ایک قاضی سلطنتِ خود امیر المؤمنین سے گواہ طلب کر رہے ہیں اور امیر المؤمنین بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر احتمالِ دعویٰ خلاف واقع کا ہو ہی نہیں سکتا مگر یہ محض ضابطہ کی بدولت تھا۔ واللہ جن لوگوں نے تمدن سیکھا ہے اسلام سے سیکھا اور پھر بھی اسلام کی برابر عمل نہ کر سکے۔ غرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو گواہ لائے ایک امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک اپنا آزاد کردہ غلام جس کا نام قبیر تھا۔ حضرت شریح اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا۔ کہ حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹے کی گواہی باپ کے لئے جائز نہ سمجھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز تھی اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کر دیا آج اختلاف پر علماء کو برا بھلا کہا جاتا ہے حالانکہ یہ اختلاف پہلے ہی سے چلا آ رہا ہے مگر آجکل کی طرح ان حضرات میں برا بھلا کہنا نہ تھا ایک دوسرے کی تکفیر و تزییل نہ کرتے تھے آج کل سب و شتم کی زیادہ ترویج علاوہ نفسانیت کے ایک یہ بھی ہے کہ ہر جگہ اصغر کی عملداری ہے اور اکابر خود آپس میں ملتے نہیں کہ اصل بات کا پتہ چل سکے جس طرح چھوٹے کہتے ہیں اسی کو صحیح سمجھا جاتا ہے یہ نہیں کرتے کہ راوی کو ڈانٹ دیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرتدہؒ تھانہ بھون میں رہتے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا آپ کو فلاں شخص یوں کہتا ہے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا تھا لیکن تو نے تو منہ ہی پر کہہ دیا تو اس سے بھی زیادہ بُرا ہے پھر کبھی اس شخص کا حوصلہ کسی بات کے نقل کرنے کا نہیں ہوا اگر ایسا کر دیں تو راوی درست ہو جائیں۔ تو اکثر وہی ہوتی ہے کہ بڑے تو ملتے نہیں چھوٹے بات کو بڑھا کر نقل کرتے ہیں اور ان کو روکا جاتا نہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی رد میں رسالے تصنیف ہوتے ہیں، ایک دوسرے پر تبرکہ کہہ رہے ہیں پس یہ اختلاف مذموم ہے ورنہ نفس اختلاف اہل فن میں ایک لازمی بات ہے چنانچہ علماء سلف میں بھی ہوا اور اسی طرح اطباء میں بھی ایک مریض کے علاج میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایک ہی مقدمہ دو دو کیلوں کے پاس لیجاؤ تو ہر ایک علیحدہ رائے دیگا۔ مگر باوجود اس کے دونوں ایک ہی سترخوان

پیر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں ان میں ذرا بھی لڑائی نہیں ہوتی پھر اس کی کیا وجہ کہ علماء میں فرار سے اختلاف سے لڑائی ہو جاتی ہے بس ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چھوٹوں کی عملداری ہے اور کبھی غرضِ نفسانی بھی ہے۔ غرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب تھا کہ بیٹے کی گواہی معتبر ہے اور حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو نہیں مانتے تھے حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجمہاد پر عمل کیا اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی گواہی نہیں مانی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ غلام تو چونکہ آزاد ہو چکا اس کی گواہی تو مقبول ہے مگر بجائے امام حسن رضی اللہ عنہ کے اور کوئی گواہ لائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اور تو کوئی گواہ نہیں ہے۔ آخر حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دعویٰ خارج کر دیا۔

اگر آج کل کے معتقد ہوتے تو حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑ مارتے لیکن حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی طرح مذہب فروش نہ تھے وہ مذہب کے ہر امر پر جان فدا کرتے تھے۔ اگر حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جاتا تو وہ قسم کھا کر کہہ سکتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچے ہیں لیکن چونکہ ضابطہ شریعت اجازت نہیں دیتا تھا اس لئے آپ نے اپنے عقیدت پر کارروائی نہیں کی۔ آخر باہر آکر یہودی نے دیکھا کہ اپنی تو ذرا بھی ناگواری کا اثر نہیں ہوا باوجودیکہ آپ اس اللہ ہیں برسہ حکومت ہیں۔ تو کس چیز نے ان کو برہم نہیں ہونے دیا۔ غور کر کے کہا کہ حقیقت میں اب مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا مذہب بالکل سچا ہے۔ یہ اثر اسی کا ہے لیجئے یہ زرہ آپ ہی کی ہے اور میں مسلمان ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے یہ زرہ تجھی کو دی غرض وہ یہودی مسلمان ہو گیا اور آپ ہی کے ساتھ رہا حتیٰ کہ ایک لڑائی میں شہید ہو گیا۔ اب بتلائیے کہ یہ یہودی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار کو سر پر دیکھ کر مسلمان ہوا یا اس کو نیام میں دیکھ کر غرض حضرات سلف ایسے تھے کہ ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ اسلام قبول کرتے تھے۔ اور آج سب سے زیادہ مسلمان ہی بدنام ہیں اور کفار تو کیوں نہ بدنام کرتے

خود مسلمان ہی اپنے کو بدنام کرتے ہیں۔ ہماری یہاں تک حالت ہے کہ اگر کوئی شخص کہیں باہر جانے لگے اور اس کو دس ہزار روپے رکھنے کی ضرورت ہو تو کسی مسلمان پر بخوف خیانت اعتماد نہ کرے گا اس کام کے لئے اور مہاجن پر اعتماد کرے گا بعض مقامات پر بحر و حین طرابلس کے لئے چندہ ہوا اور انگریزوں کے ویلے سے بھیجا گیا۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ بڑے بڑے رئیس جاں نداد وقف کرتے ہیں اور حکام انگریزی کو متولی کرتے ہیں اس لئے کہ ان کو کوئی مسلمان اس کا اہل نہیں ملتا مگر افسوس کہ ہم کو اپنی اس حالت کی بھی ذرا خبر نہیں۔ ہاں کچھ ایشیاء کے بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ خیانت تو کیا روپیہ کو ہاتھ لگانے سے بھی احتیاط کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بریلی تشریف لے گئے۔ ایک رئیس نے بہت سا روپیہ آپ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اس کو جہاں آپ کا جی چاہے صرف کیجئے مولانا نے فرمایا کہ میں اس روپے کو خرچ کرنے کے قابل نہیں ہوں اور بطور ظرافت کے فرمایا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر مجھے اس قابل سمجھا جاتا تو یہ روپیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو ملتا جب نہیں ملتا تو معلوم ہوا کہ میں اس قابل نہیں ہوں آپ خود ہی خرچ کیجئے آخر اس نے مصرف کے متعلق مشورہ دریافت کیا آپ نے رائے دی کہ اس کی جاں نداد خرید کر اس کی آمدنی سے ایک مدرسہ جاری کر دیجئے لیکن اس وقت میں مولانا کے ساتھ دس پندرہ نام بھی نہ لے سکا کیونکہ ایسے بہت کم لوگ ہیں اور قبل زمانے میں سب ایسے ہی تھے اور خائن بہت کم ہوتے تھے اس لئے جب تذکرہ اس قسم کا ہوتا تھا تو خائونوں کو گنا جاتا تھا اب چونکہ علی العموم لوگ خائن ہیں اس لئے دیانت داروں کو شمار کیا جاتا ہے جس کے معنی صاف یہ ہیں کہ ان کے سوا سب خائن اور ناقابل اعتبار ہیں غرض مسلمانوں کی عموماً الاماشار اللہ یہ حالت ہو گئی اور یہ تمام تر اسی کی وجہ سے ہے کہ ہم سب دنیا میں منہمک ہیں دین کی فکر نہیں اگر کہیے کہ جن قوموں میں تہذیب ہے اور جنہوں نے اخلاق درست کر لئے ہیں ان میں دین کیا ہے وہ تو بے حد دنیا میں منہمک ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ تشخیص غلط ہے کہ انہماک فی دنیا کی نسبت ہماری سب بد حالی ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ ان کی ظاہری تہذیب

کی وجہ سے کہ انھوں نے ان اخلاق میں دیداروں ہی کی نقل کی ہے پس علت تہذیب کی وہی دین نکلا اگر معنی نہیں صورتاً ہی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ان کے مصنفین نے اقرار کیا ہے کہ ہم نے جو کچھ تہذیب و تمدن سیکھا وہ مسلمانوں سے سیکھا۔ اور مسلمانوں میں یہ تہذیب دین کی وجہ سے ہوئی تھی۔ مثلاً سچ بولنا ایک ایسی صفت ہے کہ سچ بولنے والے کا سب ہی اعتبار کرتے ہیں حتیٰ کہ اس صفت کی بدولت کفار حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو محمد امین کہتے تھے۔ چنانچہ بنا کعبہ کے وقت حجرِ اسود کے رکھنے میں جب اختلاف ہوا اور قریب تھا کہ تلوار نکل پڑے کیونکہ وہاں تلوار کا نکل آنا کیا مشکل تھا آخر عقلا نے کہا کہ کسی کو بیخ بنا لو فیصلہ اس پر ہوا کہ جو مسجد میں سب سے پہلے آئے وہی بیخ ہے اور سب سے دعا کی کہ یا اللہ کسی ایسے شخص کو بھیج جو مناسب فیصلہ کر دے۔ آخر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو مسرت کا نعرہ مارا کہ جَاءَ مُحَمَّدٌ الْأَمِينُ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بڑے امانت دار ہیں تشریف لے آئے) اگر کوئی دوسرا بھی آتا تو لوگ اسی کو حکم بنا لیتے لیکن یہ مسرت جس کا اظہار انھوں نے اپنے ان لفظوں میں کیا کہ جاؤ محمد الامین ہرگز نہ ہوتی یہ محض آپ کی صفتِ صدق کی بدولت تھی۔ غرض آپ سے فیصلہ کے لئے کہا گیا آپ نے فرمایا کہ اس کو ایک کپڑے میں رکھ کر ہر قبیلہ کا سردار اس کا ایک کونہ پکڑے اور سب اس طرح اس کپڑے کو خانہ کعبہ تک پہنچادیں وہاں پہنچ کر اس کے نصب کرنے کے لئے مجھے وکیل بنا دیں کہ وکیل کا فعل مؤکل کا فعل ہوتا ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ نو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صفتِ صدق کی وجہ سے لوگوں کو پورا اعتماد تھا کہ آپ ہرگز کسی کی طرفداری نہ کریں گے۔ لوگ کہتے ہیں کہ تجارت کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے یہ بالکل غلط ہے صرف صدق کی ضرورت ہے دیکھئے اکثر روپیہ والوں کو بھی قرض نہیں مل سکتا اور بہت سے مفلسوں کو مل جاتا ہے اور اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ روپیہ ہونا کوئی عزت کی بات نہیں بلکہ صدق اور اعتبار اصل عزت ہے۔

سے اشارہ اس طرف ہے کہ اگر لوگوں کی خاطر سے ان کا ہذب ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ جواب ہے ورنہ ہنوز یہ ہی تسلیم نہیں معاملات روزمرہ اور معاہدات فیما بین میں ان کی غداریاں کا شمس فی رابعۃ النہار ہیں جو ہمارے دعوے پر

شاہد عدل ہیں ۱۲ سعید ۱۳ سعید

تو اپنی شریعت کی تعلیم دیکھئے کہ ایسی چیز سکھائی اگر وہ ہو تو ایک پیسے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہو تو ہزاروں روپیہ بھی بیکار ہیں۔ تو ان لوگوں نے دیکھا کہ مسلمان برابر ترقی کرتے چلے جاتے ہیں یہ دیکھ کر اس کے اسباب میں غور کیا۔ اصل راز کو تو سمجھ نہیں سکے کیونکہ وہ تو یہ ہے کہ مسلمان خدا کی اطاعت کرتے تھے اور جو خدا کی اطاعت کرتا ہے اس پر خدا تعالیٰ متوجہ ہوتے ہیں اور اُس کی وجہ سے اس کو ہر حالت میں ترقی ہوتی ہے مگر یہ اعمال صالحہ اس اصلی سبب کے قائم مقام ہوئے مثلاً ایثار صدق مساوات آزادی۔ لیکن مساوات سے مساوات بالمعنی المتعارف اور آزادی سے آزادی بالمعنی المتعارف مراد نہیں بلکہ وہ مساوات اور آزادی جو حضرت مشرک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برقی تو ان آثار کو دیکھ کر ان اخلاق کو اختیار کیا۔ اور ان پر وہ آثار مرتب ہوئے اور یہ اسلام کے سچے ہونے کی دلیل ہے کہ جہاں صورتِ اخلاق بھی ہے وہاں بھی وہ آثار مرتب ہو جاتے ہیں تو حقیقتِ اخلاق پر تو کیوں نہ مرتب ہوں گے تو معلوم ہوا کہ دوسری قوموں کی ترقی کے اسباب یہ اخلاق ہیں اور گوان کو دنیا میں بھی انہماک ہے مگر وہ لوگ غایتِ دانشمندی سے اس انہماک سے ان اخلاق میں خلل نہیں ڈالتے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھئے کہ مسلمانوں اور غیر قوموں کے اخلاق میں ایک بڑا فرق ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کی غرض تو ان اخلاق سے محض خدا تعالیٰ کی رضا ہے مثلاً مسلمان اس لئے سچ بولے گا کہ اس میں خدا تعالیٰ راضی ہیں اور دوسری قوموں کی غرض تحصیلِ دنیا ہے مثلاً ان میں اگر کوئی سچ بولے گا تو محض اس لئے کہ اس سے دنیا خوب حاصل ہوتی ہے اور اس فرق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان کا تو اگر سچ بولنے میں ضرر بھی ہوگا تب بھی وہ سچ ہی بولے گا اور دوسری قوموں کا تو اگر سچ میں ضرر کا اندیشہ ہو اور یہ یقین ہو کہ جھوٹ کی کسی کو اطلاع بھی نہ ہوگی جس سے بدنامی کا اندیشہ بھی جاتا رہے جو کہ آئندہ کے لئے مضر ہے تو ایسے وقت ممکن نہیں کہ غیر مسلم سچ بولے کیونکہ اس کے صدق کا مدار دنیاوی نفع تھا اب اُس پر مرتب نہیں لہذا وہ یقیناً جھوٹ بولے گا۔ تو مسلمانوں کے اخلاق دین ہیں اور دوسروں کے اخلاق محض صورتِ دین۔ اب اس عراض کا جواب ہو گیا کہ غیر قومیں بھی ترقی کر رہی ہیں حالانکہ ان میں دین نہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ اس کا مدار دین پر نہیں کیونکہ گو وہاں دین نہیں لیکن صورتِ دین تو ہے تو وہاں بھی دین ہی کی برکت ہے گو درجہ صورت ہی ہے پس یہ آثار محض دین کی

برکت سے ہوتے۔ سو جس قوم کو یعنی مسلمانوں کو ان کا حکم ہے جب وہ ان کو چھوڑ دیں گے تو ان میں خرابیاں اور بدنامیاں ضرور ہوں گی۔ پس ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی سببستیاں دین کو چھوڑنے سے ہیں۔ یہ ہے وہ مرض جس کو میں کہتا تھا اور جس کی طرف سے ایسی بے خبری ہے کہ اس وقت اس شخص کو وحشی سمجھا جاتا ہے جس کو دنیا کی حرص کم ہو کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی ضرورت سے ناواقف ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین کی فکر کو حماقت سمجھا جاتا ہے بلکہ عقلمند صرف وہ ہے کہ سود کو بھی نہ چھوڑے، قمار و رشوت کو بھی نہ چھوڑے۔

دینی میں ایک شخص نے کہا تھا کہ اب وہ وقت نہیں رہا کہ مسلمان حلال و حرام کو دیکھیں اس وقت جس طرح بنے رو پیہ لینا چاہیے۔ اللہ اکبر اس وقت وہ حالت ہو رہی ہے کہ اگر کوئی شخص اس قسم کے معاملات میں احتیاط کرتا ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ اس سے کیا ہو سکتا ہے یہ کچھ نہ کرے گا۔ تو غور کیجئے کہ یہ کتنا شدید مرض ہے کہ جس کو صحت سمجھا جاتا ہے یعنی آج دین سے بے فکری اور لاپرواہی کرنے کو ہنر سمجھا جاتا ہے کہ اگر ایک وقت کی نماز بھی نہ پڑھتا ہو۔ لیکن بی۔ اے پاس ہو تو وہ ترقی پر ہے اور اگر نماز بھی پڑھے اور تمام احکام شریعت کا پابند بھی ہو لیکن انگریزی نہ جانتا ہو تو وہ نیم وحشی اور غیر مہذب ہے تو جس قوم کا مذاق اتنا بگڑ گیا ہو اس کے مریض ہونے میں کیا شک ہے۔ اور میں صرف دنیا داروں ہی کو نہیں کہتا بلکہ دینداروں کو بھی کہتا ہوں کہ وہ بھی صرف تسبیح پڑھنے کو دین سمجھنے لگے ہیں نہ ان میں اخلاق ہیں نہ اخلاق کے آثار ہیں۔ صبر تو کل انس شوق وغیرہ کا ان میں پتہ بھی نہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ تسبیح تو بہت پڑھتے ہیں لیکن غریبوں پر ان کو ذرا بھی رحم نہیں آتا۔ سر پر عمامہ بھی ہے کرتا بھی نیچا ہے مگر ظلم و ستم انتہا درجہ کا ایک پیسہ کہیں خرچ نہ کریں گے اپنا حق بھی نہ ہو مگر اس کو اپنا حق سمجھیں گے۔ ایسے لوگوں نے دین کو بدنام کر دیا اور ایسے ہی لوگ ہیں جو مرض کو ہنر اور ہنر کو مرض سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زیادہ تقوے کرنے سے دنیا کا نقصان ہوتا ہے تو جب ان کی یہ حالت ہے تو دنیا داروں کی کیا شکایت کی جائے۔ غرض یہ مرض اس لئے بھی اشد ہو گیا کہ لوگ اس سے غافل ہیں اور انہوں نے اس کو صحت سمجھ کر کھا

ہے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ہمارے اسی مرض کا علاج بتلایا ہے۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم کو تمہارا مال اور تمہاری اولاد خدا کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔ یہ اول آیت کا ترجمہ ہے جو کہ اس مقام پر مقصود ہے اور اس آیت میں دنیا کو ایک مختصر سی فہرست میں بتلادیا یعنی مال اور اولاد۔ گویا خلاصہ دنیا کا یہ ہے۔ چنانچہ جب کسی کی خوش حالی کی تعریف کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ مال بھی ہے اولاد بھی ہے اور ذکر اللہ سے مراد یہ ہی نہیں کہ اللہ اللہ کیا کرے بلکہ مطلق اطاعت مراد ہے چنانچہ حصن حصین میں منقول ہے کہ کُلُّ مِطِيعٍ بِاللّٰهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والا ہے دراصل وہی سچا ذاکر یعنی اللہ تعالیٰ کا یاد کرنے والا ہے) حتیٰ کہ اگر خدا تعالیٰ کے امتثال امر کے لئے کھانا بھی کھائے تو وہ بھی ذکر ہے بلکہ اگر قربت منکوحہ میں بھی پابندی دین مقصود ہو تو وہ بھی ذکر ہے۔ علیٰ ہذا اگر استنجا بھی اس تہیت سے کرے کہ اس سے فارغ ہو کر عبادت میں مشغول ہوگا تو وہ بھی ذکر ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ ذکر کے معنی یاد کرنے کے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ جو کام ہو مرضی کے موافق ہو پس اسی کو ذکر نہیں کہتے کہ تسبیح لیکر بیٹھے اگر کوئی پانچ وقت کی تہ پڑھے روزہ رکھا کرے اور بصورتِ وجوب حج کرے زکوٰۃ ادا کرے اور ایک تسبیح بھی نہ پڑھے تو اگرچہ خاص برکات سے یہ محروم رہے گا لیکن نجات میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی ہاں یہ شرط ہے کہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے تو گویا جو شخص صرف اوامر اور نواہی پر عمل کرے وہ خدا کا مقبول ہے اس کو نہ قبر میں تکلیف ہوگی نہ قیامت میں عذاب ہوگا تو حقیقت دین کی ذکر ہے اور اس کے لئے تسبیح کی ضرورت نہیں تو توضیح کے لئے ایک مثال اس کی عرض کرتا ہوں۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کسی عورت پر فریفتہ ہو گیا اور اس عورت نے کہا کہ میں رات کو ملوں گی لیکن ذرا آدمیوں کی شکل بنا کر آنا۔ یہ حکم اس عورت کی طرف سے نازل ہوا۔ اب یہ شخص کیا کرے گا؟ یہ کہے گا کہ نانی کو بلا کر خط بنوائے گا غسل کے لئے پانی مہیا کرے گا اور غسل کرے گا۔ بازار جا کر کچھ زیور وغیرہ ہدیہ دینے کو خریدے گا صبح سے شام تک اسی دُھن میں رہے گا۔ لیکن صبح سے شام تک نام ایک دفعہ بھی اس کا نہیں لیا تو بظاہر اس نے اپنے ہی کو بنایا سنوارا اور خرید و فروخت میں مشغول رہا اور اس وجہ سے جس کو راز کی خبر نہیں وہ یوں سمجھے گا کہ یہ شخص دعویٰ عشق میں بالکل کاذب ہے

مگر جس کو دل کی لگی کی خبر ہے وہ جانتا ہے کہ ہر وقت دل میں وہی محبوبہ بسی ہے اگر عطر خریدار ہے تو اسی لئے کہ اس سے ملوں گا۔ زیور خریدار ہے تو اس واسطے کہ اس کو پہناؤں گا غرض ہر کام اسی کے لئے ہے اپنے لئے کچھ بھی نہیں اور نہ گذشتہ کل میں یہ سب کام کیوں نہیں کیا تھا۔ توجب محبوبہ دنیا یہ غلبہ کر سکتی ہے تو کیا محبوب حقیقی کی محبت ہر چیز میں غالب نہیں آسکتی ہے

عجب داری سا کان طریق کہ با مشند در بحر معنی غریب

(تو تعجب کرتا ہے طریقت اور سچی درویشی کے راستہ پر چلنے والوں پر کہ وہ ہر

وقت معنی کے دریا کی گہرائیوں میں غوطے لگاتے رہتے ہیں)

تو اگر کسی تاجر کو خدا سے محبت ہو تو وہ تاجر وہی چیز لے گا جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہو کھانا بھی اسی لئے کھائے گا کہ خدا کا حکم ہے آرام بھی اسی لئے کرے گا کہ اس وقت آرام کرنے کا حکم ہے۔ تو نطا ہر حالت دیکھنے والا اگرچہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ دیندار نہیں ہے، گدواقع میں وہ پکا دیندار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص دین کے لئے گھوڑا پالے تو اس گھوڑے کا کھانا پینا سونا حتیٰ کہ اچھلنا کودنا پیشاب لید کرنا سب اس شخص کے اعمال صالحہ میں لکھا جاتا ہے دیکھئے خود اس شخص کا عمل بھی نہیں بلکہ گھوڑے کا عمل اور اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے تو جب نیک نیت کے گھوڑے کا استنجا کرنا بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا تو خود اس کے اعمال جن کا دین سے تعلق ہو گا صورتاً وہ دنیا کا ہوں وہ کیوں اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھے جائیں گے پس خود اس کا بول و براز کرنا بھی اس کے لئے موجب اجر ہو گا پس استنجا بھی اگر موافق حکم کے ہو اور بغرض عمل بال حکم ہو وہ بھی دین ہے چنانچہ اسی سبب سے اس کے قواعد بھی ہم کو بتلائے گئے اور اسی بنا پر جب ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک شخص نے یہ طعن کیا کہ تم کو تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہگنا موتنا بھی سکھلاتے ہیں تو ان صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے تہایت دلیری سے یہ جواب دیا کہ بیشک ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کو ہگنا موتنا بھی سکھلاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ حقیقت سمجھتے تھے ایسے مواقع میں اعداء دین سے لچتے نہ تھے اب ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ صریح دین کی بات میں بھی

پہننے لگتے ہیں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں نے ریل میں نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ سب ہندو ہی اس میں تھے وہ میری حرکات پر منہستے اور اسلام کی اہانت ہوتی استغفر اللہ اور گواحمد اللہ ہم پر اتنا اثر تو نہیں ہوتا کہ نماز چھوڑ دیں لیکن اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ اگر ہم غیر دکان کے سامنے کھانا کھاتے ہوں اور ہمارے ہاتھ سے ٹکڑا زمین پر گر پڑے تو اس کو اٹھا کر کبھی کھانے کی ہمت نہ ہوگی اس کو عار سمجھیں گے اگر بہت ہی ادب اور دینداری کا غلبہ ہوگا تو کسی نوکراٹھا کر دیدیں گے کہ اس کو کہیں ادب سے رکھ دو مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں کے حاکم ہو کر گئے ایک مرتبہ دورہ میں تھے کہ کھانا کھاتے وقت ایک لقمہ آپ سے گر گیا مٹی لگ گئی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرش بھی کافی آپ کے آگے نہ تھا آپ نے اس لقمے کو اٹھا کر صاف کر کے کھالیا اور سب عجیبی دیکھتے رہے ایک شخص نے اسی وقت آپ کے کان میں کہا کہ یہ لوگ ایسی باتوں کو ذلت سمجھتے ہیں آپ نے باوا زبلا یہ جواب دیا کہ میں ان احمقوں کی خاطر اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا صاحبو! ہم کو جو کچھ ذلت ہوئی وہ اپنے اسلاف کی اتباع چھوڑنے سے ہوئی۔ ایسا ہی قصہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ماہان ارمینی کے پاس جب مسلمان گئے تو وہاں حریر کا فرش بچھا ہوا تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو الٹ دیا جائے ماہان ارمینی نے کہا کہ میں نے آپ کی عزت کی تھی آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو اس سے منع کیا ہے اور توجو یہ کہتا ہے کہ میں نے عزت کی تھی تو سمجھو زمین خدا کا فرش ہے جو تیرے حریری فرش سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔

نباشاہل باطن درپئے آرایش ظاہر بنقاش احتیاج نیست دیوار گلستاں را
 دجواہل باطن باطن ہوتے ہیں وہ اپنے ظاہر کو سنوارنے کی فکر میں نہیں رہتے باغ کی چہار دیواری جس پر
 خود پھولوں کی بلیں پھیلی ہوئی ہیں اس کو نقش و نگار بنانے والے کی کیا ضرورت
 اُن حضرات کے قلوب ایسے کھلے ہوئے تھے کہ بڑے سے بڑے آدمی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے
 صاحبو! یہ ہے اولوالعزمی اور جب ہر چکر چیر کی چمک دیکھ سے ہماری آنکھیں چندھیانے لگیں تو

قلوب میں سے وہ الوالعزمی جاتی رہی۔ ایک کنیسہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قید کی حالت میں عیسائیوں نے محض اپنی شان و عظمت دکھلانے کو جہاں نہایت ہی آرائش اور چمک دمک تھی نیز وہاں حسین عورتوں کو جمع کیا گیا تھا مقصود یہ تھا کہ ان عورتوں کو دیکھ کر ان کی طرف میلان ہوگا اور ہمارے دین کی طرف راغب ہوں گے جب اس سامان کو دیکھا ہے تو باوازہ بلند کہتا شروع کیا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر لکھا ہے کہ اس تکبیر کی محبت سے کنیسہ میں حرکت ہوگئی اور وہاں کے قیدیوں میں آپس میں ٹکرانے لگے۔ صاحبو! آج ہم لوگوں کی تکبیروں سے کیوں نہیں ٹکرا جاتے۔ واللہ ہم لوگ گر گئے ہیں۔ مولوی عبدالجبار صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ جب میں لارڈ ڈفرن سے ملا ہوں تو اس نے میری عبا کا دامن پکڑ کر کہا کہ اس لباس میں آپ شہزادہ معلوم ہوتے ہیں اور ہم تو اپنی وضع سے مجبور ہیں۔ میں اس قول کو نقل کر کے کہا کرتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کے نزدیک علماء کا فتویٰ قابل و قوت نہیں ہے تو صاحب السرائے کا فتویٰ ضرور قابل و قوت ہونا چاہیے۔ غرض ہمارے قلوب میں ہر معمولی و غیر معمولی چیز کی عظمت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں صرف خدا کی عظمت تھی۔ اب میں گریے ہو لقمہ کو اٹھا کھا لینے کا راز بتلاتا ہوں سمجھئے کہ اگر کوئی بادشاہ اپنے دربار میں بلا کر آپ کو کھانے کے لئے کچھ دے اور کہے کہ میرے سامنے بیٹھ کر کھاؤ اور اثنائے اکل میں آپ سے ایک لقمہ زمین پر گر جائے تو اس وقت آپ کیا کریں گے؟ کیا اس لقمہ کو پھینک دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ نہایت سرعت کے ساتھ اس کو اٹھائیں گے اور اٹھا کر صاف کر کے کھالیں گے تاکہ بادشاہ خوش ہو کہ ہماری دی ہوئی چیز کی اس نے قدر کی افسوس کیا خدا کی عظمت شاہ دنیا کی عظمت کی برابر بھی نہ رہی ان حضرات کے قلب میں خدا کی عظمت تھی ہم نے عطیہ شاہ کی تو اتنی عظمت کی اور عطیہ شاہنشاہ کی عظمت نہ کی۔ افسوس ہے کہ دل کی آنکھیں جاتی رہیں ہر چیز میں عیب نکالا جاتا ہے کہ یہ تو کچی رہ گئی ہے اور اس میں تو نمک نہیں ہے مگر میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ کچی کھا جایا کر و اگر عقل کا فتویٰ تو یہی ہے کہ کچی بھی کھا جاؤ کیونکہ عطیہ شاہنشاہ ہے اور اسی سے یہ بھی سمجھو کہ ہماری عقل ہماری دین ہے بر بنائے مذکور کچی کھانے کو بھی واجب کہتی ہے لیکن قربان ہو جائیے شریعت مطہرہ کے کہ اس نے رحم کیا اور اس کو چھوڑ دینے کی اجازت دی۔ اور یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی

کہ عقل ہم کو صعب اور دشوار گزار راہ پر لے چلتا چاہتی ہے۔ لیکن شریعت
مطہرہ تسہیل کر کے نرم راہ بتاتی ہے اور عقل کے فتوے کو منسوخ کرتی ہے اسے
عقل کے پرستو آپ عقل پر عمل کیجئے اور ہم شریعت پر عمل کرتے ہیں
جن لوگوں نے عقل اور شریعت کے قنادے کا موازنہ کر لیا ہے وہ یہ
کہتے ہیں کہ

آزمودم عقل دور ندیش را

بعد ازین دیوانہ سازم خویش را

(میں نے دور تک سوچنے والی عقل کو بہت آزمایا بالآخر اپنے کو دیوانہ

یعنی شریعت کا فرمانبردار بنانے ہی میں فائدہ دیکھا)

یعنی عقل تو بہت بڑی دشمن ثابت ہوئی اب شریعت پر چلیں گے۔ یہ بطور جملہ

معرضہ کے تھا۔ مقصود یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ کیفیت

تھی کہ وہ حقیقی دین کو سمجھتے تھے یعنی جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے گو صورتاً

وہ دنیوی حاجت ہی ہو چنانچہ حدیث شریف میں ہے نَحَى عَنِ الصَّلَاةِ وَهُوَ

حَارِقٌ (جبکہ پیشاب پاخانہ کی سخت حاجت ہو نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے)

فقہاء اعظام نے لکھا ہے کہ ایسے وقت نماز پڑھنا حرام ہے۔ یہاں سے ایک اور

کام کی بات ذہن میں آئی وہ یہ کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی فاتحہ اور تیجے وغیرہ کو حرام

بتاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نماز کو منع فرماتے

ہیں۔ اس کے جواب میں تم یوں کہو گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز

سے منع نہیں فرماتے بلکہ بے ڈھنگے پن سے منع فرماتے ہیں۔ میں کہوں گا

کہ مولوی بھی ایسے ہی بے ڈھنگے پن سے منع کرتے ہیں۔ اب اگر کہو کہ

اچھا پھر ڈھنگ کیا ہے؟

تو جواب یہ ہے ڈھنگ وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کرتے

تھے کیا ان کے متعلقین نہ مرتے تھے اور مرتے تھے تو ان سے فاتحہ اور تیجہ

کرنا کہیں ثابت ہوتا ہے؟ کہیں بھی نہیں۔ بلا قیدِ ثواب بخشے تھے تم بھی ایسا ہی کرو۔ اخیر عذر لوگوں کا یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تو نیک کاموں کی رغبت تھی ان کو قیود کی ضرورت نہ تھی۔ اب چونکہ رغبت نہیں رہی لہذا اگر قیود ہوں جس میں تہلیل و قرآن شریف پڑھنے والوں کا کچھ نفع دنیاوی بھی ہو تو رغبت پیدا ہوتی ہے اور نیک کام ہو جاتا ہے ورنہ بالکل رہ ہی جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ نفع اس لئے معتبر نہیں کہ اس طرح سے تہلیل وغیرہ پڑھنے سے ثواب بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا کے لئے وہ پڑھنا ہوتا ہے جب اس کو بھی ثواب نہ ملا تو تو بخشنے کا کیا پس وہ نفع کہاں محقق ہوا دوسرے شریعت کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی غیر مامور بہ چیز میں مصلحت نفع اور مفسدہ دونوں جمع ہو جائیں تو مفسدہ کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیں گے۔ اور یہاں وہ مفسدہ یہ ہے کہ عوام اس کا دین کا جزو سمجھ گئے ہیں اور غیر دین کو دین کا جزو سمجھتا مذموم ہے کیونکہ اس میں اپنی تجویز کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا لازم آتا ہے اور اس کا مذموم ہونا یوں سمجھو کہ اگر ایک منادی یہ ندا دے کہ صاحب کلکٹر کا حکم ہے کہ ہر شخص ایک آنہ دے اور جمع کر کے کھانا پکوا یا جائے اور فقرا کو کھلا کر گورنمنٹ کے لئے دعا کی جائے۔ حالانکہ صاحب کلکٹر نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ تو یہ ندا کرنا گورنمنٹ کی مصلحت ہی کو متضمن ہے مگر باوجود اس کے صرف اس لئے جرم ہو گا کہ اس منادی نے گورنمنٹ کی طرف ایسی چیز کو منسوب کر دیا جو واقع میں اس کی طرف منسوب نہیں ہے اگرچہ اس میں مصلحت بھی ہو۔ اسی طرح تیجی وغیرہ کو داخل دین کرنے والوں نے بھی خدا تعالیٰ کی طرف ایسی چیز کو منسوب کیا جو واقع میں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہے اگرچہ اس میں مصلحت بھی مان لی جائے۔ اب اس میں غور کر لو کہ لوگ اس رسم کو ایسا سمجھتے ہیں یا نہیں میں نے کانپور میں ایک شاہ صاحب کو خود یہ کہتے سنا ہے کہ گیا رہو میں (۱۸) تاریخ تک جائز ہے پھر جائز نہیں۔ اور لیجئے کانپور کی کسی مسجد میں دو طالب علموں میں گفتگو ہو رہی تھی ایک کہتا تھا کہ نیاز دلانے والوں کا عقیدہ اچھا نہیں ہوتا دوسرا کہتا

تھا کہ نہیں اچھا ہوتا ہے مقصود صرف بزرگوں کو ثواب بخشنا ہے اور نیاز خدا ہی کی دلائی جاتی ہے۔ اتفاقاً اسی وقت ایک بڑھیا دونے میں مٹھائی لیکر آتی کہ مولوی صاحب اس پر بڑے پیر کی نیاز دیدو۔ مانع نے اس بڑھیا سے پوچھا کہ بڑی بی بی؟ اللہ میاں کی نیاز دیدیں اور بڑے پیر صاحب کو ثواب بخشیں یہ بڑھے لکھے لوگ تاویل تو کر لیتے ہیں لیکن واقع میں وہ تاویل چل نہیں سکتی چنانچہ اس بڑھیا سے جو پوچھا گیا تو کہنے لگی نہیں بیٹا اللہ میاں کی نیاز تو میں دلا چکی ہوں یہ تو بڑے پیر صاحب کی نیاز ہے ممکن ہے کہ اس کے جواب میں کوئی یہ کہے کہ ہمارا تو یہ عقیدہ نہیں لہذا ہم کو تو جائز ہونا چاہیے۔ تو سمجھو کہ شریعت کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر ہمارے جائز فعل سے کوئی دوسرا مبتلائے موصیت ہو جائے تو ہم کو بھی اس فعل کا کرنا جائز نہ رہے گا اس کی ایسی مثال ہے کہ اگر طبیب منع کر دے کہ بچے کو حلوہ نہ دینا تو ماں باپ کو بھی حلوہ پکانا یا کھانا نہ چاہیے کہ ان کو دیکھ کر بچہ ضد نہ کرتے لگے بلکہ بچہ کی حرص کے خیال سے ماں باپ خود ہی اس کو بوجہ محبت کے گوارا نہ کریں گے۔ صاحبو! اسی طرح اگر تم کو مسلمانوں سے محبت ہو تو سمجھو میں آجائے کہ اگر ہمارے کسی فعل سے کوئی بگڑے تو ہم کو بھی اس کے کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بلکہ اجازت نہیں اور اگر کرنا ہی ہے تو یہ کرو کہ اس کی صورت بدل دو۔

میری ہمیشہ کا جب انتقال ہوا تو طالب علموں نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم جمع ہو کر قرآن شریف پڑھ دیں۔ میں نے کہا کہ پڑھو لیکن جمع ہو کر نہ پڑھو بلکہ ہر شخص اپنے حجرے میں بیٹھ کر جتنا جی چاہے پڑھ دے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ جو کام خدا کے لئے نہیں ہوتا وہ مقبول نہیں ہوتا اور ثواب بخشنے کی حقیقت یہ ہے کہ اپنا ثواب دوسرے کو دیا جائے تو جب اپنے ہی کو ثواب نہ ملے گا تو دوسرے کو کیا چیز دی جائے گی اور جب جمع ہو کر پڑھا جائے گا تو چار آدمی تو اللہ کے واسطے پڑھیں گے اور دس آدمی محض شکایت رفع کرنے کے لئے۔ اور اس نیت سے کہ اگر ہم نہ پڑھیں گے تو یہ اپنے دل میں سمجھیں گے کہ دیکھو ان لوگوں کو ہم سے تعلق

کم ہے اور ایسوں کو خود ہی ثواب نہ ملیگا پھر وہ مرحومہ کو کیا بخشیں گے لہذا تم سب حجرے میں بیٹھ کر پڑھو اور پھر پڑھنے کے بعد بھی نفس تلاوت یا مقدار تلاوت کی مجھ کو اطلاع نہ کرو کیونکہ اس میں میری خوشی مد نظر ہوگی۔ اس کے جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ یوں تو کوئی بھی نہ پڑھے گا۔ میں کہتا ہوں کہ رسم کے طور پر ہوتا بھی تو نہ ہونے کے برابر ہے پھر اگر فرضاً کسی نے نہ بھی پڑھا تو کیا نقصان ہو گیا ثواب اب بھی نہیں ہوتا اُس وقت بھی نہ ہوگا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ اصلاح الرسوم سے مردوں کو بہت نقصان ہوا میں نے کہا کہ مردوں کو تو نقصان نہیں ہوا لیکن زندوں کو نفع ہو گیا کیونکہ لوگ جو کچھ کہتے تھے دکھاوے کے لئے کرتے تھے اور اُس سے ان کے نقصان کے سوا اُمرے کو کچھ بھی نفع نہ ہوتا تھا اور دکھاوے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ فلاں شریف آدمی کو جو کہ نہایت غریب بچپاس روپے دید و لیکن خفیہ دینا ورنہ وہ لے گا نہیں تو کوئی دینے والا بھی اس کو گوارا نہ کرے گا اور دل میں کہے گا کہ واہ اتنا رُپیہ بھی خرچ ہوا اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی تو جب وہ عمل مخلوق کے دکھانے کو ہوا تو اس میں ثواب تو یقیناً نہ بلا پھر اس کے نہ دینے سے مردوں کا کیا نقصان ہو گیا ہاں زندوں کا نفع ہو گیا کہنے لگا کہ واقعی سچ کہتے ہو۔ تو یہ ایسی صاف باتیں ہیں کہ ہر شخص سمجھتا ہے۔

ع۔ اور اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اُس بُت کو خدا سمجھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی بھی تو علماء تھے انھوں نے کیوں منع نہیں کیا میں کہتا ہوں کہ پہلے بھی منع کیا ہے کتابوں میں سب کچھ موجود ہے ہم لوگ حنفی ہیں حنفیہ کی کتابوں میں دیکھ لیجئے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ کیا ہے یہ سب جزئیات ان کے اصول کے موافق ہیں۔ غرض جب ایک وقت میں نماز بھی ممنوع ہو جاتی ہے تو رسوم کس شمار میں ہیں سو پیشاب پائخانہ کے دباؤ کے وقت نماز کے ممنوع ہونے سے معلوم ہوا کہ ایک وقت پر استنجا بھی طاعت ہے حالانکہ صورت اس کی عبادت نہیں اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی فعل جو صورت عبادت نہ ہو موافق حکم کے کیا جائے وہ بھی عبادت ہے یہ شرح ہے اس قول کی کُلُّهُمُ بِحَمْدِ اللَّهِ فَتَوَدَّ أَنْ يُسَبِّحَهُ دینِ خدا کے راضی کرنے کا نام ہے اگر صبح سے شام تک کوئی ایک تسبیح نہ پڑھے لیکن احکام میں اطاعت کرے تو وہ دیندار اور ذاکر ہے دنیا دار اور غافل نہیں ہے۔

چھت دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ فرزند وزن
 (خدا تعالیٰ سے غافل ہونے کا نام نیلے سونا چاندی بیوی بچے ان کو دنیا نہیں کہتے)
 میرا یہ مقصود ہرگز نہیں کہ لوگ کھاتے کیوں ہیں۔ صاحبوا دکان کرو تجارت کرو
 لیکن حدود شرع کی رعایت رکھو سودے کے عیب کو ظاہر کر دیا کرو یہ کہہ دو کہ یہ جدوار اصلی
 ہے اور یہ نقلی۔ اگر دبا کے دن ہیں تو ایسا نکر و کہ ایک ہی بوتل سے عرق بادیاں اور گلاب
 اور بیدمشک سب نکلتا چلا آئے۔ اسی طرح برسوں کی رکھی ہوئی دوا نہ دو۔ اکثر لوگ کہا کرتے
 ہیں کہ اگر ہم سچ بولیں تو تجارت کیسے چلے؟ اول تو یہ غلط ہے کہ سچ بولنے سے تجارت نہ چلے گی
 دوسرے نہ بھی چلے تو تمہارا کیا حرج ہے خدا دوسرے ذرائع سے رزق دے گا۔ کان پور میں
 ایک شخص نے بانس کی تجارت شروع کی جب کوئی خریدار آتا تو صاف کہہ دیتے کہ یہ بانس چار برس
 چلے گا یہ سن کر خریدار واپس چلا جاتا لوگوں نے ان سے کہا کہ اور سچ بولو کہنے لگے کہ نہ بلیگا تو میرا
 کیا حرج ہے خدا تعالیٰ دوسرے طریق سے دیکھا آخر ان کا ایسا اعتبار بڑھا کہ ان کے ہاں مال ہوتے
 ہوئے دوسروں کا مال بکنا کم ہو گیا۔ مولانا فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کے ہاں ایک طالب علم ثنوی
 پڑھنے کے لئے آیا مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اول روٹیوں کا بند و بست کر لو پھر پڑھنا اس نے
 کہا روٹی تو اللہ تعالیٰ دیں گے اور جب نہ دیں گے اپنی جان لے لیں گے اس کی کیا فکر۔ لوگوں
 کو کہیں اطلاع ہو گئی پھر تو ان کی دعوتیں ہونا جو شروع ہوئیں تو کئی ماہ تک خوب منے
 دار کھانے دو وقت ملتے تھے اور جتنا ان کو پڑھنا سمجھا خوب اطمینان سے پڑھ لیا کسی نے
 خوب کہا ہے ۷

رزق مقسوم است و وقت آل مقرر کردہ اند پیش ازاں و پیش ازاں حاصل نیسگر دو و سجد

(رزق تقسیم اور حساب سے ملتا ہے اور اس کا وقت مقرر ہے کتنی ہی کوشش کرو وقت سے پہلے اور

مقررہ مقدار سے بڑھ کر نہیں مل سکتا)

تو رزق تو ملے گا ہی اور اگر قسمت کا نہیں تو تم کو مل کر بھی تمہارے کام نہ آئے گا۔ مثلاً ایک طبیب نے کہا کہ دو تولہ
 یعنی کھایا کرو زیادہ کی اجازت نہیں اب اگر ہو س سے زیادہ بھی پی لیں گے تو وہ دستوں کی راہ نکل جائیگی
 ایک واقعہ ہے کہ لکھنؤ میں ایک نواب کو کسی مرضِ مدہ کے سبب صرف چند تولہ قیمہ چوسنے کی اجازت تھی

اور زیادہ مضم بھی نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک لکڑ ہائے کو دیکھا کہ سر پر سے لکڑیوں کا بوجھ اتار کر ان کے گھر کے سامنے رکھا اور چادر میں سے وہ موٹی روٹی نکال کر پیاز یا چٹنی سے کھا کر پانی پی کر زمین ہی پر لمبا لمبا ہو کر سو گیا اور غراٹے لینے لگا نواب صاحب کہتے تھے کہ میں دل سوراخی ہوں کہ میری نوابی اس کو مل جائے اور اس کا آرام و چین مجھے دیدیا جائے۔ افسوس کہ انسان خدا پر نظر نہیں رکھتا۔ غرض رزق کی یہ حالت ہے تو اس کے لئے جھوٹ بولنا دغا کرنا حماقت محض ہے غرض تجارت کرنا زراعت کرنا جبکہ حدود کے اندر ہو سب دین ہے اس لئے میں نہیں کہتا کہ کچھ نہ کرو مگر یہ کہتا ہوں کہ دغا فریب نہ کرو جھوٹ نہ بولو اور یہ نہ سمجھو کہ جھوٹ بول کر ملے گا۔ صاحبو! کیا خدا کو ناراض کر کے ملے گا۔ تو خدا کو راضی کر کے اس سے زیادہ نہ ملے گا۔ عجیب خیال ہے اور اگر کہو کہ اس دلیل کا یہ ہی مقتضا ہے کہ فرمانبرداری میں زیادہ ملے مگر مشاہدہ تو یہی ہو رہا ہے کہ نافرمانی میں زیادہ ملتا ہے۔ تو صاحبو! کہیں ایسا ہے بھی تو حقیقت اس کی یہ ہے کہ فرمانبرداروں کی ناداری محض ظاہری ہے اس کی حقیقت اس مثال سے سمجھو ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ شہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیران کے ہاں مہمان ہوئے اس روز شاہ صاحب مکان پر نہ تھے اور گھر میں فاقہ تھا بیوی کو فکر ہوئی ادھر ادھر سے قرض لینا چاہا تو قرض بھی نہ بلا پیر صاحب کو اس حالت کا پتہ چل گیا انھوں نے ایک روپیہ دیا اور کہا کہ اس کا اناج لے کر ہمارے پاس لاؤ چنانچہ لایا گیا آپ نے اس کو ایک برتن میں رکھ کر ایک تعویذ اس کے اندر رکھ دیا اور فرمایا کہ جب ضرورت ہو کرے اس میں سے نکال لیا کرو اس تعویذ کی برکت سے اس اناج میں خوب وسعت ہوئی چند روز کے بعد حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ واپس تشریف لائے۔ بیوی نے پیر صاحب کے آنے کا اور تعویذ رکھنے کا قصہ بیان کیا حضرت کو اس سے بہت تنگی پیش آئی کہ اب کبھی فاقہ کی نعمت نصیب نہ ہوگی آپ نے فرمایا کہ اس برتن کو میرے پاس لاؤ چنانچہ لایا گیا آپ نے تعویذ نکال کر اپنے سر میں رکھا اور فرمایا کہ حضرت کے تبرک کا مستحق تو میرا سر ہے اور اناج کے لئے حکم دیا کہ سب تقسیم کر دیا جائے۔ اگلے وقت سے پھر فاقہ شروع ہو گیا اور فرمایا ہمارا فقر اضطراری نہیں اختیاری ہے سو آپ تو ان کو نادار سمجھتے ہیں

مگر یہ لوگ اسی کو دولت سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مطیع کو ناداری میں بھی اس قدر انشراح ہوتا ہے کہ حرام کھانے والوں کو سلطنت میں بھی نہیں ہوتا اور اصل دولت یہی انشراح ہے جو کہ اموال سے بھی وہی مقصود ہے سواہل اطاعت کو وہ بدون اموال کے بھی میسر ہے ہاں جس کو درست کرنے کی ضرورت ہے جس کا طریقہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ بتلاتے ہیں۔

صحتِ این جس بچوئید از طبیب

صحتِ آل جس بچوئید از حبیب

صحتِ این جس ز معمورِ ی من

صحتِ آل جس ز تخریب بدن

رجسانی احساسات کا علاج طبییوں کے پاس ڈھونڈو اور اندرونی

احساسات کا علاج محبوب کے پاس ڈھونڈو۔ جسمانی جس کی

صحت تو بدن کی درستی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اندرونی جس کی

صحت بدن سے بے تعلق ہونے پر ہے۔

غرض اطاعت ہی کرنے سے اصل دولت و راحت ملتی ہے۔ دیکھئے اگر غذا بہت سی ملے لیکن سب فضلہ ہی ہو جائے تو بیچ ہے اور اگر روح غذا بلا غذا مل جائے تو کھانے کی ضرورت نہیں تو میرا دعوائے ثابت رہا اگر اطاعت کرے گی تو اور بھی زیادہ ملے گا یعنی روح غذا عطا ہوگی۔ غرض شکایت یہ ہے کہ اس وقت جس طرح سے دنیا ہاتھ آتی ہے لیتے ہیں نا فرمانی سے پاک نہیں۔ اس کی اصلاح ہونی چاہئے اور دیت داری پیدا کرنی چاہئے۔ گو تہجد اور تسبیح نہ ہو کیونکہ کچھ تسبیح اور تہجد پڑھنے والوں ہی کے لئے رحمت خاص نہیں ہے بلکہ

ہنوز آل ابر رحمت در نشانست

خم و خمخانہ با مہر و نشانست

روہ رحمت کا بادل اب بھی موتی برس رہا ہے۔ شراب معرفت کے

مٹکے اور میخانہ پر مہر اور نشان لگا ہوا ہے)

مگر افسوس تو یہ ہے کہ کوئی لبستا ہی نہیں۔ اور لیسنے کی صورت یہ ہی ہے

کہ تقوٰے طہارت اختیار کرے۔ حقوق العباد کو حتی الوسع ادا کرے اس وقت حقوق کے متعلق ذرا خیال نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ اگر کسی کے تین پیسے بھی کسی کے ذمہ رہ گئے تو اس کی سات سو نمازیں اس صاحبِ حق کو دلوائی جائیں گی۔ آجکل دوسرے کا حق ادا کرنا ایسا گراں ہوتا ہے گویا کہ اپنے گھر سے دے رہے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات تو صاحبِ حق کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کے واسطے دید و اور اسی سبب سے دوسرے کو قرض دینے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اسی لئے قرض میں اٹھارہ گنا ثواب ملتا ہے اور صدقے میں دس کا ملتا ہے۔ اٹھارہ کا حساب اس طرح ہوا کہ اصل میں صدقہ سے مضاعف ملا تھا ایک کے مقابلہ میں دو مگر جب اصل روپیہ واپس مل گیا تو اس کے مقابلے میں دو کٹ گئے۔ اور اٹھارہ رہ گئے اور ہمارے اس برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر لوگوں کو قرض نہیں ملتا۔ آج مسلمانوں میں بہت سے لوگ اپنے بھائیوں کا کام نکال سکتے ہیں کہ مالدار ہیں مگر کسی وجہ سے خود تجارت نہیں کرنا چاہتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا کام میں لگالے تاکہ حفاظت سے بچیں مگر اس خوف سے نہیں دیتے کہ ان سے وصول کون کرے گا۔ لہذا مسلمانوں کو وقت ضرورت مہاجن سے قرض لینا پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند روز کے بعد تمام گھر باہر کا مالک مہاجن ہی ہو جاتا ہے اور یہ محض مسلمانوں کی بے اعتباری کی وجہ سے منظرِ نگار میں میرے ایک دوست سے ایک شخص نے دس روپے یہ کہہ کر قرض لئے کہ آج میرے مقدمے کی تاریخ ہے اور گھر سے دن کے دن منگا نہیں سکتا تم اس وقت دید و میں وطن جاتے ہی بھیج دوں گا غرض انھوں نے جب وطن جا کر بھی مدت تک نہ بھیجا انھوں نے تقاضا شروع کیا اخیر میں کہا کہ کیا ہمارا کوئی رقعہ ہے صبر کر کے بیٹھ رہے اور پھر غضب یہ کہ اس حرکت کو دین کے خلاف بھی نہیں سمجھتے۔ صابو! کیا قبر میں جا کر جواب دے گے

۱۱۲ احمد حسن عقی عنہ۔

اپنے سارے کام کر لیتے ہیں مگر دوسرے کا قرض نہیں دیتے۔ اور اگر کوئی مانگتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ کیا قرض مار میں ہے اور اس سب کی وجہ ایک ہی ہے۔ بھاری مرض ہے کہ دین کی فکری نہیں۔ بہت سے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ سبیل میں زیادہ مال لے جاتے ہیں اور ذرا پروا نہیں کرتے بلکہ بعض تو کہتے ہیں کہ کافر کا حق مار لینا کچھ ڈر نہیں حالانکہ وہ بھی واجب التحرز ہے بلکہ ایک بزرگ تو یہ کہتے تھے کہ مسلمان کا تو چاہے لے لو لیکن کافر کا حق نہ لو کیونکہ مسلمان سے تو یہ امید ہے کہ وہ قیامت میں معاف کر دے اور کافر سے تو یہ بھی امید نہیں۔ دوسرے اگر معاف نہ کیا تو خیر اپنی نیکیا اپنے ہی بھائی کے پاس جائیں گی دشمن کے پاس تو نہ جائیں گی۔ خصوصاً میراث میں تو ایسی گڑبڑ ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ جس کے ہاتھ جو آ گیا وہ اس نے دیا لیا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیوی مہر معاف کر دیتی ہے لیکن پھر بعد وفات ورثہ سے اختلاف کر کے وصول کر لیتی ہے بعض لوگ شرعی حیلے ایجاد کر کے ورثہ کو نہیں دینا چاہتے۔ چنانچہ ایک صاحب میرے پاس آئے کہنے لگے کہ میری بہن اہل سنت والجماعت میں سے تھی اور اس کا شوہر شیعی تھا اب اس بہن کا انتقال ہو گیا ہے تو اس شوہر کو تو اس کے ترکہ میں سے کچھ حصہ نہ ملنا چاہیے کیونکہ سستی عورت سے شیعی مرد کا نکاح درست نہیں ہوتا شاہ عبدالعزیز نے صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کفر کا فتویٰ لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ غیرت دار آج جانداد کے بچاؤ کے لئے شاہ صاحب کا فتویٰ نظر آ گیا اور دشمن برس سے جو بہن سے حرام کر لیا اس وقت اس فتوے پر عمل نہ کیا۔ اب تو میں یہ ہی کہوں گا کہ نکاح ہو گیا۔ اور میں نے کہا کہ ایمان سے بتلاؤ کہ اگر تمہاری بہن سے پہلے یہ شخص مر جاتا اور بہت سی جانداد چھوڑتا کیا تب بھی تم یہ ہی کہتے کہ نکاح نہ ہوا تھا اس لئے میراث نہ ملتا چاہیے ہرگز بھی نہ کہتے۔ تو حیلے نکال نکال کر شریعت کو بدلتا چاہتے ہو

صاحبو! یاد رکھو

زہارا زاراں قوم نباشتی کہ فریبندہ حق را بہ سجود ہی و نبی را بہ دروے
 رہرگز اس جماعت میں سے نہ بن جو حق تعالیٰ کو صرف سجدوں سے اور
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف درود پڑھ دینے سے محبت کا
 اظہار کرتے ہیں اور کسی کام میں اطاعت نہیں کرتے)

لوگ اس وقت خدا تعالیٰ کو بھی پھسلانا چاہتے ہیں یُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ (دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور مسلمانوں کو اور
 وہ کسی کو بھی دھوکے میں نہیں ڈال سکتے خود ہی دھوکہ میں ہیں) افسوس کہ بعض لوگوں
 نے دین کو اغراضِ نفسانی کے لئے آڑ بنا لیا ہے حتیٰ کہ مشہور ہو گیا ہے کہ دیندار لوگ اپنے
 مطلب کے مسئلے نکال لیتے ہیں۔ خدا کی قسم دینداروں کا تو یہ مذہب ہے کہ اگر ظاہراً
 گناہ کریں تو اس سے اچھا ہے کہ دین کے پردے میں گناہ کریں۔ غرض میراث میں
 یہ گڑ بڑ ہو رہی ہے حتیٰ کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو میراث دینا نہیں چاہتا
 حالانکہ میراث کا مسئلہ ایسا نازک ہے کہ ایک بزرگ اپنے دوست کی عیادت کو
 گئے جب ان کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا اور فرمایا کہ اب اس چراغ
 میں وارثین کا تیل ہے اور سب سے اجازت دشوار ہے۔ آج یہ حالت ہے کہ اللہ اسٹیل
 دینے میں بھی احتیاط نہیں کہ جہاں کوئی مرا فوراً اس کے کپڑے مسجد یا مدر سے
 میں بھیج دیئے۔ حالانکہ جس وقت تک تقسیم نہ ہو جائیں اس وقت تک یہ مشترک میں
 تصرف ہے جو بدون سب کے اذن اور طیب خاطر کے جائز نہیں ہے اور اگر کوئی
 ایک وارث دیدے گا تو شرعاً اس کا اس قدر حصہ مجموعہ ترکہ سے کم ہو جائے گا
 مگر لوگوں نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جو جی میں آیا کر لیا فریعت سے
 کچھ بچت ہی نہیں وہ حالت ہے اُرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (کیا تو نے اس شخص کو
 دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنا رکھا ہے) اور پھر بعض نے اس کی بھی الٹی کوشش کرتے
 ہیں کہ ابوارِ نفسانیہ کو علماء سے جائز کرالیں میں نے اس کی ایک مثال میرٹھ میں بیان کی تھی کہ
 علماء سے ہر بات کے جائز کرالنے کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک رئیس کی عادت

تھی کہ وہ اکثر بے سرو پا پاتیں کہا کرتا تھا لوگ اس کو ہنسا کرتے تھے اس نے ایک شخص کو اس کام کے لئے نوکر رکھا کہ جو کچھ ہم کہا کریں اس کی تاویل کر دیا کرو۔ ایک مرتبہ اپنے فرمایا کہ آج ہم شرکار کو گئے ہر پیر جو فیر کیا تو گولی اس کے کھڑے میں لگ کر پیشانی کو توڑتی ہوئی نکل گئی لوگ ہنسنے لگے خادم نے عرض کی حضور بجا ہے وہ ہرن اس وقت کھڑے سے پیشانی کھجلا رہا تھا۔ تو جیسے کام کے لئے اس رئیس نے نوکر کو انتخاب کیا تھا ویسا ہی کام آج ہمارے بھائی علماء سے لینا چاہتے ہیں۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ کھلم کھلا گناہ کرے لیکن نا جائز کو جائز تو نہ بنائے مولانا فرماتے ہیں سے

تا ہوا ز تازست ایماں تازہ نیست چوں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

جب تک نفس کی خواہشات تازہ ہیں ایمان تازہ نہیں ہے۔ یہ خواہشات نفس

ایمان کے دروازہ کے لئے سب سے بڑا قفل ہے)

جب تک خواہش نفسانی کو مغلوب نہ کرو گے ایمان میں تازگی نہ آئے گی۔ مگر خواہش نفسانی کو کم کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا پینا کم کر دیں اس وقت تو درویشوں کو بھی کھانا کم نہ کرنا چاہیے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ خوب کھاؤ اور نفس سے خوب کام لو۔

۵۷ کہ مزدور خوشدل کند کار پیش۔ (جو مزدور مالک کجغوش ہوگا وہ زیادہ کام کرے گا) تو کھاؤ پیو کپڑا پہنو ہنسو بولو مگر حدود شرعیہ کی حفاظت ہر چیز میں رکھو۔ آمدنی آئے تو اس کو دیکھ لو کہ حرام طریقہ سے تو نہیں آئی۔ ریل میں سفر کرو تو دیکھ لو کہ اسباب اجازت قانون سے تو زیادہ نہیں ہے نیز ہم جو ریل میں بیٹھتے ہیں تو ہم نے شریعت کے موافق جگہ گھیری ہے یا زیادہ جگہ گھیری ہے۔ صاحبو! دین ریل میں بھی کچھری میں سب جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ رعایا کسی وقت قانون سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔ سونے کے وقت دیکھ لو کہ پیر قبلہ کی طرف تو نہیں ہیں۔ بے نماز پڑھے نہ سو رہو اور اگر سونے لگو اور خود جاگنے کی توقع نہ ہو تو کسی کو مقرر کر دو کہ وہ تم کو نماز کے وقت جگا دے اور مصلحت دین کے ساتھ دنیوی مصلحت کی بھی تمہارے لئے رعایت کی ہے چنانچہ یہ بھی قانون ہے کہ بے روک چھت پر

نہ سو رہو پس شریعت محض گمراہی کا نام نہیں ہے بلکہ اس نے تمہاری ہر طرح کی مصلحت کی رعایت کی ہے۔ غرض عمل با شریعت یہ ہے کہ ہر حال میں خدا سے تعلق رکھو دنیا یا دین کا جو کام کرو حد و د کے موافق کرو اسی کو کہتے ہیں لَا تُلْبِسُكُمْ أَمْوَالِكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ مَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ہر دیکھو تمہارا مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرتے ہیں وہ سراسر نقصان میں ہیں، آگے ایک عنوان سے اس کی تائید ہے کہ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ یعنی خرچ کرو اس چیز سے کہ دیا ہم نے تم کو۔ اس عام میں ایک یہ خاص فرد بھی داخل ہے کہ تعلیم دین میں بھی اگر ضرورت ہو خرچ کرو اور اس فرد کو میں نے اس لئے بالخصوص بیان کیا یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ دین کو دنیا سے مقدم کرنا ضروری ہے لیکن دین کا مقدم کرنا دین کے علم پر موقوف ہے مگر اس جملہ سے کوئی یہ مطلب نہ سمجھ جائے کہ میں سب کو مولوی بنانا چاہتا ہوں۔ بلکہ جن علماء کی نسبت آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سب کو مولوی بنانا چاہتے ہیں وہ خود ہی سب کو مولوی بنانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ اس سے دو نقصان ہوں گے ایک تو یہ کہ تمام لوگ مولوی بن جائیں گے تو کھیتی اور تجارت سب برباد ہو جائے گی اور مجموعہ قوم پر معاش کی حفاظت کرنا فرض ہے اگر سب چھوڑ دیں اور اس سبب سے سب مرجائیں تو سب گنہگار ہوں گے تو واجب ہے کہ ایک جماعت کھیتی کے لئے رہے۔ ایک تجارت کے لئے اور ایک خدمت دین کے لئے جس کو لوگوں نے اڑا دیا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگر سب مولوی بنے تو چونکہ اکثر طبائع میں حرص اور لالچ غالب ہے اور معاش سے بھی اکثر لوگ مستغنی نہیں ہو کے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ مولوی کہلائیں گے اور حرص دنیا میں دین کو تباہ کریں گے۔ اور دین کو ذریعہ تحصیل دنیا کا بنائیں گے ان کا تو یہ ضرر ہو گا اور دوسرے لوگ ان کو اس حالتِ ذلیل میں دیکھ کر دین کو بھی ذلیل سمجھنے لگیں گے دوسروں کا یہ ضرر ہو گا۔ سلف صالحین کا اس وجہ سے یہ معمول تھا کہ جو شخص امرا سے زیادہ ملتا تھا اس کو اپنے حلقہ درس میں شریک ہونے سے روک دیتے تھے غرض یہ تو

مطلب نہیں ہے کہ سب کے سب اصطلاحی عالم بنیں لیکن یہ ضروری ہے کہ کچھ لوگ اصطلاحی عالم ہوں اور کچھ لوگ متوسط درجہ تک پڑھ لیں۔ اور ان کو جو ضرورت پیش آتی جائے علماء کا ملین سے اس کے متعلق استفتا کر لیں صاحبو اس وقت دو پیسے میں کلکتے تک سے ہر بات دریافت ہو سکتی ہے دیکھئے اگر ایک ہفتہ میں چار مسلے معلوم ہوں تو ایک ماہ میں کس قدر ہو جائیں۔ پھر ایک سال میں ان کی کتنی تعداد ہو جائے اور چند سال میں کیسا معتد بہ ذخیرہ اپنے پاس ہو جائے تو ان کے لئے جو پڑھے لکھے ہیں اور جو حرف شتا س نہیں ہیں ان کے لئے یہ کیا جائے کہ کسی ایک شخص کو مقرر کیا جائے جو ان کو ہر ہفتہ مسائل سنایا کرے اور یہ نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں ایک بار تو ضرور ہی کچھ مسائل سنا دیا کرے اور یہ لوگ اپنی عورتوں کو سنا دیا کریں مگر اس کے لئے ایک مرکز کی ضرورت ہوگی کہ وہ اُس کو اپنے ذمہ لے اور وہ کوئی عالم ہونا چاہئے اس کا کام یہ ہو کہ محض مسائل کا وعظ کہا کرے اس لئے میں نے اس وقت دَأْنِفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ کو پڑھا کہ لوگ اس کی طرف توجہ اور تہمت کر کے ایک مولوی کو مناسب معاوضہ پر اس کام کے لئے رکھ لیں۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی حاصل ہوئی کہ یہاں یہ انتظام ہوا ہے۔ اس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ روزانہ جب کھانا پکانے بیٹھو تو آٹے کی ایک چٹکی نکال کر علیحدہ کسی برتن میں ڈال دیا کرو اسی طرح جب روپے کے پیسے لو تو اس میں سے ایک پیسہ نکال کر اس مد کے لئے رکھ دیا کرو اور اس میں بستی کے ہر ایک شخص کو شریک کرو۔ اور جب مدرسے کی صورت ہو جائے تو اس میں تین چیزوں کی ضرورت ہوگی ان کو جاری کرو ایک تو یہ کہ قرآن شریف کی تعلیم ہو جو لڑکے ناظرہ پڑھیں ان کے ساتھ تو یہ طرز رکھو کہ جب بیس پارے قرآن شریف کے پڑھ لیں تو ان کو مسائل کا کوئی اردو رسالہ شروع کرا دیا جائے اور جو لڑکے حفظ پڑھیں ان کے ساتھ یہ طرز رکھو کہ جب تک قرآن شریف ختم نہ ہو جائے کسی دوسرے شغل میں نہ لگاؤ دوسرا کام یہ کہ ایک شخص کو ملازم رکھو کہ وہ عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھا دیا کرے تیسرا کام یہ کہ ایک واعظ مدرسے میں رکھا جائے وہ ہر ہفتہ وعظ کہا کرے اور قرب جو اسکے دیہا میں بھی وقتاً فوقتاً مسائل کی تعلیم دیا

تو اس کی کوشش کرنا بھی آنفقوا میں داخل ہے اور دیکھئے خدا تعالیٰ نے صَمَّا زَرَوْا شَكَرُوْا
 فرما کر بتلا دیا کہ ہم نے ہی تو دیا ہے پھر بختل کیوں کرتے ہو نیز لفظ مِنْ تَبَعِيْضِيْہِ فرما کر یہ
 بھی تسلی فرمادی کہ ہم سارا مال نہیں مانگتے۔ آگے فرماتے ہیں مَرْتٌ قَبْلَ اَنْ يَّتَاتِيَ اَحَدًا
 كُوْمُ الْمَوْتِ (اس سے پہلے کہ تمہیں موت آجائے) یہ وہ تعلیم ہے کہ اگر روز پندرہ بیس منٹ بھی
 اس کو سوچ لیں تو دنیا کی محبت بالکل جاتی رہے۔ یعنی یہ سوچ لیا کریں کہ ایک دن
 ہم کو مرنا ہے اور مرنے کے بعد ہم سے ہر ہر بات کے متعلق ایک دن سوال ہوگا۔
 میزان عدل قائم کی جائے گی اگر ہماری نیکیاں غالب آگئیں تو فہا ورنہ قعر جہنم
 ہے اور ہم ہیں اور وہاں یہ حالت ہوگی لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰی (نہ تو موت ہی ہو
 نہ زندگی) آگے فرماتے ہیں کہ اگر خرچ نہ کرو گے تو یہ کہو گے لَوْلَا اَخَّرْتَنِيْ اِلٰی
 اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَدَّقْتُ وَاَكُنُّ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (اگر مجھے تھوڑی سی مہلت
 دیدی جاتی تو میں خوب خیرات کرتا اور اچھے لوگوں میں سے ہو جاتا) دوسری آیت اس
 طلب مہلت کے جواب میں ہے کہ وَكُنْ يُّوْعٰزًا لِّاِنَّ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا لَيْسَ لَهَا
 وِقْتُ اَجَاةً كَا تُوْبٰرِكُ مِهْلَتٌ نَّمَلُ لَهَا اِسْ كِي بَعْدَ غَفْلَتٍ بِرُوعِيْدٍ هُوَ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا
 تَعْمَلُوْنَ (لفظ خَبِيْرُ فرمایا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو دل تک کی خیر ہے اس میں اشارہ اس
 طرف ہے کہ دین یہ ہے کہ باطن بھی درست کرو۔ حاصل یہ ہے کہ ان آیات میں ہم دُپِ دُنْيَا مَرَضٍ
 جتا یا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ ۵

غم دین خور کہ غم غم دین ست

ہمہ غمہا فرد تراز این ست

(دین کی فکر میں رہو کیونکہ اصل فکر دین ہی کی فکر ہے۔ اور تمام فکریں اس سے کم درجہ کی ہیں)

خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ توفیق عمل بخشیں۔ ناظرین کرام سے التماس ہے کہ جامع و عظم

(اور ناشر و عظم عبد المنان) کے لئے حسن خاتمہ و حصولِ رضا باری تعالیٰ کی دعا فرمائیں۔ آمین۔

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
 (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

دعوات عبدیت جلد چہارم

کا

نوال و عطف ملقب بہ

قطع لہستانی

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحبہا نقوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: محمد عبد المنان غفرلہ

مکتبہ کھانوی۔ دفتر الابقاء

مسافر خانہ بندر روڈ کراچی
 ایم۔ اے۔ جناح روڈ

دعواتِ عبدیت جلد چہارم کا

نواں وعظ ملقب بہ

قطع التمتنی

اَيْنُ	مَتَى	كَمْ	كَيْفَ	مَاذَا	مَنْ ضَبَطَ	الْمُسْتَمِعُونَ	اَشْتَاتٌ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنے ہوا	کیسے ہوا	کیا مضمون تھا	س نے کیا کیا	میعین کی تعداد	منفرقات
قصبہ	۱۰ جمادی	۳ گھنٹے	کھڑے ہو کر	اپنی تجویز کا	مولوی	تقریباً	عورتوں کا
کاندھلہ مکان	الاولی	۳۳	خدا کی تجویز	ناچیر ہونا	سید احمد رضا	۶۰ آدمی	مجمع بھی تھا
مولوی اسماعیل	۳۳	بجری	کے سامنے	مقاوی	مرحوم		
صاحب							

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ
 مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
 يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ
 اَنْ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ - اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اللّٰهُ
 تَبَارَكَ وَتَعَالَى - عَسَى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى اَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا
 وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ر یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی

امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے) یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ اس میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایک مضمون جس کے حاضر رکھنے کی ہم کو ہر وقت ضرورت ہے ارشاد فرمایا ہے اور ایک بڑی غلطی کو جس میں ہم سخت مبتلا ہیں رفع فرمایا اور اس غلطی میں اکثر اہل علم اور عوام بڑوں اور چھوٹوں سبھی کو مبتلا ہے بلکہ اس کے غلطی ہونے کی طرف بھی التفات نہیں ہوتا کیونکہ ہم لوگوں کی فہرستِ اعمال میں بڑی بڑی باتیں تو شمار ہوتی ہیں مگر جن میں ذرا بھی غموض ہوتا ہے ان کی طرف التفات نہیں ہوتا جس کی وجہ قرآن مجید میں تدبیر نہ کرنا ہے اور مسلمانوں میں ایک یہ بھی کمی ہے کہ وہ قرآن مجید کے اندر تدبیر نہیں کرتے۔ چنانچہ ہم میں دو قسم کے لوگ ہیں عوام الناس اور خواص۔ سو عوام الناس تو ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ ہی کو پڑھتے ہیں اور گو یہ بھی بیکار نہیں بلکہ ایک درجہ میں یہ بھی مطلوب ہے۔ اور جو لوگ بدون فہم معانی تلاوت کرنے کو بیکار اور بے فائدہ قرار دیتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے ہم ان سے فائدہ کی شرح پوچھیں گے اگر وہ کہیں کہ فائدہ اس کا فہم معانی ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے پاس اس امر کی کیا دلیل ہے کہ فائدہ اسی میں منحصر ہے کہ قرآن شریف کو سمجھیں بلکہ جس طرح یہ ایک فائدہ ہے ایسا ہی ثواب بھی ایک فائدہ ہے مگر ثواب کو آج کل لوگ بہت ہی بے وقعتی سے زبان پر لاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اگر کسی کی ہزار روپیہ کی تنخواہ ہو یا اس کی توقع ہو جو ثواب کے مقابلے میں محض بیچ ہے تو اس پر کیسا فخر کیا جاتا ہے اور ثواب کو جو کہ ہزار درجہ افضل ہے اس بے وقعتی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ خبر بھی ہے کہ تنخواہ کی کیا حقیقت ہے۔ تنخواہ کی حقیقت ہے کام کا عوض بس یہی حقیقت ثواب کی ہے پھر افسوس ہے کہ دنیا کا فانی عوض جو صد ہا کدورات کے ساتھ ہے اور جس میں ترقی کے بعد تنزل بھی ہو جاتا ہے چنانچہ پنشن میں ظاہر ہے اور پھر انقطاع ہو جاتا ہے چنانچہ موت میں ظاہر ہے۔ اس کو تو بانیہ فخر سمجھا جائے اور خدا کے گھر کی تنخواہ جس میں سدا تزاں اور پھر خلود۔ اس کو حقیر سمجھا جائے ما قدر واللہ حق قدرہ را انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی جیسی کہ قدر کرنی چاہیے۔

کھتی کہ خدا کے نام کی لگی ہوئی چیز کو ایسا حقیر سمجھا جائے۔ غرض خدا تعالیٰ کے ہاں کی تنخواہ کو ثواب کہا جاتا ہے مگر اس وقت ایسی حالت بگڑ گئی ہے کہ لوگ اس معاوضہ آخرت کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ میں بریلی ایک مرتبہ گیا تو صاحب جنٹ نے ملاقات کی رغبت ظاہر کی میں ان سے ملا۔ اول سوال انھوں نے یہ کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے کوئی تفسیر لکھی ہے میں نے کہا کہ ہاں لکھی ہے پوچھا کہ آپ کو اس میں کتنا روپیہ بلا میں نے کہا کہ ایک بھی نہیں۔ کہا کہ پھر آپ نے اتنا محنت کیوں کیا میں نے کہا کہ ثواب آخرت کی نیت سے کہنے لگا کیا ابھی مسلمانوں میں ایسے خیال کے لوگ موجود ہیں۔ میں نے کہا کہ بہت کمزرت سے۔ اس حکایت کے نقل کرنے سے میرا مقصود یہ ہے کہ میں اس متاعِ دنیا کے مقصود سمجھنے کی جڑ بتلا دوں کہ یہ خیال مسلمانوں میں غیر مسلم قوموں سے آیا ہے اور یہ لوگ اہل یورپ کی شاگردی کرتے ہیں لیکن شاگردی بھی نا تمام ہے کیونکہ وہ لوگ تو مادہ پرست ہیں صانعِ عالم کے بھی قائل نہیں تو جو شخص نہ مبدع کا قائل ہو نہ معاد کا وہ تو اس خیال میں معذور ہے اگرچہ اس میں وہ بھی معذور نہیں کہ مبدع و معاد کا باوجود قیام دلائل کے انکار کیا مگر بعد انکار کے اس انکار کی فرع کا قائل ہونا یعنی دنیا کو مقصود بالذات سمجھنا زیادہ عجیب نہیں مگر مسلمان پر کیا آفت نازل ہوئی کہ باوجود قیامت کے قائل ہونے کے پھر بھی اگر کسی کام میں دنیا کا فائدہ یا دنیا میں فائدہ نہ ہو تو اس کو بیکار سمجھے اس لئے شاگردی بھی نا تمام شاگردی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لا الہ الا ہو لا الہ الا ہو لا الہ الا ہو (نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے) اب سمجھئے کہ فائدہ صرف نفعِ عاجل ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ نفعِ عاجل کے ساتھ ہی ایک نفعِ آجل بھی ہے یعنی اجر و ثواب اور حقیقت اس کی رضا و جنت ہے مگر اس وقت لوگ جنت کو بھی بہت ذلت سے ذکر کرتے ہیں اور دنیا پرستوں سے تو یہ امر زیادہ عجیب نہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ بعض صوتی مشرب بھی اس کی تحقیر کرتے ہیں چنانچہ کانپور میں ایک شخص میرے پاس آئے کہنے لگے کہ مجھے دو روپے کی ضرورت ہے پھر تھوڑی دیر بعد کسی تذکرہ میں کہنے لگے کہ ہمیں کیا ضرورت ہے جنت کی اور کیا پروا ہے دوزخ کی۔ میں نے کہا کہ ہوش کی دارو کرو۔ تم کو دس روپے سے تو استغنا ہوا نہیں جنت سے تو تم ضرور مستثنیٰ ہو گے۔ وجہ اس تمام تر بکواس کی یہ ہے کہ جنت کو ابھی دیکھا

نہیں ہے۔ جب دیکھو گے تو ہائے ہائے کر کے مرجاؤ گے۔ سمجھ لو جنت کو بڑی چیز ہے۔ انسان اپنی معمولی ضرورتوں سے تو مستغنی ہو ہی نہیں سکتا یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شناسی میں غور کرنا چاہیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھا کر یہ دعا فرماتے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ غَيْرَ مَوْذُوْعٍ وَلَا مُسْتَغْنٰی عَنْهُ رَبَّنَا یعنی اس کھانے کو نہ ہم بھت کرتے ہیں اور نہ ہم اس سے مستغنی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی شخص افضل تو کیا کوئی برابر بھی نہیں آپ خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقبول اور کھانا پینا بظاہر بہت ہی سرسری چیز مگر باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمیں اس سے استغنی نہیں کیونکہ جب تک زندہ ہیں دونوں وقت اس کے محتاج ہیں تو اس حدیث شریف سے پتہ چلا کہ بندہ کسی وقت بھی مستغنی نہیں ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مجھے صحت کی ضرورت نہیں یا بیوی کی ضرورت نہیں ہے یا کھانے کی ضرورت نہیں اور عجب نہیں کہ اسی وجہ سے دوا کو مسنون کیا گیا ہو یعنی اگر دوا نہ جس کی جلتے تب بھی مران کی مدافعت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایسے بہت لوگ دیکھنے میں آئے ہیں کہ وہ دوا بالکل نہیں کرتے اور ان کو بھی شفا ہوتی ہے مگر باوجود اس کے پھر بھی جو دوا کو مسنون کیا گیا تو شاید اس میں یہ ہی مسلمات ہو کہ اس سے افتقار کا اظہار ہو۔ اور اسی کی بنا پر بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ بھوک میں روتے لگے کسی نے کہا کیا بچے ہو؟ کہ بھوک میں روتے ہو فرمایا تم کیا جانو مجھ کو بھوکا اسی لئے کیا ہے کہ میرا رونا دیکھیں۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار تھے ایک شخص نے کہا کیسی طبیعت ہے، فرمایا کہ اچھی نہیں اس لئے کہا کہ آپ ایسا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ سبحان اللہ خدا تعالیٰ تو مجھے بیمار کریں کہ میرا عجز ظاہر ہو اور میں اپنی بہادری ظاہر کروں، جب خدا نے بیمار کیا ہے تو کیوں نہ ظاہر کروں۔ ظاہر میں تو بہت تعجب کریں مگر جو حقیقت سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ روح ان فضول کی اظہار افتقار ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ علماء کی جب ان حقائق پر نظر ہے اور وہ ہر چیز کو ضروری محتاج الیہ سمجھتے ہیں تو اس کا ان پر کب

احتمال ہے کہ وہ معاش کو ترک کرنے کی رائے دیں جیسا کہ ان کو بدنام کیا جاتا ہے اصل سبب اس بدنام کرنے کا یہ ہے کہ معتز ضین کو ان سے اختلاط کا اتفاق نہیں ہوا ادھوری بات دور سے سن کر بدگمان ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کی تشغی کا ایک سہل طریق تھوڑے دنوں سے سمجھ میں آیا ہے وہ یہ کہ جس شخص کو مقتدیان اسلام پر اعتراض ہوں وہ چالیس دن کسی مقتدا کے پاس صرف رہ لیں خصوصیت کے ساتھ کسی شبہہ کے پیش کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی خود اختلاط ہی سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس مدت میں سبب شہات حل ہو جائیں گے اور اگر کوئی کہے کہ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ تو لیجئے میں سمجھانے دیتا ہوں بات یہ ہے کہ جب پاس رہیگا تو وقتاً فوقتاً ان کے معاملات دیکھے گا ان سے قواعد دینیہ سے گا اسی سے و شہات خود بخود جاتے رہیں گے یہ تو ظاہر بینوں کے سمجھانے کی بات ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ اہل نور ہیں ان کے قرب سے نورانیت آتی ہے اس نور سے حقائق منکشف ہوتے ہیں پس اس انعکاس کی وہ حالت ہوتی ہے کہ نُورُ الْقَبْرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُورِ الشَّمْسِ (چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوا ہے) تو صاحب نور کے پاس ظلمت نہیں رہتی یعنی جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے غرض اہل نور کی صحبت میں یہ خاصہ ہے گو وہ بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئے بلکہ اس سے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بدون اختلاط کے صرف ان کا دیکھنا ہی کشف حق کے لئے کافی ہو جاتا ہے اسی کو کہتے ہیں۔

اے لقاے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

راے وہ ذات کہ تیری ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے تیرے سامنے بغیر

حجت ہی کے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے)

بے قیل و قال کے معنی یہ ہیں کہ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ پھر چند روز کی صحبت کی بھی ضرورت ہے بشرطیکہ جبکہ ختم اللہ کی نوبت نہ آگئی ہو اور بجز اللہ کسی مسلمان کی یہ حالت ہوتی بھی نہیں ورنہ وہ مسلمان ہی کیوں ہوتا غرض میں نے معتز ضین کے ایسے شبہات کا یہ عملی جواب تجویز کیا ہے۔ یعنی

احتمالاً مع العلماء کیونکہ محض لسانی جواب سے اگر سکوت ہو جائے مگر شفا نہیں ہوتی۔ لیکن اس عملی جواب میں اتنی شرط ضرور ہے کہ نظر انکار کے ساتھ وہاں نہ رہے گو اعتقاد بھی نہ ہو بلکہ صرف یہ احتمال کافی ہے کہ شاید صحیح ہو اس کے بعد انصاف کے ساتھ غور سے کام لے میں وعدہ بلکہ خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے دعوائے کرتا ہوں کہ کوئی بھی مرض اس قسم کا نہ رہے گا مگر آج کل لوگوں نے ہر چیز کا ست نکالنا شروع کر دیا ہے تو علماء کی تعلیم کا بھی جو کہ ترکِ معاصی کے متعلق ہے ست نکال لیا ہے کہ یہ دنیا کو چھڑاتے ہیں اور محض غلط ست نکالنا ظاہر ہے کہ حاجت ایک ایسی چیز ہے کہ کسی وقت بھی اس سے استغناء کا دعویٰ نہیں ہو سکتا پس علماء جو کہ اس بات کا احساس کرتے ہیں کیا بچے ہیں کہ وہ حاجت کی چیزوں کے چھوڑنے کو کہیں گے البتہ اتنا اور کہتے ہیں کہ جب دنیا سے استغناء نہیں تو آخرت سے استغناء کیونکر کیا جاتا ہے غرض علماء پر یہ الزام کسی طرح صحیح نہیں لیکن اہل دنیا پر یہ الزام صحیح ہے کہ وہ جنت اور ثوابِ آخرت سے چھڑاتے ہیں جیسا ان کے حال اور قال سے ظاہر ہے کہ اس کی وقعت اُن کے قلب میں نہ خود ہے اور نہ اوروں کے دل میں پیدا ہونے دیتے ہیں چنانچہ جس عمل میں کوئی عاجل نفع نہ ہو محض ثواب ہی ہو کہتے ہیں کہ اس میں کیا فائدہ ہے جس کے جواب میں تنخواہ کی مثال لایا ہوں کہ جس عمل پر تنخواہ ملے اس کو تو مفید سمجھتے ہیں تو بس ثواب بھی ایسی تنخواہ کا نام ہے جو ابد سے ابد لآباد تک بڑھے گی اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ الفاظ قرآن شریف کی تعلیم میں کوئی فائدہ نہیں اور قرآن شریف کی تعلیم میں گواہی بھی منافع ہیں مگر اس وقت ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں صرف ایک فائدہ یعنی ثواب بیان کر دیا ہے۔ اگرچہ وہ دوسرے فوائد بھی واجب الرعایت ہیں لیکن ایک بتلا دینا بھی کافی ہے۔ غرض ثواب کے مطلوب ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن صرف اس پر اکتفا بھی نہ کرنا چاہیے جیسا عوام نے اختیار کیا ہے بلکہ تدبیر کا بھی اہتمام چاہیے کیونکہ اس ثواب کی تکمیل بھی جہی ہوتی ہے کہ اس پر عمل ہو اور عمل ہو قوت ہے سمجھنے پر جو اسطہ یا بلا واسطہ اس لئے میں شکایت کرتا ہوں کہ اس وقت عوام الناس اور علماء سب میں اس باب میں تفریط ہے کہ عوام نے تو محض حرف پر ٹھہر لینا کافی سمجھا اور اہل علم

محض لغت کی تحقیق کر لی چنانچہ تحصیل تفسیر کے وقت محض الفاظ قرآن شریف کا حل ہونا ہے باقی قرآن شریف کی جو اصل غرض تھی جو اس آیت شریف میں مذکور ہے :-

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ بِالْعَرَبِ مُبَارَكًا لَيْدًا بَرًّا وَإِلَيْهِ دَلِيلٌ كَرِيمٌ أُولَٰئِكَ لِبَابِ رِيَابِكِتَابٍ
 کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں
 اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں (یعنی سمجھنا اور تدبیر کرنا کہ اصل مقصود تنزیل سے یہی ہے
 جس کو لام سے ذکر کیا ہے کسی کو اس پر نظر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں کھلی کھلی باتیں
 ہیں لیکن بعض اہل علم کو بھی نظر نہیں آتیں چنانچہ اس آیت شریف میں بھی ایک ضروری مسئلہ
 ہے جس کی طرف التفات نہیں ہوتا اس وقت اسی کو مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں فرماتے
 ہیں عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ
 یعنی ممکن ہے تم کسی چیز کو بُرا سمجھو اور وہ تمہارے واسطے بہتر ہو اسی طرح ممکن ہے کہ تم
 کسی چیز کو اچھا سمجھو اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور ممکن ہمارے اعتبار سے فرمایا یعنی
 تم اس بات کا احتمال رکھو آگے فرماتے ہیں وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ کہ اللہ
 تعالیٰ کو رہنمائی و شرکاء علم ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس ترجمے کے سننے سے معلوم ہوا ہوگا
 کہ یہ آیت ہمارے ایک مرض کی اصلاح کر رہی ہے جس کو ہم بہت ہی ہلکا سمجھتے ہیں یعنی
 تمہنی۔ ہماری نظر تو اس طرف جاتی نہیں لیکن آیت بتلا رہی ہے کہ ہم جو یہ کہا کرتے ہیں کہ
 یوں نہ ہوتا تو اچھا ہوتا اور یوں ہوتا تو اچھا ہوتا یہ سب ناپسندیدہ بات ہے اور
 یہاں سے غلطی کو ظاہر فرما رہے ہیں کہ تم کو کیا خبر ممکن ہے کہ جس کو تم نے مضر سمجھا ہے
 وہ واقعہ میں تمہارے لئے نافع ہو اور جس کو تم نے نافع سمجھا ہے وہ واقعہ میں مضر
 ہو یہ تو محض احتمال عقلی کے طور پر فرمایا تھا۔ آگے فرماتے ہیں وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ
 لَا تَعْلَمُونَ۔ یعنی شاید کسی کو یہ احتمال ہوتا کہ ممکن ہے وہی نافع ہو اس لئے فرماتے
 ہیں کہ اللہ جانتا ہے یعنی جو شخص خدا کا قائل ہوگا وہ صفتِ علم کا بھی قائل ہوگا۔
 اور کمال اُس کا یہ ہے کہ کوئی اس کے برابر علم میں نہ ہو تو اپنے علم کے اثبات
 سے استدلال کرتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے جو کہ واقعی نفع و ضرر کو جانتے ہیں

اس کو واقع فرمایا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ وہ حکیم بھی ہیں تو اُن کا واقع کرنا دلیل اس کی ہے کہ یہی بہتر تھا تو دوسرا احتمال بالکل قطع ہو گیا اور معلوم ہوا کہ تمھاری رائے غلط ہے اگر اس میں مصالحت ہوتی تو خدا تعالیٰ اسی کو واقع فرماتے غرض اس آیت شریف کے ترجمے سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو ہماری ایک غلطی پر متنبہ فرمایا ہے اب دو باتیں دیکھنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ آیا ہم میں یہ غلطی ہے یا نہیں سو اس کا ہم میں ہونا تو اس قدر ظاہر ہے کہ شاید کوئی قلب اس سے خالی ہو اور یہ اس قدر بڑھا ہے کہ تکوینیات سے گذر کر تشریعیات تک اس کی نوبت پہنچی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ احکام دو قسم کے ہیں ایک احکام تشریحیہ جیسے نماز روزہ کا فرض ہونا چوری غضب جھوٹ تفاخر یا بخل کا حرام ہونا۔ دوسرے احکام تکوینیہ جس کو حوادث کہتے ہیں جیسے مرنا جینا قحط طاعون یا اور کوئی وبا۔ مال کا ضائع ہو جانا آگ لگ جانا اور ان دونوں قسم کے امور کا صدر خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے تو ہم کو یہاں تک تمتنی کا ہیضہ ہوا ہے کہ دونوں قسموں کے متعلق تمنائیں کرتے ہیں یعنی جس طرح یہ کہتے ہیں کہ فلاں اور جیتا تو اچھا ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ روزہ فرض نہ ہوتا سو حرام نہ ہوتا تو خوب ہوتا فرق اتنا ہے کہ جو علم دین پڑھے لکھے ہیں وہ احکام تشریحیہ میں ایسی بے باکی نہیں کرتے اور جو آزاد و بے باک ہیں وہ دونوں میں ایسی تجویزیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک نوجوان نے تو یہاں تک نوبت پہنچائی کہ نماز کے متعلق یہ رائے ظاہر کی اسلام میں اگر نماز نہ ہوتی تو اسلام کو خوب ترقی ہوتی کیونکہ نماز سے اکثر لوگ گھبراتے ہیں نعوذ باللہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بھی رائے دیتے ہیں لیکن اول تو آپ چیز ہی کیا ہیں دوسرے وہاں کثرت رائے پر کب عمل ہے کیا وہاں بھی سلطنت جمہوری ہے۔ میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ خود دنیا میں بھی سلطنت جمہوری کی شریعت میں کچھ اصل نہیں جیسا آج کل اس سیاسی غلطی میں مبتلا ہیں کہ شریعت سے حکومت جمہوری کو ثابت کرنا چاہتے اور علماء سے بھی اپنے خیال کی تائید کی درخواست کرتے ہیں کہ یہ بھی ہر نئی بات کو قرآن شریف سے ثابت کر دیں اور ایسے اہل علم کو

روشن خیال سمجھا جاتا ہے۔ دیوبند کے ایک تعلیم یافتہ ندوے میں گئے تو وہاں کے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ روشن خیال معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جس اصطلاح کے موافق آپ فرماتے ہیں میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس روشن خیالی سے بچائے آج کل روشن خیالی کے یہ معنی ہیں کہ اس کو کفر اور اسلام دونوں متطابق نظر آئیں۔ غرض علماء سے یہ فرمائش ہوتی ہے کہ جو ہمارے منہ سے نکلتا جائے تم اس کو شریعت سے ثابت کرتے چلے جاؤ۔ تو شریعت کو اپنی ہوائے نفسانی کے تابع کرنا چاہتے ہیں اس پر ایک مثال یاد آئی ہے کہ ایک شخص تھا اس کی عادت تھی کہ جس مجلس میں بیٹھتا تھا لغوی باتیں دو دراز قیاس کیا کرتا تھا لوگ اس کو بتاتے آخر اس نے محض اس کام کے لئے ایک نوکر رکھا کہ جو کچھ ہماری زبان سے نکلا کر لے تم اس کو صحیح بنا دیا کرو۔ ایک مرتبہ کہنے لگا کہ آج ہم جنگل گئے تو ایک ہرن ملا ہم نے جو گولی ماری تو وہ تم کو توڑ کر سر کو پھوٹ کر نکل گئی۔ لوگ سنکر ہنسنے لگے خادم نے عرض کیا کہ حضور بجا ارشاد ہے وہ ہرن اس وقت کھڑے سر کھجلا رہا تھا۔ سو ہمارے روشن دماغ احباب علماء سے ایسا ہی کام لینا چاہتے ہیں تو وہ یاد رکھیں کہ علماء کو ایسی نوکری کی ضرورت نہیں ہے ایسی لغویات کو کون بناتا پھرے ان ہی میں سے ایک بحث یہ بھی ہے۔ سلطنت کے جمہوری و شخصی ہونے کی ابھی ہم کو اس میں کلام نہیں کہ یہ مسئلہ واقع میں صحیح ہے یا غلط۔ لیکن گفتگو یہ ہے کہ یہ جو خیال ہے کہ جمہوری سلطنت شریعت ہی کی تعلیم ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سلطنت بھی جمہوری ہی تھی یہ کہاں تک صحیح ہے سو میں کہتا ہوں کہ بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ دلیل میں امر ھو شوریٰ بینھم و شاد زھوریٰ الامر۔ کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے مشورہ کا حکم ہے اور جمہوری سلطنت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ مشورے سے ہوتی ہے لیکن ان مستدین کی وہ حالت ہے کہ حفظت شیئاً دُعابت عنک اشیاء کہتے تو یہ ہیں کہ ہم بڑے فلسفی ہیں مگر حقیقت میں کچھ نہیں سمجھتے صاجو! جمہوری سلطنت محض مشورہ کا نام نہیں ہے بلکہ جمہوری سلطنت میں مشورے کے خاص اصول بھی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ اگر اختلاف ہو تو کثرت رائے پر فیصلہ ہو اور بادشاہ

اس کے خلاف ہرگز نہ کر سکے اور اگر بادشاہ سب کو جمع کر کے رائے لے لے مگر سب کے خلاف اپنی رائے پر عمل کرے تو وہ سلطنت شخصی ہوگی پس معلوم ہوا کہ محض مشورے سے سلطنت کا جمہوری ہونا لازم نہیں آتا اب اس کو ثابت کیا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سلطنت میں کبھی یہ بات ہوئی ہو کہ کوئی ایک ہی واقعہ بتلا دے کہ خلیفہ مشورہ دینے کے بعد مجبور کیا گیا ہو واقع میں شریعت میں سلطنت شخصی ہی ثابت ہے چنانچہ میں اسی آیت شریف و شاورُھُمْ فی الْأَمْرِ سے سلطنت شخصی کو ثابت کرتا ہوں اگرچہ بظاہر یہ آیت شریف دونوں سے ساکت معلوم ہوتی ہے تقریر اثبات یہ ہے کہ اسی سے آگے فرماتے ہیں قَادًا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (پس جب تو ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر) یہ جملہ صاف بتلا رہا ہے کہ شریعت میں سلطنت شخصی ہے کیونکہ مشورے کے بعد اِذَا عَزَمْتَ أَكْثَرُھُمْ یَا إِذَا عَزَمْتَ مَوْا نہیں فرمایا بلکہ مدارِ کار محض آپ کے عزم پر رکھا کہ بعد مشورہ لینے کے جب آپ تن واحد کسی بات کا عزم فرمائیں خواہ وہ سب کے مشورے کے موافق ہو یا مخالف تو خدا پر توکل کر کے اس کو کر لیجئے۔ اب بتلائے کہ اس آیت شریف سے سلطنت شخصی ثابت ہوئی یا جمہوری اور اس سے بھی واضح یہ مسئلہ ایک دوسری آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ ؕ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ؕ قَادًا اسْتَأْذَنُوا لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأُذِنَ لِمَنْ شِئْتُمْ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفَرُ لَهُمُ اللَّهُ ؕ وَرِ مَسْلَمَانِ تُو وِہی میں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جو بہت اہم اور جامع ہو اور اتفاقاً وہاں جانے کی ضرورت پڑتی ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ پر اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں تو جب یہ لوگ ایسے موقع پر اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے آپ سے اجازت چاہیں تو ان میں سے جس کے لئے آپ چاہیں اجازت دیدیا کریں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے

مغفرت کی دعا کیا کریں) اس میں اول تو یہ حکم ہے کہ پوچھ کر جایا کریں پھر آگے فرماتے ہیں کہ جب وہ پوچھیں تو جس کو آپ چاہیں اجازت دے دیں سو غور کیجئے کہ اِذَا اسْتَاذَنْوْنَكَ کے بعد فَاذَنْ مِّنْ سِتِّتٍ بھی فرماتے ہیں اور اسْتَاذَنْوْكَ سب کے اذن چلنے کو بھی مشتمل ہے تو فرض کیجئے اگر سب کے سب اذن چاہنے لگیں تو ظاہر ہے کہ اس وقت سب کا اتفاق اعطائے اذن پر تحقق ہوگا مگر اس وقت بھی یہی حکم ہے کہ فَاذَنْ لِّمَنْ سِتِّتٍ مِنْهُمْ کہ جس کو چاہو اجازت دو اور چاہو نہ دو دیکھئے باوجود اتفاق کے مدارِ کارتنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے ہی پر رکھا تو بتلائے اس وقت سلطنت جہول ثابت ہوئی یا شخصی۔

صاحبو! انسان کو چاہیے کہ وہ جس کام کا نہ ہو اس میں دخل نہ دے نصوص کا سمجھنا ہر ترجمہ دیکھنے والے کا کام نہیں۔ صحیح نہ ہر کہ آئینہ وارد سکندری داند۔ (جو شخص بھی آئینہ رکھتا ہو ضروری نہیں کہ وہ سکندری بھی جانتا ہو) ایسے لوگوں کی بالکل وہ مثال ہے کہ کسی ہندو کے ہاتھ سونٹھ کی گرہ آگئی وہ پنساری بن بیٹھا ذخیرہ لوکل یہ ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ دیکھ لیا پس اس پر جوش اجتہاد۔ پھر ترجمہ بھی ایسا نور بھلا کہ جو ترجمہ سب سے زیادہ مقبول و مشہور ہے اُس کی یہ حالت ہے کہ لفظ تَسْتَبِقُ کا ترجمہ کیا ہے کہ کبڈی کھیلنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے یا تو کبھی کبڈی کھیلی نہیں یا بھول گئے ہوں گے۔ استباق کبڈی کو کہتے ہی نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے دوڑنے لگے سوا اول تو یہ ترجمہ لغت کے خلاف دوسرے عقل کے بھی خلاف کیونکہ کبڈی کا میدان بہت کم ہوتا ہے۔ اس میں کپڑوں کا محافظ پیش نظر ہوتا ہے تو اُس میں بھیڑے کے کھالے کا عذر کہاں چل سکتا ہے۔ بخلاف استباق کے صحیح معنی کے کہ اس میں محافظ نظر سے غائب ہو جائیگا۔ غرض اس قسم کے تو تراجم پیش نظر رکھیں اور اس پر اجتہاد کریں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اجتہاد اب منقطع ہو گیا ہے اسی کو فقہار نے بھی لکھ دیا ہے کہ بعد چوتھی صدی کے اجتہاد ختم ہو گیا اور جب علماء سے بھی اجتہاد منقطع ہو گیا تو عوام الناس

میں تو کہاں محتمل ہے یہ سلطنتِ جمہوری کا مسئلہ ایک جملہ معترضہ تھا اصلی مضمون یہ تھا کہ خدا کے ہاں کوئی دخل نہیں دے سکتا تو اب آپ کو کیا منصب ہے کہ نماز میں رائے دیں۔ یہ تو نماز میں تھا۔ ایک صاحب نے روزہ میں یہ رائے دی کہ روزہ اگر فروری میں ہوتا تو اچھا ہوتا کہ آسانی ہوتی حالانکہ اس عقلمند نے یہ نہ سوچا کہ روزہ صرف اس کے لئے تو نہیں کہ اس کی آسانی دیکھ لیتے وہ تو تمام روئے زمین کے لئے ہے کیا ساری دنیا میں فروری کے مہینے میں یہی حالت رہتی ہے جو کہ یہاں رہتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے رہتے ہیں ان کو واقعات کی خبر نہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ خود کو جسے گنبد میں بیٹھے رہتے ہیں کہ ان کو اتنا واقعہ معلوم نہیں کہ فروری میں مختلف اقالیم میں کیا حالت ہوتی ہے اور اگر معلوم ہے تو اور بھی زیادہ افسوس کی بات ہے کہ باوجود اطلاع کے پھر ایسی بیہودہ رائے دیتے ہیں

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَيَلْكَ مُصِيبَةٌ

وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَأَلْمِ مُصِيبَةً أَعْظَمَ

(اگر تو نہیں جانتا ہے تو یہ خود ایک مصیبت ہے اور اگر جانتا ہے تو یہ

مصیبت اس سے بھی بڑھ کر ہے)

کیا خوبصورت تجویز ہے کہ صرف آپ اور آپ کے چند بھائی تو آرام میں رہیں اور ساری دنیا مصیبت میں رہے بخلاف اس حالت موجودہ کے کہ رمضان المبارک کا قمری مہینہ ہو کہ ہر مقام پر اس میں کبھی سردی کبھی گرمی کبھی بڑا دن کبھی چھوٹا دن تو اس میں کبھی کسی اقلیم کی رعایت ہے اور کبھی کسی دوسری کی ہے جس سے سب مساد ہی ہو گئے تو حکمت کی بات یہ ہے یا وہ ہے۔

علیٰ ہذا قربانی کے متعلق یہ رائے دی جاتی ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ روپیہ پیسہ نہیں تھا اور مویشی ان لوگوں کے پاس بکثرت ہوتے تھے اس لئے صدقہ کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا تھا کہ ذبح کرو اور تقسیم کرو اور اب چونکہ روپیہ بکثرت موجود ہے اور نقد سے صدقہ کر سکتے ہیں اس لئے اب اس وحشی طاعت کو چھوڑ دینا چاہیے (نعوذ باللہ منہ) ایک حنا

لندن سے بیٹھے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے یہ رائے خط میں لکھ رہے ہیں ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ آپ کے پاس سے کی کوئی دلیل بھی ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو یاد رکھیں کہ اِنَّ النَّظَرَ لَا يُغْنِيْ مِنْ الْحَقِّ شَيْئًا (خیالی باتیں کسی درجہ میں بھی حق کے مقابلہ میں مفید نہیں ہو سکتیں) آگے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اس رائے کے خلاف پر خود دلیل قائم ہے یہ دیکھئے کہ قربانی میں طاعت مقصودہ اراقہ دم ہے یا مساکین کو کھلانا سو یہ امر ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص ذبح کر کے سارا گوشت خود کھا جائے اور ایک بوٹی بھی کسی کو نہ دے تب بھی اس کو پورا ثواب قربانی کا ملے گا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ مقصود اراقہ دم ہے نہ کہ کھلانا جیسا اس ذی رائے نے دعویٰ کیا۔ رہی یہ بات کہ اراقہ دم کیوں مقصود ہوا سو اس کی لم کی اطلاع ہم کو ہونا ضروری نہیں نہ ہمارا دعوائے ہے کہ ہم جانتے ہیں پھر یہ کہ اگر نفع ہی پہنچانا ہوتا تو زندہ بھی تو دیا جاسکتا تھا تو جس زمانے میں یہ حکم ہوا تھا اس وقت مسلم دینے کی کیوں اجازت نہ ہوئی بلکہ مسلم کی قیمت تو زیادہ اٹھتی ہے پس معلوم ہوا کہ محض اراقہ دم ہی مقصود ہے۔ غرض اسی طرح ہر چیز کے درمیان میں کم و بیش تمنیٰ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سود میں بھی اول تو یہی تمنا ہوئی کہ کاش سود حلال ہوتا مگر اب اس پر تو قدرت نہیں رہی اس لئے دوسری تمنیٰ یہ ہوئی کہ کاش علماء کچھ تاویل وغیرہ کر دیں چنانچہ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو خود ہی اس میں اصلاح شروع کر دی میں نے ایک مطبوعہ رسالے میں خود دیکھا ہے ایک صاحب نے فرمایا ہے کہ سود حلال ہے۔ اور یہ جو قرآن شریف میں ربو کا حرام ہونا آیا ہے۔ یہ لفظ ربا بضم الراء ہے جو ربودن سے مشتق ہے یعنی غصب اور لوٹ یہ حرام ہے نہ کہ سود۔ اور مولویوں نے اپنی رائے سے اعراب لگا دیئے خدا تعالیٰ جزائے خیر دے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علماء سلف رحمہم اللہ کو کہ انہوں نے رسم خط کو محفوظ و باقی رکھنے کو واجب فرمایا پس اگر یہ لفظ ربودن سے ہوتا تو رسم خط میں کیوں ہوتا فارسی لفظ ہے اور فارسی میں بھی ربا اس معنی مصدری میں آتا ہی نہیں تو دیکھئے کہاں تک ان لوگوں کی نوبت پہنچ گئی اور اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں کہ احکام فرعیہ بلکہ اصولیہ میں اول ایک تمنا تغیر

تبدیل کی تجویز میں ہوتی ہیں چنانچہ ایک مرتبہ میں رٹ کی میں تھا کہ میں نے سنا کہ آج یہاں چند عقلاء میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ نکاح کی رسم کو اٹھا دینا چاہیے مثل دیگر متاعِ بازاری کے یا مثل جانوروں کے جس سے جس کی موافقت ہو جائے اس میں اجتماع رہے پھر رضامندی نہ رہے جدا ہو کر دوسرے سے رضامند ہو جائے۔

بلکہ ایک صاحب کا تو یہاں تک مضمون اخبار میں لکھا دیکھا ہے کہ خود اسلام کی بھی ضرورت نہیں اس اسلام وغیر اسلام میں اختلاف سے باہم جنگ و جدل ہوتا ہے اور یہ تجویز کیا کہ ساری دنیا مل کر ایک نئے مذہب کو اختیار کرے جس کا نام مذہب توحید ہو باقی رسالت وغیرہ۔ سو جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے اور ماننے والے اور نہ ماننے والے دونوں متحد المذہب سمجھے جائیں۔ اللہ اکبر کہاں تک یہ لوگ پہنچتے ہیں اور اس قسم کی رائیں بوجہ محبت کے اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان کو نقل کیا جائے ان میں ایک قسم کی ظلمت ہے اسی واسطے میں اس میں تطویل کلام نہیں کرنا چاہتا مگر یہ بتلاتا ہوں کہ احکامِ شرعیہ میں یہ گڑ بڑ لوگوں نے مچا رکھی ہے گویا درپردہ شریعت کی بیخ کنی کے درپے ہیں۔ اب دوسرے احکام تکوینیہ رہ گئے اور اس وقت انھیں کا بیان کرنا زیادہ مقصود بھی تھا سو ان کے متعلق امتنی و تجویزیں کہنے میں دیندار اور دنیا دار بھی مبتلا ہیں چنانچہ میں واقعات یاد دلاتا ہوں جس سے میرے اس دعوے کی تصدیق ہو جائے گی فرض کیجئے کہ کوئی شخص مر جائے اس وقت عموماً خدا تعالیٰ رائے دیجاتی ہے جس کی تعین ابھی بتلاؤں گا لیکن چونکہ مقصود رائے دینا نہیں ہوتا اس لئے میں اس کو کفریہ کہوں گا تاہم ہے بہت سخت ہونے کو یہ آیت بتلا رہی ہے

أَمْ تُنَبِّئُونَنَا بِمَا نَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ يَا كَيْفِيَا تَمَّ اسے اطلاع اور خبر دینے والے ہو کہ وہ زمین میں سے یہ بات نہیں جانتا اور وہ رائے دینا یہ ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو ایک صاحب کہتے ہیں کہ اگر دنس برس اور زندہ رہ جاتا تو بچوں کی پال ہو جاتی کوئی کہتا ہے ابھی کیا مرنے کی عمر تھی ایک کہتا ہے پس ماندوں کا کیا حال ہوگا۔ اللہ اکبر واللہ العظیم۔ اگر کبھی مخللاً بالطبع ہو کر غور کرتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ان

کلمات کا کس کو سنانا مقصود ہے اگر مخلوق کو سنانا ہے تو محض بیکار ہے کیونکہ ان کے سنانے سے کیا کام چلے گا جو بات ان کے اختیار میں ہو وہ ان کو سناؤ باقی مارنا جلانا یہ تو خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اس لئے مخلوق تو مخاطب نہیں پھر سوائے خالق کے اور کون مخاطب ہے کیونکہ یہ سب ان کی ہی قدرت میں ہے تو گویا یہ شخص خدا تعالیٰ کو رائے دیتا ہے کہ اس وقت کا مرنا تو کچھ نامناسب سی بات ہوئی اب غور کیجئے کہ اس گستاخی کا کیا درجہ ہے۔ علیٰ ہذا بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ابھی تو اس کی عمر مرنے کی نہ تھی۔ صاحبو! اگر اس کی تاویل نہ کی جائے تو دیکھئے کہ آیت قرآنی کے کس قدر خلاف ہے فرماتے ہیں قَدْ آجَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو وہ ایک گھڑی کی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی کر سکتے ہیں) اور اگر تاویل کی جائے تو وہ تاویل یہی ہو سکتی ہے کہ اس عمر میں مرنا بے محل ہوا تو گویا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نامناسب کام کیا۔ نعوذ باللہ یہی اعتراض ہے جو کہ شیطان نے کیا تھا۔ اور اس کی بدولت کافر ہوا۔

کیونکہ شیطان صرف سجدہ نہ کرنے سے کافر نہیں ہوا بلکہ اس سجدہ کو خلاف حکمت بتلانے سے جیسا اس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے۔ اَسْبُحْدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا (کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے) جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں ان کے افضل ہوں اور افضل کو مفضل کی اطاعت خلاف حکمت ہے تو یہی حاصل ہوا اس شخص کے قول کا پس اگر یہی معنی ہیں تو یہ بعینہ وہی ہوا جو شیطان نے کہا تھا اور بعض لوگ اس سب سے بڑھ کر یہ غضب کرتے ہیں کہ ایک نے تو بعنوان بالافسوس کا اظہار کیا دوسرے صاحب اس کی تائید میں گلفستانی کرتے ہیں کہ بھائی اللہ کی ذات بڑی بے پروا ہے ذرا سمجھ سے کام لیا جائے تو اس موقع پر بے پروا کہنے کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ وہ موقع بے موقع کو نہیں دیکھتے غایت بے پروائی کے سبب جو چاہتے ہیں کر ڈالتے ہیں تو اس حساب سے تو خدا تعالیٰ نعوذ باللہ گویا ان نیاؤنگر کا راجہ ہے ان نیاؤ کے معنی بے اتھافی کے ہیں۔ اَنْ حَرْفِ نَفِيْ هِے اور نیاؤ انصاف کو کہتے ہیں یعنی شہرنا انصافی

کا حاکم۔

ایک مرتبہ ایک گرو اور ایک چیلہ کا وہاں گذر ہوا نیا شہر تھا حالات دریافت کئے
 بھاؤ بھی مختلف اجناس کا پوچھا تو سب سولہ سیر گرو نے کہا یہاں ادنیٰ اعلیٰ سب
 برابر ہیں۔ یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ چیلہ نے کہا خوب گھی شکر کھائیں گے موٹے ہوں گے۔
 غرض وہاں رہ پڑے۔ ایک روز بطریق سیر مچھرتے مچھرتے راجہ کی کچہری کی طرف جانکے
 دیکھا ایک مجمع ہے اور ایک مقدمہ پیش ہے۔ مقدمہ یہ ہے کہ ایک چور ایک مہاجن پر
 دعوائے کرتا ہے کہ میں اور میرا ایک رفیق جس کی لاش سامنے پڑی تھی اس کے گھر چوری
 کرنے گئے نقب دیا نقب کے اندر میرا رفیق گھستا تھا کہ دیوار اوپر سے آ رہی اب مجھ کو
 خون کا بدلہ خون ملنا چاہیے۔ راجہ صاحب نے فرمایا کیوں؟ کہا ایسی دیوار کیوں بنائی
 تھی۔ مہاجن نے کہا کہ یہ تو معمار کی خطا ہے۔ معمار بلا یا گیا اس نے مزدور کا نام لے دیا
 جس نے ایسا خراب گارا دیا۔ مزدور بلا یا گیا اس نے کہا سقہ نے زیادہ پانی چھوڑ دیا
 تھا وہ بلا یا گیا اس نے کہا سرکاری ہاتھی بھا ہوا آتا تھا ڈر کر مشک کا منہ زیادہ کھل گیا
 فیلبان کو بلا یا اس نے کہا ایک عورت پازیب پہنے سامنے سے گذری ہاتھی بھڑک گیا
 عورت حاضر کی گئی اس نے کہا یہ سنار کی خطا ہے اس نے باجہ ڈال دیا۔ سنار بلا یا گیا
 وہ کوئی بات نہ بنا سکا آخر اس کے لئے پھانسی کا حکم ہوا جب پھانسی پر چڑھنے لگے
 اطلاع کی گئی کہ سنار دبلا ہے اور پھانسی کا حلقہ فرخ ہے حکم ہوا کہ اچھا کسی موٹے کو پکڑ کر
 پھانسی دیدو۔ اتنے موٹے میاں چیلے ملے جنہوں نے خوب گھی شکر کھایا تھا یہ پکڑے گئے
 اب تو بڑے گھبرائے اور گرو سے کہا کسی طرح بچاؤ تو بہانے سے بھاگیں گرو کو رحم آیا اور
 یہ ترکیب کی کہ افسران فوجداری سے التجا کرنا شروع کی کہ مجھ کو پھانسی دیدو اس پر سب کو
 تعجب ہوا راجہ کو خبر پہنچائی ان سے وجہ پوچھی تو گرو نے کہا کہ یہ ساعت ایسی ہے کہ اس
 میں جس کو پھانسی ہو وہ سیدھا سیکنڈ رہندوؤں کی جنت میں جاوے۔ راجہ نے کہا تو
 بس مجھ کو پھانسی دیدو۔ آخر اس راجہ سے اس طرح زمین پاک ہوئی۔ یہ ایک قصہ ہے
 ان نیاؤنگر کا کیا ہمارے بھائی بند خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی لَعُوذُ بِاللّٰہِ اِیسا ہی اعتقاد

رکھتے ہیں کہ ان کے کام نعوذ باللہ بے محل ہوتے ہیں مثلاً ابھی موقع نہ تھا اور بار دیا۔ غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمتِ قلوب میں نہیں جو منہ میں آیا بک دیا۔ صاحبو! وہ بے پروا ہے مگر اس کے بے پروا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی اس کی عبادت نہ کرے تو اس کا کوئی ضرر نہیں اور اگر کرے تو اس کا کوئی نفع نہیں تو حاصل اس کا یہ ہوا کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور یہ معنی ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ وہ بیرحم ہے اور مصلحت نہیں دیکھتا بے سمجھے کر بیٹھتا ہے (نعوذ باللہ منہ) صاحبو! یہ عقیدہ نہایت گمراہی کا ہے اور دلیل اس معنی کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ (جو شخص کوشش کرتا ہے وہ اپنے لئے کوشش و سعی کرتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کا محتاج نہیں) دوسری جگہ فرماتے ہیں إِنَّ تَكْفُرًا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ (اگر تم کفر کرو گے تو خدا تم سے بے پروا ہے) تو خدا تعالیٰ نے اپنے غنی ہونے کو طاعت اور معصیت کے ساتھ ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کو نہ کسی کی طاعت کی ضرورت ہے اور نہ معصیت سے اس کو ضرر ہے کیونکہ اس کی سلطنت کسی کی اطاعت پر موقوف نہیں۔

۶۔ کہ ملکش قدیمست و ذلتش غنی۔ (اس کی سلطنت ہمیشہ سے ہے اور اس کی ذلت کسی کی محتاج نہیں) اور ارشاد ہے وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ یعنی خدا تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں اور تم اس کے محتاج ہو۔ تو بے پروا کے معنی بے انتظام کے بھی ہیں اور غیر محتاج کے بھی۔ لوگوں نے ظلم کیا کہ خدا تعالیٰ کو معنی اول کے اعتبار سے بے پروا کہنے لگے۔ جیسا کہ قرینہ مقام استعمال سے معلوم ہوتا ہے۔ غرض ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات تکوینیہ میں بھی تجویزیں لگاتے ہیں اور یہ مرضِ سخت عام ہو گیا ہے اس سے توبہ کرنا چاہیے اور ہم بے وقوفوں کے ساتھ تو ان حماقتوں پر علم کا برتاؤ کیا جاتا ہے باقی جن کی بڑی شان ہے ان کے کلام میں تو اگر ذرا اس کا شبہہ بھی ہو جائے تو ان کی گوشمالی کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک بزرگ نے کہا کہ آج کیا موقع پر بارش ہوئی ہے فوراً عتاب ہوا کہ او بے ادب! موقع کب ہوئی تھی جو موقع کے ہونے میں آج کی تخصیص کرتا ہے بسن کر تھمرا گئے۔ تو دیکھئے حالانکہ یہ مداح تھی مگر اس میں چونکہ ایک

اعتراف ایہام تھا عتاب ہو گیا اگرچہ باستلزام بعید ہی۔ صاجو! وہ خدا ہے کوئی برا برکا
دوست نہیں وہ سلطان السلاطین ہے مگر خدا جالے کس نے مشہور کر دیا ہے کہ
عذرا خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

(خدا کے ساتھ دیوانے بنے رہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوشیار)
اگر اس کے یہی معنی ہیں جو کہ متبادر ہیں تب تو محض مہمل بات ہے اور اگر اس میں کوئی مناسب
تاویل کی جائے تو خیر اور وہ تاویل یہ ہے کہ غلبہ حال میں کچھ کلمات خدا کے معاملے میں
بیکل جائیں تو وہ معاف ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہرگز ایسا نہ ہونا
چاہیے اور اگر تاویل نہ کی جائے تو سمجھ لیا جائے کہ

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفتاق زد
(بے ادب آدمی کی برائی تنہا خود اس کو نقصان نہیں پہنچا بلکہ اس کی آگ ساری
دنیا میں پھیل جاتی ہے)

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو تو کہیں بھی آگ لگی نظر نہیں آتی تو اس کے جواب میں کہتے کہ
آتشے گرتا مدت این دود چسیت جاں سیہ گشت و رواں مردود چسیت
(آگ تجھ تک نہیں پہنچتی ہے تو یہ دھواں کہاں سے آگیا بدن تک سیاہ ہو گیا اور
بال تک جل گئے یہ سب آخر کیوں ہے)

پس مقامِ ادب ہے احتیاطِ سخت لازم ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان قرآن سے معلوم ہوتا
ہے کہ وہ لوگ جو اس قسم کے کلمات کہتے ہیں واقعہ میں رائے لگاتے ہیں تو خدا تعالیٰ نے
اس آیت میں ان سب کی جرط کاٹ دی اور لفظِ شیناً اس آیت میں عام ہے امورِ شرعیہ
اور امورِ تکوینیہ سب کو کیونکہ اس سے اوپر ارشاد ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ
كُرْهُ لَكُمْ (تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور تم اس کو ناپسند کر رہے ہو) ھُوَ کی ضمیر
یا تو قتال کی طرف راجع ہے جو کہ امرِ تکوین ہے یا کتابتِ قتال کی طرف جو کہ امرِ تشریحی
ہے اور یا ترجیحِ بلا مرئج سے بچنے کے لئے عام کہا جائے دونوں کو اس طرح کہ
مرجعِ قتال ہو باعتبار وجودِ تشریحی اور تکوینی اور بہتر یہی ہے کہ عام کہا جائے

اور معنی عام کی تفسیل میں اس جملہ وعسی الخ کو کہا جائے اب اس کی اور کثیر الوقوع مثالیں عرض کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ مثلاً جب تک پھل نہ آجائے بہار کا بچپنا حرام ہے بہت لوگ اس کی تمتا کرتے ہیں کہ یہ جائز ہوتا تو اچھا ہوتا کہ مصلحت حاصل ہوتی لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ یہ ممنوع ہو چنانچہ بعض اوقات چوبھل نہیں آتا تو خریداروں کو کس قدر خسارہ اٹھانا پڑتا ہے باقی اگر شبہ ہو کہ اس میں خریدار کی مصلحت محفوظ رہی مگر بائع کی مصلحت تو جاتی رہی تو اس کا جواب یہ ہے کہ منفعت عام مقدم ہوتی ہے منفعت خاص پر اور اسی طرح مضرت عام کا بمقابلہ مضرت خاص کے زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے چنانچہ ہر سلطنت میں اس پر نظر کی جاتی ہے دیکھئے بعض مرتبہ حکام کی طرف آمد و غیرہ فواکہ کھانے کی مسامتت ہو جاتی ہے اور اس کی فروخت سے بھی روک دیا جاتا ہے حالانکہ فروخت کرنے میں بائع کی مصلحت ہے مگر چونکہ پچاس کا نقصان ہے اور فروخت نہ کرنے میں ان پچاس کی مصلحت تھی اس لئے یہاں مصلحت خاص کی کچھ پروا نہیں کی گئی اور پھر اس بتجویز کو کوئی خلاف عقل نہیں کہتا پس اسی طرح یہ جو حکم ہوا کہ بہار قبل پھلنے کے نہ بیچو اگر فرضاً اس میں کسی ایک کا نقصان بھی ہو تو عام مضرت کا تو انستاد ہو گیا اور اول تو مضرت خاص بھی یقینی نہیں بلکہ پھل آنے کے بعد زیادہ دام ملنے کی امید ہے اور اگر کوئی کہے کہ دس برس سے تو مجھ کو نقصان کا تجربہ ہو رہا ہے تو خیرا خیر بات یہی ہے کہ بہت سے بہت ایک ہی کا تو نقصان ہوا لیکن اور خریداروں کو تو بچا لیا کہ اگر پھل کم آتا تو ان کا کتنا نقصان ہوتا تو اب ایک کی مصلحت کو دیکھا جائے یا پچاس کی مصلحت کو اور اگر اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو خود صورت بیع اس کو نا جائز بتلا رہی ہے کیونکہ معدوم کی بیع خود عقلاً نا جائز ہے خدا جانے ان مواقع پر عقل کہاں چلی جاتی ہے اور اگر بیع کو بدون وجود بیع کے جائز رکھتے ہیں تو پھل آنے کی مدت تک اکل کو بھی بلا وجود ماکول کے جائز رکھیں اور یوں ہی بیٹھے ہوئے منہ چلایا کریں اور نور سے پیٹ بھر لیا کریں جو شخص بغیر ماکول کے فعل اکل واقع کر کے دکھلا دے گا میں اس کو بیع بلا بیع کی اجازت دیدوں گا غرض عقل بھی اس کو

حرام ہی کہتی ہے تو اگر کوئی مصلحت بھی نہ ہو تب بھی یہ واجب الاحترار ہے کیونکہ محرمات عقلیہ سے ہے اب ایک عذر بار دہ ہے کہ صاحب اس مدت تک کون انتظار کرے کیونکہ اگر بڑھنے تک انتظار کریں تو پھر باغوں کی خرید ہی حتم ہو جائے گی چنانچہ خریدار اس قدر نہیں ٹھہرتے۔ اس کا جواب میں صرف یہ دیتا ہوں کہ اگر گورنمنٹ کا یہی قانون ہو جائے جو اب شریعت کا ہے تو اس وقت کیا کرو گے اور اگر اس پر بھی سمجھ میں نہ آئے تو میں پڑھوں گا فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ اب اس کے بعد کونسی بات پر ایمان لاؤ گے، تو گویا خدا کے حکم کی وہ وقعت بھی نہیں جو گورنمنٹ کے حکم کی ہے صاحبو! صرف دنیا ہی کمانا تو مقصود نہیں۔ دنیا کماؤ مگر خدا کو راضی رکھ کر اور اگر اس کی فکر نہیں ہے تو پھر حکام کو راضی رکھنے کی بھی فکر چھوڑ دو اور ڈکیتی بھی شروع کر دو۔ فہو حکام کی ناراضی کی تو اتنی فکر اور خدا کی ناراضی کی پروا بھی نہ ہو کیا خدا تعالیٰ حاکم نہیں ہے۔ ان مضامین کو سن کر بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت نے آمدنی کے بہت سے صیغے بند کر دیئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ گورنمنٹ کے قوانین بھی معقول ہیں یا نہیں ظاہر ہے کہ ان کو تو معقول ہی کہو گے تو ان ہی قوانین میں ایک قانون یہ بھی ہے کہ ڈکیتی ناجائز ہے دیکھئے کتنا بڑا صیغہ تھا آمدنی کا اور اس کو حرام کر دیا اگر کہئے کہ اس سے مصلحت عام میں خلل ہوتا تھا اس لئے اس کو جرم قرار دیدیا تو میں کہتا ہوں کہ اسی طرح ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب سے بھی مصلحت عام میں خلل ہوتا ہے اس کا کسی قدر اوپر بیان بھی کیا گیا ہے۔ صاحبو! اصل بات یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی قلب میں وقعت نہیں ورنہ اگر وقعت ہو تو خود بخود مصلحتیں سمجھ میں آنے لگیں پس مصالح احکام و اسرار الہیہ کو اگر دریافت کرنا چاہتے ہو تو ان کی وقعت دل میں رکھو اور ساتھ ساتھ عمل بھی شروع کرو اور عمل میں خلوص پیدا کرو اس کا اثر یہ ہوگا کہ حسب استعداد خود بخود اسرار منکشف ہوں گے اور اگر نہ بھی منکشف ہوں تو یہ تو معلوم ہے کہ خدا کا حکم ہے و جو ب عمل کے لئے یہی کافی ہے دیکھئے اگر تم نوکر سے کہیں کہ یہ چار پائی فلاں جگہ سے اٹھا کر فلاں جگہ رکھ دو تو اس کو مصلحت دریافت

کرنے کی اجازت نہیں اور اگر وہ پوچھے بھی کہ حضور وہاں آدمی ہی کہاں ہے جس کے لئے چار پائی بھیجی جاتی ہے تو کہیں گے کہ احمق اول تو تو مصالحت پوچھنے والا کون ہوتا ہے پھر کیا مصالحت اس میں منحصر ہے کیا چار پائی بھیجنا اسی لئے ہوتا ہے کہ وہاں آدمی ہو بلکہ کبھی یہاں کی جگہ کا خالی کرنا بھی مقصود ہوتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کو اتنے جواب کا بھی استحقاق نہیں اور سمجھو کہ خدا کے علم کے ساتھ آپ کے علم کو اتنی بھی نسبت نہیں جو بچے کے علم کو آپ کے علم کے ساتھ ہے کیونکہ ایک نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے دوسرے متناہی کی غیر متناہی کے ساتھ اور اس پر بھی باوجودیکہ سچ نشتر سے ڈرتا ہے اور نشتر کو اپنے لئے تجویز نہیں کرتا۔ لیکن آپ اس کی اس تجویز کی ذرا پروا نہیں کرتے اور ضرورت کے وقت اس کے نشتر لگا دیتے ہیں صرف اسی لئے کہ اس کے علم کو آپ کے علم سے کوئی نسبت نہیں پس اسی طرح تمہارا خدا تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے تو پھر وہ تمہاری تجویزوں کی کیوں پروا کریں۔ اسی کو فرماتے ہیں عَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یہ مثال تو ہے حکم تشریحی کی۔ اب احکام تکوینیہ کی مثال لیجئے کہ بعض لوگ ہمیشہ بیمار رہتے ہیں اور اس کی شکایت کرتے ہیں مگر اس میں بہت سی مصالحتیں ہیں ایک یہ کہ اس میں کبھی تو اجر ملتا ہے دوسرے یہ کہ بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں تیسرے یہ کہ بیماری سے اکثر اخلاق درست ہو جاتے ہیں بخیر و انکسار و پستی و نیستی یہ سب بیماری کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح منگیں قطع ہو جاتی ہیں تو ایسی حالت کار ہنا جس میں یہ مصلح ہوں واقع میں بہت بڑی رحمت ہے منگوں کے قطع کرنے کا مطلوب ہونا ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے کُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ اَوْ عَابِسٌ بِبَيْتِكَ (دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو گویا کہ تم مسافر ہو بلکہ اس طرح کہ راستہ طے کر رہے ہو) دوسرے ممکن ہے کہ تندرستی میں کچھ گناہ ہو جاتے بیماری میں اُس سے بچ گیا جیسا حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت غصہ آیا تھا آخر حضرت خضر علیہ السلام نے اس میں یہی حکمت بیان فرمائی کہ اَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا اَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ

کُفْرًا وہ لڑکا جو مٹھا تو اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہم اسی بات سے ڈرے کہ کہیں یہ لڑکا اپنے ماں باپ کو کفر اور سرکشی میں مبتلا نہ کر دے، تو سب کے حق میں یہی رحمت ہو کہ وہ مر گیا اس کے لئے تو اس واسطے کہ بچپن میں مرنا بقول اکثر علماء ناجی ہوا اور ماں باپ کے لئے اس واسطے کہ اگر وہ زندہ رہتا اور کفر کرتا تو ان پر بھی اثر بڑھتا وہ بھی بچے۔ مولا تارحمہ اللہ نے اسی کو فرمایا ہے ۷

آں پسر را کش خضرت برید حلق سیر آزاد در نیسا بدیہج حلق
(اس لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے مار ڈالا اور اس کا گلا کاٹ دیا اس کے
بھید کو مخلوق نہیں پہنچ سکتی)

اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی بہرا اپنے بہرے بہن پر افسوس کرے اور یہ تمنا کرے کہ مجھ میں سننے کی قوت ہوتی تو کیا اچھا ہوتا لیکن اس کو کیا خبر ہے کہ اس وقت کیا حالت ہوتی ممکن ہے کہ وہ گانا بجانا سننے میں مشغول ہو جاتا غیبت سنا کرتا تو اس کے لئے کانوں کا نہ ہونا ہی خیر ہو گیا۔ علی ہذا آنکھوں کی بیماری کہ اس میں بھی ممکن ہے کہ آنکھیں ہونے کی صورت میں یہ بہت زیادہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا۔ شیخ نے خوب فرمایا ہے ۷

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند او مصلحت تو بہت سرداند

(جس ذات نے تجھ کو مال دار نہیں بنایا وہ تیری مصلحت کو تجھ سے زیادہ جانتی ہے)

علی ہذا ہر چیز میں اسی قسم کی مصلح ہیں پس ضرور ہے کہ یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ حکیم ہیں اور بڑے رحیم بھی ہیں اس لئے وہ جو کچھ مناسب ہو گا وہی کریں گے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا اس کو یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز جو سویا تو اس کو احتلام ہو گیا فوراً اٹھ کر غسل کیا اور سویا تو پھر احتلام ہوا بغرض ایک شب میں ستر بار احتلام ہوا اور ہر بار میں ایک نئی اجنبیہ عورت کو دیکھتا تھا اس کو خیال ہوا کہ شیطان کے اس قدر تسلط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید میں مردود ہو گیا۔ حضرت سیدنا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نہایت مغموم حاضر ہوا۔ آپ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ خدا کا شکر کرو مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ تمہاری قسمت میں ستر اجنبیہ عورتوں سے زنا کرنا لکھا ہے

میں نے خدا تعالیٰ نے بارگاہ میں دعا کی کہ اس کو اس سے بچائیے۔ خدا تعالیٰ نے میری دعا کو قبول فرمایا اور اس کو بیداری سے خواب میں منتقل فرمایا کہ تقدیر یہی پوری ہوگی اور تم گناہ سے محفوظ رہے اور یہاں تقدیر کے اس طرح بدلنے کے متعلق ایک مسئلہ بھی ہے مگر مجلس عام میں اس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں کہ شاید سمجھ میں نہ آئے تو دیکھئے واقع میں تو یہ حالت رحمت تھی جو حضرت پر منکشف ہو گئی اور اس کے نزدیک عذاب تھا۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور آکر یہ عرض کیا کہ میں بیمار ہو گیا تھا اتنی مدت تک مجھ کو حرم کی نماز نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خواص سے فرمایا کہ عارف ان باتوں سے مغموم نہیں ہوتا کیونکہ مقصود تو حق تعالیٰ کا قرب ہے اور جس طرح حالت اختیار میں حرم کی نماز قرب کا ایک طریق ہے اسی طرح قرب کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بیمار ہو جائیں اور بیماری کا اجر ملے اور بحسب حدیث اس کے ساتھ ہی نماز کا بھی وہی اجر ملے جو تندرستی کی حالت میں حاضری حرم سے ملتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بندہ کو مولیٰ پر فرمائش کرنے کا حق نہیں کہ مجھ کو فلاں طریق سے قرب عنایت ہو دو دونوں رستے خدا تک پہنچنے کے ہیں جس طریق سے چاہے پہنچائے بندے کو کیا حق ہے کہ ایک طریق کو تجویز کرے۔ خوب کہا ہے ۵

بدر دوصاف ترا حکم نیست در دم کش
کہ آچہ ساقی مار بخت عین الطافست
دیکھتے یہ نہ سوچنا چاہیے کہ شراب میلی ہے یا صاف بس پی لینی چاہیے ہمارے ساقی
نے جو کچھ ہم کو دیا ہے وہی عین مصلحت ہے۔

اور ۵

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مژ و مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند
(توفیقروں کی طرح مزدوری کی شرط لگا کر عبادت مت کر جو آقا ہے وہ خود اپنے
غلاموں کی پرورش کے طریقے کو جانتا ہے)

۵ محقر حاصل اس کا یہ ہے کہ بعض اوقات کی بعض قیود لوح محفوظ میں نہیں ہوتیں علم الہی میں ہوتی ہیں۔ پس جبکو لوح محفوظ منکشف ہوتی ہے اس کو وہ قید معلوم نہیں ہوتی وقوع کے وقت وہ اس کو تبدیل سمجھتا ہے ۱۲ منہ

اور ۵

فکر خود و رانی خود در عالم زندگی نیست کفرست درین مذہب خود بینی و خود رانی
(عاشقی کے معاملہ میں اپنی فکر کرنا یا اپنی رائے پر چلنا درست نہیں ہے عشق کے مذہب
میں خود کو کچھ سمجھنا اور اپنی رائے پر چلنا کفر کے برابر ہے)

بس جس طرف سرکار لے جائیں بالکل خیر ہے ۵

در طریقت ہر چہ پیش ساکت دید خیر است بر صراط مستقیم ایدل کسی گمراہ نیست
(درویشی کے راستے میں درویش کے سامنے جو مصیبت بھی آجائے اس کو بہتر ہی سمجھ
اے دل صراط مستقیم میں کوئی شخص کبھی گمراہ نہیں ہوا)

لیکن آید کہا ہے آرد نہیں کہا یعنی ایک تو آید ہوتا ہے اور وہ غیر اختیاری امور ہیں وہ
سب محمود ہیں اور ایک آرد اور وہ امور اختیار یہ ہیں ان میں بعضے مذموم بھی ہیں اس
شعر میں اس کا ذکر نہیں اور اس سے ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا یعنی مثلاً اگر کوئی
شخص کہتے لگتا کہ ہم سو دیتے ہیں اور یہ بھی ہر چہ پیش آید میں داخل ہے تو اس میں بھی
خدا تعالیٰ کی مصلحت ہوگی۔ تو اس قاعدے سے اس شبہ کا جواب ہو گیا یعنی یہ حکم
خدائی افعال میں ہے تمہارے افعال میں نہیں پس ہمارے اختیار ہی افعال میں تو اچھے بڑے
دونوں ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے جتنے افعال ہیں وہ سب رحمت محض ہیں مثلاً کسی عزیز
کا مرجانا یا قحط ہونا یا طاعون ہونا اور اگر کوئی کہے قحط تو گناہوں سے آتا ہے۔ علیٰ ہذا
طاعون بھی سو رحمت کیسے ہوا تو صاحبو! یہ بھی تو رحمت ہے کہ تم گناہوں سے صاف ہو گئے
اسی واسطے حدیث میں ہے کہ طاعون مومن کے لئے رحمت ہے کیونکہ اس سے تطہیر ہوگی حدیث میں ہے
کہ ہر بیماری سے گناہ پاک ہوتے ہیں بلکہ یہاں تک آیا ہے کہ اگر کوئی چیز رکھ کر بھول جائے تو اتنی
پریشانی سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں غرض ہر چیز جو ہمارے اختیار سے خارج ہو وہ ہمارے لئے
رحمت ہے۔ پھر ایک بات یہ سمجھو کہ ہم خدا کے ہیں یا اپنے ہیں ظاہر ہے کہ ہم خدا کے ہیں اسی واسطے
ارشاد ہے وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (مت قتل کرو اپنی جانوں کو) اگر ہم اپنے ہوتے تو ہم کو بہر تصرف
اپنے نفس میں جائز ہوتا تو کیا خدا تعالیٰ کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی چیز میں جس طرح چاہے تصرف

عقل کا فتویٰ تو یہی ہے اور اسی واسطے انا اللہ کی تعلیم فرمائی جس میں لاکھوں ایک ہے جس کا مقصدنا یہ ہے۔ اگر بالفرض ان احکام میں کوئی مصلحت بھی نہ ہوتی تب بھی ہم کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہیے تھا چہ جائیکہ ہر مصیبت میں نفع اور مصلحت بھی ہے اور یہاں تک مصائب ظاہرہ کا ذکر تھا ان کے علاوہ ایک اور باطنی مصیبت ہے جو بعض ان خاص لوگوں کو پیش آتی ہے جو ذکر و شغل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ مجاہدہ کرتے ہیں مگر کوئی نفع ان کے خیال میں محسوس نہیں ہوتا مثلاً میلان الی الطاعۃ نہیں ہوتا ذوق و شوق نہیں ہوتا علیٰ ہذا جس سے وہ اس قدر تنگ آتے ہیں کہ اگر بے اختیاری کی حالت غالب ہوتی ہے تو اس قسم کے الفاظ زبان سے نکل جاتے ہیں۔

خستگان را جو طلب باشد قوت نہ بود گر تو بیداد کنی شرط مروت نہ بود
(کمزور لوگوں میں جب کسی چیز کا شوق تو ہوتا ہے مگر قوت نہیں ہو تو ان پر زبرد کرنی مروت کے خلاف ہے)

لیکن اختیار سے ایسا کہتا جائز نہیں اس آیت شریف سے اس کا بھی علاج سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ اس وقت یہ سمجھنا چاہیے کہ ممکن ہے جس حالت کو تم مفید سمجھے وہ مفید نہ ہو حالاً یا مآلاً اور بالعکس اسی کو فرماتے ہیں۔

چونکہ قبضی آیدت اے راہ رو آن صلاح تست آیس دل مشو
چونکہ قبض آمد تو دروی لہط میں تازہ باش و چیں میفگن بر جیس
(اے راستہ کے چلنے والے جب تجھے تنگی پیش آئے اس میں تیرے لئے بہترائی ہے نا امیدت ہو جب تجھے تنگی ہو تو اسی میں کشادگی کو تلاش کر خوش رہو اور پیشانی پر بل نہ آنے دے)

خلاصہ یہ کہ اس میں مصلحت ہوگی چنانچہ نمونے کے لئے ایک مصلحت تو میں بتلاتا ہوں نیز بعض اوقات جو لہط میں حیرانی ہو جاتی ہے اس کو بھی بتلاتا ہوں وہ نفع تو قبض میں یہ ہے کہ اس وقت اپنا ناکارہ ہونا بالکل پیش نظر ہو جاتا ہے اور لہط میں وہ ضرر یہ ہے کہ بعض اوقات عجب پیدا ہو جاتا ہے کہ اب تو ولی ہو گئے تو اس صورت میں قبض منجی ہے اور لہط مہلک

ہے تو قبض کا عطا ہونا گویا ایک ایسا کیفیت کا عطا ہونا ہے جو سبب نجات ہے پس اس پر راضی ہونا چاہئے اسی کو فرماتے ہیں

باغبان گر پنج روزے صحبت گل بایں
بہر جفائے خار ہجرال صبر ببل بایں
اے باغبان اگر تو چند روز کے لئے پھول کے پاس رہتا چاہتا ہے تو بلبل کی طرح
جدائی کے کانٹوں کے ظلم پر صبر کرتے رہو

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی مثال
مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایں
اے دل اس کی زلف کی قید میں رہ کر پریشانی سے مت رو۔ سمجھ دار پرندہ جب پھندے
میں پھنس جاتا ہے تو اس کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے

تکیہ بر تقوی و دانش اور طریقت کا فریت
راہ روگر صد ہنر دار و توکل بایں
درویشی کے راستے میں اپنی پرہیزگاری اور سمجھ پر بھروسہ کرنا کفر ہے اے راستے کے
چلنے والے اگر چہ تو سنو کمال بھی رکھتا ہو پھر بھی اپنے کمال پر بھروسہ نہ کرنا صرف
اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا

باقی یہ کہ قبض کی حالت میں لذت نہیں رہتی سولذت خود مطلوب نہیں چنانچہ فرماتے ہیں

فراق و وصل چہ باشد صفا دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے
جدائی اور ملاقات کا کچھ خیال مت کر محبوب کی خوشنودی تلاش کر وہ جس حالت میں بھی
راضی ہو اسی کو پسند کر افسوس کا مقام ہے اگر اس کی ذات کے سوا دوسری چیز طلب کی جائے

بعض کہتے ہیں کہ ذکر و مجاہدہ سے ہمارا میلان معصیت بھی دفع نہیں ہوتا اور اس کو مصیبت
سمجھتے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ اگر میلان کے ساتھ ہمت بھی گناہ سے بچنے کی ہو تو یہ بڑا بھاری
مجاہدہ ہے اور مجاہدہ جتنا زیادہ ہوتا ہے اس میں ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے تو گویا نہ
خدا تعالیٰ کو ثواب زیادہ دنیا منظور ہوتا ہے سو یہ خدا کی رحمت ہے کہ اجر بڑھانے کے
واسطے یہ داعیہ پیدا کر دیا۔ غرض کام کئے جاؤ اور معصیت سے بچو اور اگر اتفاقاً معصیت
بھی ہو جائے تو اس کے بھی زیادہ پیچھے نہ پڑو بلکہ اس کا علاج کر کے آئندہ کو بچو جناب سول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا علاج استغفار کو فرمایا ہے بعض اوقات شیطان ساکت ہے

بڑا قبضہ کر لیتا ہے کہ شرم کے مارے توبہ نہیں کرتا اور محروم رہ جاتا ہے۔ سو صاحبو! گناہ سے محض مغموم ہونا کافی نہیں بلکہ استغفار کرنا چاہیے اور بعد توبہ خالصہ کے پھر اس کو قصدِ ایاد نہ کرے کہ بعض اوقات اس سے کیفیتِ مایوسی کی پیدا ہو کر آدمی معطل ہو جاتا ہے اور اگر بلا قصد ایاد آئے تو پھر توبہ کر لے اور توبہ میں ہر گناہ کو سوچنے اور فہرست گننے کی بھی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغۃ استغفار میں خود اشارہ فرمایا ہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَمْتُ بِدِينِي (اے اللہ! آپ میری مغفرت فرما دیجئے اس سے جو میں نے اب تک کیا یا آئندہ کروں اور جو کچھ میں نے چھپا کر کیا اور جو کچھ آپ میرے متعلق جانتے ہیں) اس میں مجل و مبہم عنوان کو کافی قرار دیا۔ قربان جائیے آپ کے کہ ہم کو کس قدر مضائق سے بچا لیا اور کسی آسان راہیں بتلائی ہیں لیکن اگر کوئی کام ہی نہ کرے تو کچھ علاج ہی نہیں ہے۔

گر نہ بیند بروز شپڑہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

(چمگا دڑا گردن میں نہیں دیکھ سکتا تو اس میں آفتاب کا کیا تصور)

یہ استغفار کا ذکر استطراداً تھا۔ اہل مضمون یہ تھا کہ جو امر اپنے اختیار خارج پیش آئے اس کو مصلحت سمجھے اور اس پر خدا کا شکر کرے خواہ بلائے ظاہری ہو خواہ بلائے باطنی ہو۔ یہ تھا بیان مرض تمتنی کا جس میں اہل سلوک بھی کم و بیش مبتلا ہیں اسی کی ممانعت اس حدیث میں ہے کہ (إِيَّاكُمْ وَاللَّوْفَانَ لَوْ يَفْتَحُ عَمَلُ الشَّيْطَانِ هَمَّ نَهَزَارُونَ) مرتبہ یہ آیت شریف پڑھی ہوگی لیکن آج جو بات اس سے سمجھ میں آئی وہ آج تک سمجھ میں نہ آئی تھی۔ الحمد للہ اور ایک بڑی رحمت اس کے ساتھ یہ فرمائی ہے کہ طبیعت انسانی کا بھی لحاظ فرمایا یعنی تمنا خود بخود طبیعت سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کی تعدیل فرمادی ہے وہ یہ کہ دعا کو مشروع فرمادیا کہ اگر کسی چیز کی تمنا پیدا ہو تو بجائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کو رائے دو وہ ارمان اس طرح نکالو کہ دعا کر لیا کرو کہ تمنا سے وہ بہتر ہے کیونکہ تمنا کے معنی تو خدا کو رائے دینا ہے کہ اس طرح کرنا مناسب تھا بخلاف دعا کے کہ وہ عرض ہے جناب باری میں اور ساتھ ہی اس پر رضا ہے کہ اگر یہ اس طرح نہ ہوگا تو میں اسی کو مصلحت سمجھوں گا جو حاصل ہے مضمون عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا الْآيَةَ كَآپِسْ دَعَا غِبَارَ زَكَلْتُمْ لَمْ تَكْرَهُوا تَمْتَنِي كَمْ هُمْ يَلْتَمِسُونَ اور عرض میں اس کے خلاف مثلاً جب بیمار ہو تو

صحت کی دعا کرو اسی طرح صبر کی دعا کرو تو اس سے غبار تو نکل جائے گا جو بات پسند آئے کہہ لے اور حسرت نہیں ہوگی جیسے تمہاری میں ہوتی ہے کیونکہ حسرت مافات پر ہوتی ہے اور مافات کی دعا جائز نہیں جیسے کوئی کہے کہ مجھے نبی کر دے کہ اس کا انتفا اور فوت یقینی ہے تو اثر میں دعا تمہاری سے اچھی ہوئی اور حقیقت کے اعتبار سے اس سے یوں متغایر ہے کہ وہاں مشیت میں دخل دینا ہے اور یہاں چونکہ مشیت کا علم نہیں لہذا اس کے ساتھ مقابلہ نہیں ہے بلکہ استدعا ہے اور ساتھ ہی مشیت پر رضنا اور اس سے دونوں کا فرق بھی معلوم ہو گیا اور اگر حسرت کے مضمون مذکور پر یہ شبہ ہو کہ ہم مافات پر تمنا کریں گے بلکہ مستقبل پر تمنا کریں تو اس میں حسرت کیا ہوگی تو میں کہتا ہوں کہ پھر دعا ہی کیوں نہ کرو کہ ایہام رانی سے بھی محفوظ رہو اور دعا کے مفید و مشروع ہونے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ واقعات کا مخفی رہنا اور کشف نہ ہونا بہتر ہے کیونکہ پھر کچھ کہہ نہیں سکتے کیونکہ خلاف کشف سوال کرنے سے ضرور اندر سے جی کھٹکتا ہے سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ اپنی ہر کلامی میں لذت بخشنے کے لئے واقعات کو مخفی رکھا پھر چاہے ہو یا نہ ہو لیکن برکات دعا تو حاصل ہو رہی یہ بات کہ اگر دعا کی اور مقصود حاصل نہ ہوا تو پھر کیا کرے یا جب تک حاصل نہ ہو اس وقت تک کیا ہی کرے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ دعا تو نہ چھوڑے لیکن جب تک وقوع نہ ہو صبر کرے بس صبر اور دعا دونوں رکھے اور یہ دعا بعد ظہور عدم اجابت رضنا بقصنا کے بھی منافی نہیں کیونکہ وہ عدم اجابت جس وقت تک ظاہر ہوا ہے اس وقت تک کے لئے اسی عدم استجابة پر راضی رہے اور جن اوقات کے متعلق عدم استجابة ثابت نہیں ہو ان کے لئے پھر دعا کرتا رہے تو دونوں سلسلے برابر جاری رہیں غرض دعا کو بھی مشروع فرمایا جیسا دوسرے نصوص میں ہے اور تمہاری کو منع فرمایا جیسا اس آیت میں ہے عَسَىٰ اَنْ يَّجِئَوكُمُ اسْتِغَاثَةٌ وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللهُ خَلَّاصٌ يَّهِيَ كَمَا خَدَّاتُ الْعَالِي كَمَا جِئْتَنِي يَاقُوتَ بِنِي يَاقُوتَ بِنِي ان کے خلاف تمنا نہ کرے بلکہ ان پر صبر کرے اور جو دل میں کوئی تمنا پیدا ہو جائے اس کے دعا کرتے رہے۔ میں نے اس وقت اس مضمون کو اس لئے زیادہ بیان کیا کہ یہاں ایک واقعہ ہو گیا ہے جس سے اکثر کے قلب پر اثر ہوگا اور اثر ہونا تو بعید نہیں واقعہ میں بھی مثل نشر کے اثر ہوتا ہے دیکھو اگر نشر لگاتے ہیں تو کھال میں کتنا اثر ہوتا ہے لیکن ہم کو اعتراض کا کوئی حق نہیں کیونکہ ہم کوئی رشتہ دار یا سررشتہ دار

محمد منشی خلیل الرحمن صاحب کاندھلوی تحصیلدار بھوپال کی وفات ہوئی تھی ۱۲ منہ

کہ حکمت کی تفتیش کریں باقی حکمتیں ہیں ضرور لیکن مصیبت ختم ہونے کا طریقہ یہ نہیں کہ ان حکمتوں کی تفتیش کی جائے بلکہ مصیبت کے ختم ہونے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اس کو سوچے نہیں اور تذکرہ نہ کرے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کئی کئی مہینے کے بعد بھی مصیبت زدہ کے پاس آکر برابر رنج و صدمہ کا تذکرہ کر کے اس کو تازہ کیا کرتے ہیں فقہاء نے لکھا ہے کہ تین دن کے بعد تعزیت نہ کرے کیونکہ وہ واقع میں تعزیت ہی نہیں کیونکہ تعزیت کی حقیقت بے تسلی دینا اور اس میں بجائے تسلی کے دوئی آگ بھڑکتی ہے بس کا طریقہ تو یہی ہے کہ پھر ایسے قصوں کو یعنی ان واقعات کو قصداً یاد کرے البتہ مردے کو نفع پہنچانے کے لئے یاد کرے اور جو حقوق اس کے ذمہ ہیں وہ ادا کرے۔ اس سے اس کو نفع ہوگا اور اپنے سکون کے لئے ذکر اللہ میں مشغول رہے کہ ذکر اللہ سے سکون ہوگا نیز مہتمماتِ رحمتِ رسانی اموات سے یہ ہے کہ اس کے اموال میں گڑ بڑ نہ کرے کیونکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے **أَعْمَالُ الْأَحْيَاءِ تُعْرَضُ عَلَى الْأَمْوَاتِ**۔ تو اس کے متعلق خلاف شرع کام کرنے سے اس کو اذیت ہوگی اگر کوئی کہے کہ اس کی اذیت سے مجھ کو کیا تو میں کہوں گا کہ عذاب کی تم کو بھی تو تکلیف ہوگی نیز اگر عذاب بھی نہ ہوتا تب بھی خدا کی مرضی کی تو پر واکرنا ضرور تھا غرض اس کا نفع اس میں ہے کہ اس طور سے اس کو یاد کرو اور اپنے سکون کے لئے ایک تدبیر یہ ہے کہ کسی کام میں لگے رہو کیونکہ بیکاری میں یہ سب قصے یاد آتے ہیں اگر دین کا کام ہو تو دنیا ہی کے کام میں لگ جاؤ مگر مباح کام ہو غرض غم کو ہلکا کرنا چاہیے ورنہ قصائے خداوندی سے تنگی ہوتی ہے پس اسی کے علاج کے لئے ارشاد ہے **عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُهُوَ شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّهُوَ شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ** (یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔

اب میں حنتم کرتا ہوں۔ اپنے (اور ناشر محمد عبدالمنان کے) لئے بھی دعا تو فریق کیجئے اور اموات کے لئے بھی دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ مغفرت کرے (آمین)

بِرَحْمَتِكَ يَا رَحِمَ الرَّاحِمِينَ

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً
(رواه البخاری)

دعواتِ عبدیت جلد چہارم

کا

سوال و عظیم قلبیہ

تیسیر الاصلاح

بمجلہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: محمد عبید المثنان عظیم

مکتبہ تھانوی - دفتر الابقاء

مسافر خانہ سندھ روڈ کراچی
ایم۔ اے۔ جلع روڈ

دعواتِ عبدیتِ جلد چہارم کا

دسواں وعظِ مایقب بہ

تیسیرِ الاصلاح

آیۃ	متی	کم	کیف	ماذا	مِنْ صَبِطٍ	الْمُسْتَمْعُونَ	اَشْتَاتٍ
کہاں ہوا	سب ہوا	سنتا ہوا	بیچ کر یا بیچنا	سرا ہضمون تھا	سرا نہ لکھا	سبعین کی تعداد	متفرقات
تھانہ بھون	۲۹ جمادی	۲۱ گھنٹہ	بیٹھ کر	ترک معصی	مولوی		
مسجد	الاول		کاسبت سے	سید احمد صاحب			
جامع	۳۳		ہل طریقہ	مرحوم تھانوی			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُحَمَّدًا وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُوْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ
 شُرُوْدِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يُّقِدْهُ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضِلْهُ فَلَا هَادِيَ
 لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا
 مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ -
 اَمَّا بَعْدُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
 قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی رَاٰ مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأَوْلٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ
 سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا

مگر جو شرک و معاصی سے) توبہ کرے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے) بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے)

یہ دو آیتیں ہیں جن میں پہلی آیت اپنے سے پہلی آیت کی محتاج ہے مگر جو مضمون اس وقت مقصود ہے اس کے لئے چونکہ یہ بھی کافی ہے اس واسطے پہلی آیت کو جس میں مستثنیٰ منہ مذکور ہے تلاوت نہیں کیا گیا اور اس کی تلاوت کی ضرورت نہیں سمجھی اور محض مضمون استثناء اور اس کی متمیم پر اکتفا کیا گیا۔ ان دونوں آیتوں میں سے اول آیت میں ایک بہت بڑے مرض کا ایک نہایت ہی سہل علاج فرمایا ہے۔ ہم میں امراض تو بہت ہی شدید ہیں اور اس لئے قاعدہ معتادہ کے موافق ان کے علاج بھی بہت ہی سخت ہونے چاہئیں تھے مگر یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ سخت سے سخت امراض کے نہایت سہل علاج تجویز فرمائے اور یہ بھی ایک امتیاز ہے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے شرائع اور دیگر طرق اصلاح سے کہ اس شریعت میں سخت امراض کے لئے بھی نہایت سہل علاج بتلائے گئے ہیں ورنہ تمام دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس درجہ کا مرض ہوتا ہے اسی درجہ کا علاج بھی کیا جاتا ہے اگر مرض سخت ہے تو اس کا علاج بھی سخت ہوگا اور مرض ہلکا ہے تو علاج بھی ہلکا ہوگا۔ غرض اس روحانی طب میں یہ امتیاز ہے کہ سخت امراض روحانی کا علاج بھی سہولیت سے کیا گیا ہے اور امراض روحانی سے مراد معاصی ہیں حدوثاً یا بقاراً یعنی گناہ کا صادر ہونا یا اس کا باقی اور مستمر رہنا۔ حاصل یہ ہے کہ معصیت مرض ہے اور اس میں دو درجے ہیں ایک تو اس کا حدوث اور ایک اس کا بقار یعنی صدور کے بعد اس سے رجوع میسر نہ ہو تو اصل مرض معصیت ہوا اس کے مرض ہونے میں تطویل کلام کی ضرورت نہیں جس میں ایمان ہوگا وہ اس کو ضرور ہی تسلیم کرے گا کیونکہ مرض کی حقیقت ہے مزاج کا اعتدال سے خارج ہونا اور جس طرح ایک قسم اعتدال کی طبعی ہے اسی طرح ایک قسم اعتدال کی روحانی بھی ہے جس کو شریعت نے بتلایا ہے کہ انسان کو اس حالت پر رہنا چاہیے کہ نہ اس میں فراط

ہو اور نہ تفریط ہو یعنی غلو اور انہماک کو بھی جائز نہیں رکھا پس یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ دین میں مبالغہ کرنا مقصود ہے یہ بھی خلاف واقع ہے سو اس میں دو غلطیاں لوگوں کو واقع ہوئی ہیں بعض تو یہ سمجھے کہ عبادات میں خوب مبالغہ کرو جتنا مبالغہ ہوگا اچھا ہوگا اس کا ایک برا نتیجہ تو یہ ہے کہ دین سے تو وحش و نقل پیدا ہوگا۔ دوسرا برا اثر بعض معتقدین پر یہ ہوگا کہ اس کو قبول کر کے ایسے مہمک ہوں گے کہ تمام دنیا کے کاروبار کو چھوڑ کر اور ترک تعلقات کر کے بیٹھ جائیں گے اگرچہ وہ تعلقات واجب ہی کیوں نہ ہوں جیسے بیوی بچوں وغیرہ کا اور اس کا نام رکھا ہے آزادی و تفرّد و تجرّد کہ ہم کو خدا کے سوا کسی سے غرض نہیں نہ بیوی سے نہ بچے سے اور اس کا ثمرہ آخر یہ ہوا کہ تمام حقوق و اجہ ضائع ہو گئے ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ آزادی اسی حد تک جائز ہے جہاں تک کہ شریعت نے اجازت دی ہے اور جہاں شریعت نے مقید کر دیا ہے وہاں مقید ہی رہنا چاہیے۔

چونکہ برمیخت بہ بند و بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش
 (جب کسی میخ سے تجھ باندھ دیا جائے تو اسی جگہ بندھا ہوا رہنا بہتر ہے اور جب کھول دیا جائے تو خوب چستی و پیلا کی دکھلا)

یعنی جب باندھ دیں بندھ جائے اور جب کھول دیں تو اچھلتا کودتا پھر دیکھے گھوڑے کی شایستگی یہی ہے کہ جب اس کو باندھ دیا جائے تو بندھا رہے اور جب کھول کر چلایا جائے تو کھل کر چلے اور اگر وہ کھولنے پر بھی بندھ جائے یعنی چلے نہیں یا باندھنے کے بعد بھی اچھلے کودے تو وہ مشریر گھوڑا ہے پس اطاعت یہی ہے کہ باندھنے سے بندھ جائے اور کھولنے سے کھل جائے۔ اس وقت دنیا داروں نے تو بالکل اپنے گلے سے پٹا ہی نکال دیا ہے اور دنیا داروں نے اپنے کوزاویہ میں ہی جکڑ لیا ہے سو یہ سخت غلطی ہے اور بہت لوگ اس میں مبتلا ہیں اور اس غلطی سے یا تو دین سے تو وحش پیدا ہوتا ہے اور یا انہماک تو اصل سبب اس تو وحش اور انہماک کا یہی ہے کہ مبالغہ کو مستحسن سمجھا اسی مبالغہ کی نسبت فرماتے ہیں يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ (اے اہل کتاب دین کے معاملات میں تم غلو اور زیادتی مت کرو) تو ہر چیز میں سخت ضرورت اعتدال کی ہے دنیا میں بھی اور دین میں بھی۔ اور جب معلوم ہوا کہ دین

میں اعتدال مقصود ہے تو جو اس اعتدال سے نکلے گا وہ مریض روحانی سمجھا جائے گا یہ تو حقیقت کے اعتبار سے تقریر ہے اور اثر کے اعتبار سے کہ معصیت اس طرح مرض ہے یہ ہے کہ مرض سے طبیعت مکدر ہوتی ہے اور صحت میں بھی طبیعت مکدر ہوتی ہے اور اس سے پریشانی اور ضعف روحانی بڑھتا ہے اور صاحبِ معصیت ہر وقت پریشان اور افسردہ رہتا ہے اور یہ بات مشاہدہ کرنے کی ہے میں بہ قسم کہتا ہوں کہ عبادت کے بعد قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو عابد محسوس کرتا ہے اور معصیت کے بعد قلب میں ایک ظلمت اور تکتہ ہوتا ہے جس سے قلب بالکل پژمردہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو نمازی کی نماز اگر قضا ہو جائے تو اس کو کس قدر رنج ہوتا ہے اور اگر اپنے وقت پر ادا ہو جائے تو کیسی فرحت ہوتی ہے خوب کہا ہے

بر دل سا لک ہزاراں غم بُود گم ز باغِ دل حنلے کم بود
(درویش کے دل پر ہزاروں غم چھا جاتے ہیں اگر ان کے دل کے باغ میں
سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے)

دیکھئے اگر کسی کو نماز سے محبت ہو جائے تو گو اس کی حالت اہل اللہ کی سی نہ ہو لیکن پھر بھی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اس کو کوئی ایک ہزار روپیہ بھی دے اور یہ کہے کہ تم ایک وقت کی نماز مت پڑھو تو قیامت تک نہ مانینگا بلکہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس شرط پر اس کو دی جائے اس پر بھی لات مارے گا تو اس شخص کو نماز میں آخر کوئی شگفتگی تو ہے جس کی وجہ سے ہفت اقلیم کو بھی اس کی عوض میں بیچ سمجھتا ہے وہ یہی روحانی فرحت ہے وہ جانتا ہے کہ نماز کو چھوڑنے سے یہ فرحت جاتی رہے گی اور قلب میں اس کی جگہ ایک کدورت اور ظلمت پیدا ہو جائے گی اس سے معلوم ہوا کہ طاعت سے ایک نور پیدا ہوتا ہے اور معصیت سے ایک قسم کا تکدر ہوتا ہے اور اس نور میں یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ قوت بخشتا ہے اور اسی طرح اس تکدر کا خاصہ ہے کہ وہ کم ہمت اور کسل مند کر دیتا ہے چنانچہ دیکھ لیجئے اگر دو شخص قوت میں برابر ہوں مگر ان میں سے ایک متقی ہو اور ایک غیر متقی تو ان دونوں کی حرکات میں غور کرنے سے یہ تفاوت نظر آئے گا کہ متقی سے جو کام

ہمت کا ہو سکے گا وہ غیر متقی سے نہ ہوگا اور ہر کام میں جو ہمت متقی سے ظاہر ہوگی وہ غیر متقی سے کبھی نہ ہو سکے گی اور یہی راز ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود اپنے ضعف جسمانی کے اپنے مقابل کفار پر باوجود ان کی قوت کے غالب آگئے حتیٰ کہ اہل فارس جن میں رستم جیسا شخص موجود تھا جو اپنے زمانہ کا بڑا زور آور سمجھا جاتا تھا ان کے مقابلے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے دبیلے پتلے کمزور جب کام کا وقت آیا تو یہ کمزور قوی ثابت ہوئے اور وہ زور آور کمزور ثابت ہوئے تو یہ قوت اسی نور کی تھی جو عبادت کی وجہ سے ان کے قلب میں بلکہ رگ و پائیں سرایت کر گیا تھا اور یہی نور ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا وَفِي عَصَبِي نُوْرًا وَفِي لِحْيِي نُوْرًا وَفِي دَرِي نُوْرًا وَ مِنْ تَحْتِي نُوْرًا وَ مِنْ فَوْقِي نُوْرًا وَ عَن يَمِيْنِي نُوْرًا وَ عَن شِمَالِي نُوْرًا وَ جَعَلِي نُوْرًا یعنی اسے اللہ میرے قلب میں رگ و پیلے میں گوشت پوست میں خون میں نور پیدا کیجئے اور میرے نیچے اور اوپر اور داہنے اور بائیں نور پیدا کیجئے اور مجھ کو بھی نور کر دیجئے۔ حقیقت میں اطاعت اور عبادت سے ایک نور پیدا ہو جاتا ہے اور عابد کو اس کا ادراک بھی ہوتا ہے اگرچہ ہم کو بوجہ اخبار صادق کے بلا ادراک بھی ایمان لانا چاہیے وراگر کوئی کہے کہ ہم کو تو کبھی نور محسوس نہیں ہوا تو میں کہوں گا کہ اس لئے نہیں محسوس ہوا کہ ابھی آپ نے وہ تقویٰ اختیار نہیں کیا جس سے نور پیدا ہوتا ہے ورنہ آپ دیکھتے کہ ایسا نور آپ کے قلب میں پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے کسی قسم کا ضعف ہی نہیں رہتا اسی رہ میں فرماتے ہیں كَثْرَةٌ مِنْ قَلِيْدَةٍ غَلَبَتْ فِئْتَهُ كَثِيْرَةٌ يَّا ذِيْنَ اِلٰهِ (اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر فتح پالیتی ہے) اور کسی کا قول ہے

ہر چند پیرِ وحسہ و بس ناتواں شدم ہر گز نظر بروئی تو کردم جواں شدم

میں اگرچہ بوڑھا ہو گیا لیکن جب تجھ پر نظر پڑتی ہے تو وہی جوانی کی قوت آجاتی ہے مجھ سے اس کی تائید دیکھ لیجئے کہ اگر کسی شخص کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کی کیا حالت و جاتی ہے کہ اس کے کسی کام میں بھی اس کو تکان نہیں ہوتا پھر اگر کسی کو خدا تعالیٰ سے اس کے احکام سے محبت ہو جائے تو اس کی قوت قلبی کا کیا تعجب ہے جیسا

سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ۵

عجب داری از سالکان طریق کہ باشند در بحر معنی غریق
(جو لوگ درویشی کے سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں تجھے سنکر تعجب ہوگا
وہ ہمیشہ معنی کے دریا میں غرق رہتے ہیں)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۵

خود قوی تر میشود خمر کہن خاصہ آن خمرے کہ باشد من گدُن
(پرانی شراب خود بخود زیادہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ شراب جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی
ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے)

یعنی بڑھاپے میں زور گھٹتا نہیں بلکہ اور زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ شراب جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی
ہی تیز ہو جاتی ہے تو اس نور سے باوجود ضعف جسمانی کے روحانی قوت بڑھتی جاتی ہے
تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ قوت اور صحت کا روحانی بھی ہے اور اس سے خروج کا نام مرض
ہے اور گناہ اسی خروج کا نام ہے اور اس میں بہت زیادہ تطویل کی ضرورت نہیں کیونکہ
بحد اللہ ہر مسلمان اس کو سمجھتا ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ آیا ہوں۔ یہ تو امراض تھے۔

اب ان امراض کے خاص خاص معالجات ہیں کیونکہ ہر مرض کی دوا ہونا حدیث شریف
میں مصرح ہے مگر امراض روحانی کی دوا سے اکثر لوگ بے خبر ہیں اسی لئے اکثر لوگ گناہ کو
باوجودیکہ چھوڑنا چاہتے ہیں مگر اس کے چھوٹنے کا طریقہ اور اس کا علاج معلوم نہ ہونے
کے سبب ان سے نہیں چھوٹتے دیکھو اگر کوئی اچھا ہونے کا متمنی ہو مگر اس کا طریقہ معلوم نہ
ہو یا کہ اس طریقہ کا استعمال نہ کرے تو کبھی اچھا نہیں ہو سکتا اسی طرح آجکل لوگ
بڑی تمنائیں کرتے ہیں بعض تو طریقہ ہی نہیں جانتے اور بعض جان کر بھی عمل نہیں کرتے
چنانچہ اکثر لوگ بزرگوں سے کہتے ہیں کہ کچھ تو مجھ کو دیکھئے مطلب یہ کہ ان کو کچھ نہ کرنا پڑے۔
صاحبو! ہر کام اس کے طریقہ ہی سے ہو کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے **وَاتُوا الْبَيُوتَ مِنْ**
أَبْوَابِهَا (گھروں میں دروازوں سے آنا چاہیے) تو ہر مقصود ایک گھر ہے اور اس کا ایک
دروازہ ہے کہ اگر اس سے داخل ہو جائے تو عادتاً اس گھر میں پہنچ سکتا ہے ورنہ نہیں

تو نرہی تمنا دار المقصود کا دروازہ نہیں ہے اور نہ ہر تمنا کا پورا ہونا ضروری ہے۔
 عرفی اگر بگریہ میسر شدی وصال صد سال میتواں بہ تمنا گریستن
 (اے عرفی اگر رونے چلانے سے محبوب کا وصال ہو جایا کرتا تو میں اسی تمنا میں سو
 سال تک رو سکتا ہوں)

جیسا بعض لوگ دو آنسو گرا لیتے ہیں اور اس کو کافی سمجھتے ہیں۔ اسی باب میں حضرت
 علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

لَوْ كَانَ هَذَا الْعِلْمَ يُدْرِكُ بِالْمُنَى مَا كَانَ يَبْقَى فِي الْبَرِيَّةِ جَاهِلٌ

یعنی اگر علم اور اسی طرح عمل تمنا سے حاصل ہو جاتا تو دنیا میں کوئی بھی جاہل نہ رہتا۔

فاجهد ولا تكسل ولا تكثر غافلاً فتدامه العقبى لمن يتكاسل

دپس کوشش کر سستی مت کرنے غافل بن آخرت میں اس شخص کو شرمندہ ہونا
 پڑے گا جو سستی کرتا رہا)

وصاحبو! نرہی تمنا سے کچھ نہیں ہوتا مگر افسوس کہ آج کل تمنا میں تو بہت ہوتی ہیں لیکن کام
 کے طریقے سے کوئی بھی کام نہیں کرتا خوب کہا ہے۔

ماكل ما يتمنى المرء يدركه تجرى الرياح بها لا تشتطى السفل

راڈمی جو تمنا کرتا ہے وہ سب پانہیں لیتا ایسا اوقات کشتیوں کی مخالف ہوائیں
 بھی چلا کرتی ہیں)

غرض خدا تعالیٰ نے ہر ایک کام کے لئے عادتاً ایک تادیر بتلائی ہے کہ جب اس تدبیر
 سے وہ کام کیا جائے گا تو اس میں کامیابی ہوگی ورنہ نہیں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ محض
 ماہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ صاحبو! دعائیں برکت ضرور ہے لیکن ہر جگہ اس کا بھی محل نہیں تفصیل
 سا کی یہ ہے کہ مقاصد دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ ان کا اسباب سے کچھ تعلق نہیں وہاں تو
 استثناء ممتنعات عقلیہ یا شرعیہ دعا کا صرف یہ اثر ہے کہ بصورت استجابہ
 مقصود بلا تدبیر حاصل ہو جائے گا اور بعض کام عادتاً تدبیر پر موقوف ہیں ان میں
 استثناء خوارق کا دعا کا وہ اثر نہ ہوگا۔ جو پہلی قسم کے کام میں ہوا بلکہ ان میں دعا کا اثر

یہ ہوگا کہ اگر تدبیر کی جائے گی تو اس تدبیر میں برکت ہوگی اور اگر تدبیر نہ کی جائے گی تو کچھ بھی نہ ہوگا اور اسی سے یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ جب کاموں کا مدار تدبیر پر ہے تو پھر دعا کا ان میں کیا دخل اور اثر ہوا۔ سو وہ اثر یہ ہوا کہ تدبیر میں برکت ہو گئی اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے زراعت کہ اگر کوئی تخم پاشی ہی نہ کرے اور دعا کرے کہ غلہ پیدا ہو جائے تو عادتاً ہرگز پیدا نہ ہوگا اور خرقی عادت میں کلام نہیں ہے مگر وہ دائم نہیں تو وہاں اس کی ضرورت ہے کہ تخم پاشی کر دے اس کے بعد دو حالتیں ہیں پیدا ہوتا یا نہ پیدا ہونا جو متعلق ہے مشیت کے تو یہاں تعلق مشیت کے لئے دعا کی جائے گی کہ آپ اس میں اپنی مشیت سے غلہ پیدا کر دیں اور یہی حالت ہے اپنی اصلاح اعمال و ترک معاصی کی ہر مقام پر نری دعا کو کافی سمجھنا سخت غلطی ہے آجکل بھی اصلاح چاہتے ہیں مگر تدبیر نہیں کرتے صرف دعا پر اکتفا کرتے ہیں۔ تو صاحبو تدبیر کرو کامیابی ہوگی۔ ورنہ دوسرے ایسی مثال ہے کہ اگر کوئی شخص کمر بند رکھول کر کھڑا ہو جائے اور دعا کرے کہ کمر بند بند جائے تو ہرگز بھی نہ بندھے گا۔ اب آپ نے سمجھ لیا کہ دعا کا کیا اثر ہے اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ بعض جگہ ناکافی ہے۔ حاصل یہ کہ لوگوں نے یہ ناکافی تدابیر تجویز کر رکھی ہیں اور کافی تدابیر ان کو وہ ہی ہیں جو قرآن و حدیث شریف نے بتائی ہیں مگر ہم لوگ ان کو بالکل نہیں ڈھونڈا اور یہ بہت بڑا علم ہے جو علی العموم مسلمانوں سے مخفی ہو رہا ہے بلکہ اکثر اہل علم سے بھی کہ اس فن کی کتابوں میں غور نہیں کرتے اس لئے وہ علم ظاہر نہیں ہوتا بلکہ جو لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں وہ بھی اس نظر سے نہیں پڑھتے کہ اس میں معالجات امراض کچھ کہ اس میں عجیب معالجات ہیں چنانچہ اس آیت شریف میں بھی ایک سخت مرض کا ایک سہل علاج بتلایا ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کو محض اس وجہ سے قدر نہیں کہ سہل سہل علاج ہے اور لوگوں کا طبعی امر ہے کہ جو چیز سہل طریق سے حاصل ہو اس کی قدر نہ ہوتی اور جو عجیب طور پر حاصل ہو اس کی قدر ہوتی ہے۔ ہمارے استاد مولانا محمد لویہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ انہیٹہ میں ایک دولت مند شخص کو بہت سخت مرض ہوا، خلط سودا کا بہت زور ہو گیا تھا مولانا کو بلا یا گیا تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا

افیتمون تجویز فرمایا اور ان لوگوں نے ارزاں دوا سمجھ کر ٹال دیا وہاں ایک نابینا حافظ جی رہتے تھے ان سے علاج پوچھا گیا انھوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص افیتمون ہی بتلاتے ہیں انھوں نے لوگوں سے ذکر کیا لوگوں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا مولانا رحمۃ اللہ علیہ خوش مزاج بہت تھے حافظ جی سے پوچھا کہ خواب میں میں تو نہ تھا تو حافظ جی کہتے ہیں جی ہاں آواز تو ایسی ہی تھی اور پھر اس کا استعمال کیا یہ مثال اس پر یاد آگئی کہ یہ نسخہ چونکہ نہایت سہل تھا اس لئے اس کی قدر نہیں کی گئی اس طرح ہمارے مولانا نے ایک شخص کو جامن کی کوہیل بتلائی تھی وہ بھی بڑے آدمی تھے کچھ التفات نہ کیا اکثر سہل الوصول چیز کی وقعت کم ہی ہوتی ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ بعنوان شکایت فرماتے ہیں :-

ای گراں جہاں خوار دیدستی مرا زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا
 ہر کہ او ارزاں خسردارزاں دہد گو ہرے طفلے بستر صے ناں دہد
 رے بڑے آدمی تو مجھ کو ذلیل سمجھ رہا ہے اس لئے کہ تو نے مجھ کو بہت سستا خرید لیا ہے
 جو سستا خریدتا ہے وہ سستا ہی فروخت بھی کر دیتا ہے مثلاً بچہ قیمتی موتی کو ایک
 روٹی کے بدلے میں دیدے گا

غرض جو معاملات سہل ہوتے ہیں ان کی قدر نہیں کی جاتی اس لئے ارباباً بعض اوقات دوا کی قدر بڑھانے کو ورقِ نقرہ وغیرہ بڑھا دیتے ہیں تاکہ مریض کو قدر ہو جائے۔ مگر ارزائی کو ذلیل قلتِ نفع کی قرار دینا خود ہی غلطی ہے اکثر تو یہی ہے کہ جس قدر کوئی چیز نافع ہے اسی قدر وہ زیادہ ارزاں ہے جیسے ہوا کہ نافع تو اس قدر کہ مدارِ زندگی اسی پر ہے اور ارزاں اتنی کہ بالکل بے قیمت۔ ہوا کے بعد پانی ہے کہ وہ ہوا کے برابر نافع نہیں اس لئے اتنا تو سستا نہیں مگر چونکہ اور دوسری تمام چیزوں سے زیادہ نافع ہے اس لئے اور سب چیزوں سے سستا ہے تو اسی طرح سوچتے چلے جائیے معلوم ہو گا کہ جتنی کوئی چیز بیکار ہے اتنی ہی وہ گراں ہے حتیٰ کہ سب سے زیادہ گراں جو اہرات ہیں پھر دیکھ لیجئے کہ ان کا فائدہ سوائے تباہی کے اور کیا ہے ہزاروں غریبوں نے کبھی موتی کی شکل بھی نہیں دیکھی چنانچہ خود میں نے عمر بھر میں کل اب تک ایک مرتبہ لکھنؤ میں ایک

سو اگر سے درخواست کر کے یہ جواہرات دیکھے ہیں غرض جواہرات جو سب سے نکلے ہیں وہ سب سے گراں ہیں اگرچہ چاہیے تو یوں سمجھا کہ جتنی زیادہ ضرورت کی کوئی چیز ہوتی اتنی ہی گراں ہوتی لیکن چونکہ اس میں سخت دشواری ہوتی اس لئے رحمتِ خداوندی نے اس کے برعکس معاملہ کیا کہ ضرورت کی چیزوں کو ارزاں بنایا اور بیکار چیزوں کو گراں کر دیا بلکہ جو سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہے اس میں طلب کی بھی ضرورت نہیں۔ دیکھو اگر سانس کو بھی کہ ایک ہوا ہے اور ہر وقت ضروری پانی کی طرح بقصد لینا پڑتا تو ہر وقت کی مصیبت تھی بالخصوص سونے کے وقت تو مر ہی جا یا کرتے کیونکہ اس وقت قصد ممکن نہیں تو خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ اس کو کیسا ایسے الحصول کر دیا ہے اس سے معلوم ہے کہ کسی چیز کی ارزانی اس کی بے وقعتی کی دلیل نہیں ہے پس امراض روحانی کا علاج بھی ایسا ہے کہ سب سے زیادہ ضروری اور سب سے آسان سہل یہ تمہید میں نے اس لئے عرض کیا کہ اس مقام پر مرض کی صعوبت اور علاج کی آسانی کو دیکھ کر اس علاج کی بی قدری نہ ہو اب سنو کہ وہ علاج کیا ہے اور سننے کے بعد اس کو برتو اور پہلے ہی اس کی بے وقعتی نکر دیا اگر برتنے سے بھی مفید ثابت نہ ہو تو بیشک بیکار اور غیر مفید ہونے کی اطلاع کر کے ہم سے جواب لو۔ دیکھو اگر طبیب کوئی علاج بتلائے تو اول اس کو برتا جاتا ہے پھر اس کی نسبت مفید یا غیر مفید ہونے کی رائے قائم کی جاتی ہے یہ نہیں کہ نسخہ سنتے ہی اس کو ردی کر دیا جائے اسی طرح جو علاج یہاں بتلایا جا رہا ہے اول اس کو استعمال کرو اس کے بعد پھر شبہ کرو اور میں وہ مرض اور علاج بتلاتا ہوں اور تحدیث بالنعمة کے طور پر یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ ان آیت سے جو بات اس وقت بیان کرتا ہوں اس کے قبل یہ بات کبھی سمجھ میں نہیں آئی تھی یہ علم تھو ہی زمانہ ہوا کہ عطا ہوا ہے اور چونکہ علم بے حد مفید تھا۔ اس لئے جی چاہا کہ

ع: حلوا بہ تنہا نبأ است خورد

(حلوا تنہا نہ کھانا چاہیے)

سو وہ مرض یہ ہے کہ بسا اوقات انسان گناہ کو چھوڑنا چاہتا ہے لیکن وہ نہیں چھوڑتا بعد دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ گناہ کی پروا ہی نہیں کرتے اور بعض وہ ہیں کہ

کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن وہ پھر ہو جاتا ہے پھر چھوڑ دیتے ہیں اور اُس کے بعد پھر مبتلا ہو جاتے ہیں چنانچہ بعضوں کی تمام عمر اسی میں گزر جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ اُن سے نہیں چھوٹتا سوا اول تو معصیت خود مرض دوسرے اس کی معاودت مرض پھر اس میں کچھ معصیت کے اثر سے بھی اور کچھ ارادہ ترک میں ناکامی کی وجہ سے بھی کوفت ہونا کہ یہ جسمانی ازیت ہے پھر مُتدانتا کہ عمر بھر نہیں چھوٹتا جس سے عمر بھر یہ کلفتیں جمع رہتی ہیں چنانچہ مجھ سے ایک بوڑھے شخص نے اپنی حالت بیان کی کہ میں ایک مرض میں ابتدائے عمر سے مبتلا ہوا اور اس وقت قبر میں پیر لٹکائے بیٹھا ہوں لیکن ابھی تک وہ مرض موجود ہے وہ بیچارے کہتے ہوئے شراتے تھے مگر چونکہ اس کے ضرر کو جانتے تھے اس لئے باوجود شرم کے کہہ رہے تھے کیونکہ

ع۔ نتواں بہفتن درد از طبیبان

(طبیبوں سے مرض چھپایا نہیں جاسکتا)

میں طبیب ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن وہ ایسا سمجھتے تھے اور جب کوئی مشفق خیر خواہ جانے والا مل جائے تو ایسے موقع پر پھر چھپانا نہ چاہئے کیونکہ چھپانا یا تو اس لئے ہوتا ہے کہ یہ شخص ہم کو حقیر سمجھے گا اور یا اس لئے ہوتا ہے کہ دوسروں کو کہتا پھرے گا سو بحمد اللہ ان حضرات میں یہ دونوں احتمال نہیں اس لئے ایسے لوگوں سے کہنے میں کچھ پروا نہ کرنا چاہئے اور اظہارِ گناہ سے جو ممانعت آئی ہے وہ اس وقت ہے جبکہ محض براہِ بیباکی ہو جیسے تفاقراً کہا کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ معالج کے لئے ظاہر کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ غرض ان بزرگ نے اپنا ایک مرض جو کہ بچپن سے آخر عمر تک تھا بیان کیا اسی طرح بعض لوگوں کو جھوٹ بولنے کا مرض ہو جاتا ہے یا نظر بازی کا کہ بعض اوقات تو یاد نہیں رہتا اور بعض اوقات آدمی مغلوب ہو جاتا ہے اور پھر ارتکاب کے بعد نادم ہوتا ہے مگر وہ پھر ہو جاتا ہے۔ غرض ہر گناہ جس کی بار بار معاودت ہو اس میں ایسا ہی ہوتا ہے سو عقل کے موافق اُس کا علاج بھی سخت ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ اہل عقل نے جو اخلاق کی درستی کی تعلیم کی ہے تو انہوں نے اس کے لئے سخت سخت علاج تجویز کئے ہیں جن کا حاصل مجاہدہ ہے مثلاً تکبر کا علاج

یہ تجویز کیا ہے کہ متکبر سے چھوٹوں کی تعظیم کرائی اور مدت تک ایسے کاموں پر مجبور کیا جن میں نفس کو ذلت ہو تو اصل باقاعدہ علاج یہی مجاہدہ متتذہ ہے ایک حکیم کہتے ہیں کہ
صوفی نشو و صافی تا در نکشد جامی بسیار سفر باید تا پختہ شود حتامی
(تصوف اختیار کرنے والا اس وقت تک پاکیزہ و مزکی نہیں ہو سکتا جب تک
کہ وہ شراب معرفت کا جام نوش نہیں کر لیتا اور ہرنا پختہ کو پختگی حاصل کرنے کے لئے
بہت محنت و مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے)

پس ایسی ایسی مشقتوں کے بعد کچھ فائدہ محسوس ہوتا ہے اور اسی قسم کے علاج سے تمام تصوف
کی کتابیں بھری پڑی ہیں اختیار اور قوت القلوب میں اسی طرز کے علاج کو مفصلاً ذکر کیا گیا
ہے اور یہ اس قسم کے علاج ہیں کہ ایک ایک مرض کے علاج کے لئے عمر چاہیے اسی لئے حضرات
متاخرین نے ان علاجوں کی جگہ دوسرا اس سے سہل علاج اختیار کیا اور وہ خلوت و کثرت
ذکر ہے مگر پھر بھی وہ اتنا سہل نہیں کہ ہر شخص اور ہر مشغول اس کو اختیار کر سکے مثلاً جیسے ایک
تاجر ہے کہ وہ خلوت میں نہیں رہ سکتا تو ان دونوں طرز میں سے اس کے لئے ایک بھی کارآمد
نہیں تو بظاہر یہ غریب محروم ہی رہا حالانکہ

ہنوز آں ابر رحمت در فشانست خم و خمخانہ با مہر و نشانست

را بھی تک وہ رحمت کا بادل موقی برسا رہا ہے شراب کا مٹکا اور میخانہ سب پر

مہر اور نشانی لگی ہوئی ہے)

اور یہ طرز چہ دشمن بریں خوان نعیم چہ دوست

(اللہ تعالیٰ کے دسترخوان پر دوست دشمن سب برابر ہیں)

تو ایسوں کے لئے کونسی تدبیر ہونا چاہیے جو ان کو بھی سہل ہے سوا اللہ ثم اللہ کہ اول
خدا تعالیٰ نے وہ تدبیر بلا واسطہ قلب میں ڈالی اور پھر اس پر اس قدر اطمینان ہوا کہ
اس میں ذرا شک و شبہ باقی نہ رہا جس کے بعد اپنے بہت احباب کو بتلایا اور خود
بھی اس کو برتاؤ فرمایا سو بحمد اللہ مفید ثابت ہوا اور بالکل حق الیقین ہو گیا کہ یہ نافع
ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کا دوسرا فضل یہ ہوا کہ ابھی تک اُس میں جو ایک کمی تھی کہ وہ

معالجہ بوجہ اس کے کہ علوم القایۃ ظنی ہوتے ہیں اور تجربہ میں احتمال خصوصیت مزاج کا بھی ہوتا ہے ظنی سمجھا جاتا تھا آج وہ بھی جاتی رہی اور آج ہی قرآن مجید میں اس معالجہ کا منصوص اور مفید ہونا معلوم ہو گیا اگرچہ اس معنی کو اب بھی ظنی ہے کہ اُس آیت کی دوسری تفسیر بھی ہو سکتی ہے مگر ثبوتاً تو منطون نہیں رہا گو دلالۃً منطون ہو تو وہ تدبیر وہ ہے جو اس آیت میں بتلائی گئی ہے اب میں اول آیت کا ترجمہ کرتا ہوں اس آیت کے قبل بعضی وعیدوں اور بعضے گناہ کرنے والوں کی حالت کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں **رَالَا مَن تَابَ وَآمَنَ الْخِجْسِ كَا ضِلَا صِهٖ** یہ ہے کہ گناہ کا علاج توبہ ہے مگر اس کو سن کر آپ سامعین بد اعتقاد نہ ہو جائیں کہ یہ تو معمولی بات نکلی جو پہلے سے موہوم ہے سوا بھی بات تم نے سنی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے تو ان کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا تو خدا تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کے باب میں جبکہ اس کے شرائط بھی پائے جائیں جن میں ایک ایمان ہے کیونکہ کافر کی توبہ مقبول نہیں۔ اور دوسرا عمل صالح ہے، یہ فرمایا ہے کہ اس کی بُرائیاں مبدل بہ حسنات ہو جائیں گی! اور یہ دوسری شرط یعنی عمل صالح قبول توبہ کے لئے تو نہیں ہے کیونکہ بالاجماع خود گناہ معاف ہونے میں اس کی ضرورت نہیں کہ دوسرے نیک عمل بھی کرے صرف توبہ بطرقہائے کافی ہے لیکن **اُولَٰئِكَ يَبْدَلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ** (یہی وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نیکیاں عطا فرمادیتے ہیں) میں اس دوسری شرط کی ضرورت ہے اور تفسیر اس تبدیل سنی کی مختلف ہے اور یہ سلسلہ اس آیت سے اس تفسیر کی بنا پر ماخوذ ہے جو میں عرض کر رہا ہوں دوسری تفسیر کی بنا پر نہیں لیکن اگر کوئی دوسری تفسیر کو بھی اختیار کرے تو ہمارے مقصود میں ٹھنر نہیں کیونکہ اس علاج کا نافع ہونا تجربہ سے بھی ثابت ہو چکا ہے تو ایک تفسیر تو اس کی یہ ہے کہ قیامت کے دن بعض بندوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا کہ اول ان کے بعضے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور وہ ڈریں گے کہ اب دوسروں کی نوبت آئے گی مگر رحمت ان کو کہا جائے گا کہ اچھا ہم نے گناہوں کو معاف کیا اور ان کے برابر نیکیاں تم کو دیں اس وقت وہ بندہ عرض کرے گا کہ یا الہی میرے لئے تو اور بھی گناہ کئے ہیں تو بعض نے اس

قصے سے اس کی تفسیر کی ہے مگر یہ تفسیر میرے نزدیک اس لئے مرجوح ہے کہ خود اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاملہ سب کے ساتھ نہ ہوگا اور یہاں ہر نائب کے لئے یہ حکم فرمایا گیا ہے تو راجح تفسیر وہی ہونی چو میں عرض کرتا ہوں اور وہ بھی سلف منقول ہے وہ یہ ہے کہ سیات سے مراد ملکاتِ سیات ہیں اور حسنات سے مراد ملکاتِ حسنات ہیں۔

یعنی ہر عمل کے دو مرتبے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس کو تکلف سے کیا جائے یا اتفاقاً صدور ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کا ملکہ ہو جائے۔ اول کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بچہ اتفاق سے ایک جمیم نہایت اچھی لکھ دے تو یہ ملکہ نہیں بلکہ اتفاق ہے۔ میرا ایک عزیز نے ایک مرتبہ بے ساختہ ایک شعر لکھ دیا تھا جو نہایت ہی لاجواب تھا لیکن ایک کے بعد پھر دوسرا باوجود توب کے بھی نہیں لکھ سکے وہ شعر یہ تھا۔

نظر جب سے آئی نہیں تیری صورت عجیب قابل دید ہے میری صورت
تو یہ شعر تو اتنا عجیب ہے کہ لاثانی ہے مگر چونکہ ان کو فن میں علماً و عملاً ملکہ نہ تھا اس لئے خود اس کی بھی خبر نہ تھی کہ یہ شعر ممتنع النظر ہے چنانچہ جب دوسرے شعر سے عاجز ہو کر تنگ ہو گئے تو اپنے استاد سے جا کر عرض کیا انھوں نے کہا ظالم! اس میں تیری میری قافیہ ہے تو یہ قافیہ کہاں سے لائے گا۔ علی ہذا میرے ایک دوست نے اپنے وعظ میں لکھنؤ کے ایک سقے کا ایک مصرع سنایا تھا کہ اس کے سامنے کسی نے بارش کے وقت ایک مصرع پڑھا تھا

۶۔ اگر یوں ہی پانی برستار ہے گا

تو اس سقے نے فوراً دوسرا مصرع کہا کہ

۷۔ تو کا ہے کو کلیوں برستار ہے گا

یہ تو سب اتفاقیات ہیں یا اسی طرح کوئی تکلف کر کے کہدے تو وہ ہر دفعہ نہ کہہ سکیگا۔ اسی طرح اعمالِ حسنہ بھی کبھی تو تکلف سے ادا ہوتے ہیں جیسے بعض کو نماز کی عادت نہیں ہوتی مگر بارے باندھے پڑھتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمن صفا مرحوم ایک مرتبہ تہجد کی وقت مسجد میں تشریف لائے سب پڑے سوتے تھے آپ نے ان کو ڈانٹا کہ کبھی پڑے سوتے ہیں اور تہجد نہیں پڑھتے تو سب کے سب خوف سے اٹھ کر بے وضو ہی پڑھنے لگے لیکن چونکہ

عادت نہ تھی بس ایک ہی دن میں حستم بھی کر دی یا جیسے ساڑھوہورہ کے ایک پیر زادے کا واقعہ ہے کہ ان کو ایک مولوی صاحب نے زبردستی نماز میں کھڑا کیا نیت بندھوائی۔ تو ان پیر زادے نے نیت میں یہ بھی کہا کہ نماز ظہر کی منہ طرف قبلہ کے ظلم اس مولوی صاحب کا واقعی بعض لوگ تو محض ظلم ہی سے نماز پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے بعضے کالج ایسے ہی ہیں کہ ہاں کے اکثر طالب علم محض ظلم ظلمی نماز پڑھتے ہیں تو یہ عمل تکلف سے تھا اور ایک عمل ہوتا ہے ملکہ کے بعد جس سے قلب میں خود تقاضا نیکی کا پیدا ہوتا ہے علی ہذا گناہ سے بچنا بھی کہ اس میں بھی کبھی تو ملکہ کا درجہ ہوتا ہے اور کبھی محض تکلف سے اجتناب ہوتا ہے تو صدور بھی دو طرح ہوا اور اجتناب بھی دو طرح ہوا۔ تو جو عمل بے ملکہ کے ہوگا اس کو پابندی نہیں ہوگی اس کی حالت یہ ہوگی کہ

ع۔ اگر ماند شبے ماند شب دیکر منی ماند

اور جو عمل ملکہ کے ساتھ ہوتا ہے اس کو دوام ہوتا ہے عراقی رحمہ اللہ اسی کی تمنا میں کہتے ہیں۔
 صنما رہ قلندرسر دار بن منائی کہ دراز و دور بنیم رہ و رسم پارسائی
 رائے محبوب میرے لئے قلندروں والا رہتہ یعنی عشق کا راستہ مناسب ہے وہی راستہ
 مجھے دکھا دے کیونکہ پارسائی پر پیرگاری یعنی شریعت کا راستہ تو بڑا لمبا ہے
 یعنی وہ محبت اور عشق کا راستہ دکھا دے جس سے عمل پر پارسائی ہو اور یہ تکلف کی پارسائی
 کا راستہ تو بہت دور دراز ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک گاڑی کو تو مزدور لیجا میں جب
 چھوڑ دیں گے کھڑی ہو جائے گی اور ایک کو انجن لے جائے جس میں اسٹیم بھری ہو۔ بس یہی
 فرق ہے تکلف اور ملکہ میں۔ اب سمجھئے کہ ہر شخص جس میں ذرا بھی تدبیر ہوگا گناہ کو چھوڑنا چاہیگا
 مگر اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پھر بھی نہیں چھوڑ سکتا بلکہ کشاکش ہوتی ہے تو وجہ اس کی یہی ہے
 کہ اس کا ملکہ حاصل نہیں اور جس عمل میں ملکہ مساعد نہ ہوگا اس کا فعل یا ترک دونوں نہایت
 دشوار ہوں گے کیونکہ ملکہ تو ہے اور بات کا اور کوشش کرتا ہے اس کے خلاف کی تو دشوار
 ہو ہی گی تو اصل تدبیر یہ ہے کہ اول گناہ کا ملکہ کم کیا جائے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ
 زیادہ کھانے سے گناہ کا صدور ہوتا ہے مگر یہ غلط ہے بلکہ اصل وجہ وہی ہے کہ گناہ کے

ملکہ کو نہیں مٹایا اس لئے گناہوں کا صدور ہوتا ہے تو اس کو دور کرو۔ اور اس کے دور کرنے کے لئے بظاہر عمرے باید۔ کیونکہ جتنا پیرانا مرض ہوتا ہے اتنا ہی طویل زمانہ اس کے زائل ہونے کے لئے بھی چاہیے وہ جلد زائل نہیں ہوتا چنانچہ مشہور ہے کہ جب محمود غزنوی رحمہ اللہ ہندوستان میں آئے تو سو منات میں ایک ہندو کو ایک بت کے سامنے مراقب بیٹھا ہوا دیکھا ایک سپاہی نے لکار کر اس سے کہا کہ کہو لا الہ الا اللہ ورنہ تلوار سے گردن اڑاتے دیتا ہوں اس نے کہا ذرا ٹھہرو کہتا ہوں جب تلوار ہٹالی تو چپ ہو رہا کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا سپاہی نے کہا تو کئی بار حیلے کر چکا ہے اب کی بار میں نہ چھوڑوں گا ورنہ کلمہ پڑھ تب اس ہندو نے کہا کہ میاں سپاہی چاہو مارو چاہو چھوڑو اتنی جلدی تو کلمہ نہیں پڑھ سکتا۔ دیکھو میری عمر نوے برس کی ہے تو نوے برس کا رام تو نکلتے ہی نکلتے نکلے گا مسلمان تو ہو جاؤں گا مگر مجھے دو چار دن کی مہلت دو دیکھو پیرانا مرض اس دشواری سے جاتا ہے۔ ایک اور حکایت یاد آئی کہ ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہو گیا۔ اور چوری سے توبہ کی اور خانقاہ میں رہنا شروع کیا۔ جب رات ہوتی تو چوری کا جوش ہوتا مگر عہد یاد آتا تو طبیعت کو روکتا آخر جب طبیعت بہت بے چین ہوتی تو اٹھتا اور تمام لوگوں کے جوتے ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر کر دیتا اور پھر جوتا تمام لوگ سخت پریشان ہوتے آخر ایک دن لوگوں نے ان کو دیکھ لیا اور پکڑ کر پھرنا کے پاس لے گئے۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ بھائی یہ کیا حرکت ہے تو نے توبہ کر لی تھی کہنے لگا کہ جتنا میں نے چوری سے توبہ کر لی ہے، ہیرا پھیری سے نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ میں رئیس السارقین ہوں پچاس برس کی بڑی عادت ہے ہر روز رات کو قلب میں تقاضا پیدا ہوتا ہے مگر چونکہ آپ سے عہد کیا ہے اس لئے روکتا ہوں جب تقاضے سے مجبور ہوتا ہوں تو نفس کو اس پر راضی کرتا ہوں کہ لوگوں کے جوتے ادھر سے ادھر کو کر دوں گا یہ بھی ایک قسم کی چوری ہے اب آپ کو اختیار ہے اگر آپ اس کو چھوڑ آئیں گے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ میں پھر چوری کرنے لگوں گا پیر صاحب نے کہا کہ اچھا تم کو ہیرا پھیری کی اجازت ہے تو جس چیز کا ملکہ ہوتا ہے وہ ضرور بار بار خود کرتا ہے اور یہاں ایک فائدہ بطور جملہ معترضہ کے ہے وہ یہ کہ کبھی سالک کو

بعد خلوات و ریاضات کے بھی میلان ہوتا ہے معاصی کی طرف اور اس میں آکر شیوخ پر لیشان ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اذکار و اشغال سب بیکار گئے کامیابی نہیں ہوئی سو یہ غلط ہے ذکر و شغل نافع ہوا لیکن اس کا نفع یہ نہیں ہے کہ میلان بھی نہ رہے البتہ جو تقاضا قبل مجاہدہ ہوتا تھا کہ اس کا دفع و مقابلہ دشوار تھا اب مقابلہ آسان ہے باقی نفس میلان وہ گاہ گاہ ہو سکتا ہے اور اس میں دھوکا اس سے ہو جاتا ہے کہ اکثر ابتداً سلوک کی حالت میں بالکل میلان نہیں رہتا اس سے خیال ہوتا ہے کہ منتہی کو بدرجہ اولیٰ نہونا چاہیے حالانکہ یہ قیاس غلط ہے کیونکہ سالک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اول اول و لولہ میں اس کو گناہ سے سخت نفرت ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس وقت ذکر کی لذت کا غلبہ ہوتا ہے اور پھر یہ لذت اخیر تک نہیں رہتی جیسا کہ ہر کام کا قاعدہ ہے کہ ابتدا میں اُس میں لذت ہوتی ہے اور اس کا غلبہ ہوتا ہے پھر آخر میں مساوات سی ہو جاتی ہے اسی مضمون کو حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ ایک مرید کے جواب میں کہ انہوں نے سابق جیسی لذت ذکر میں ہونے کی شکایت کی تھی بطور لطیفہ کے فرماتے تھے کہ میاں پرانی جو رومان ہو جاتی ہے مطلب یہ تھا کہ لذت کا جوش جو ابتدا میں ہوتا ہے وہ اخیر میں نہیں رہتا۔ پس بیوی کے متعلق اتنا ہی کام رہ جاتا ہے کہ ماں کی طرح وہ ان کی خدمت کرے۔ ایک بھولے سیدھے نواب صاحب کی حکایت سنی ہے کہ ان کی بیوی مرگئی تھی کلکٹر تعزیت کے لئے آئے اور کہنے لگے کہ ہم کو افسوس ہوا کہ آپ کی بیوی مر گیا۔ اس پر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ جناب وہ بیوی نہ تھا ہمارا اماں تھا۔ اسی طرح ابتدائے ذکر میں لذت ذکر کا جوش ہوتا ہے اُس وقت ترکِ معاصی کا تو کیا ذکر ہے ترکِ آباؤ ترکِ ازواج اور ترکِ اہل تک کی سوچتی ہے مگر اس جوش کی مثال صبحِ کاذب کی سی ہے کہ اُس میں ضیاء تو صبحِ صادق سے زیادہ ہوتی ہے مگر اُس کو بقاء نہیں ہوتا اسی کو فرماتے ہیں ۵

اسی شدہ تو صبحِ کاذب رہیں صبحِ صادق رازِ کاذب ہم ہیں

(اے شخص تو صبحِ کاذب کے پیچھے ہی لگ گیا ہے۔ صبحِ صادق اور صبحِ کاذب میں فرق دیکھ)

کہ تم تو صبحِ کاذب کے مرہون ہو گئے اس کو چھوڑو اور کاذب و صادق میں تمیز پائیے۔ دیکھو

ایک پھول وہ ہوتا ہے جو اگر جھڑ جاتا ہے اور اس کے بعد پھر اصلی پھول آتا ہے جس پر پھیل آتا ہے اسی طرح ایک حالت راسخ ہوتی ہے اور ایک عارض۔ تو ابتداء میں جو حالت ہوتی ہے وہ قائم اور باقی اور صادق حالت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ترک ذکر نہ کرے تو اس کے بعد جو حالت پیدا ہوگی وہ صادق ہوگی اور وہ مقام کہلاتا ہے مگر اس میں جوش و خروش اور ولولہ نہ ہوگا اس کی حالت پختہ ہند یا کی سی ہوگی کہ اس میں نہ فلیان ہوتا ہے نہ شور ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ مَا التَّهَابِیۃُ تُوَفِّرَیَا الْعَوْدُ رَآئِی الْبَدَآئِیۃَ۔ یعنی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ عوام الناس تو یہ سمجھیں کہ یہ عوام میں داخل ہیں اور خواص واقفین یہ جانیں کہ یہ خواص میں سے ہیں جیسے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حالت تھی کہ وہ بالکل عوام میں لے جئے رہتے تھے بازاروں سے جا کر ترکاری بھی لے آتے تھے تو انتہا میں جوش وغیرہ تو جاتا رہتا ہے لیکن ایک دوسری قسم کی حلاوت لطیف پیدا ہوتی ہے پہلی حالت کی مثال گڑ کی شیرینی کی سی ہے اور دوسری حالت کی مثال قند کی شیرینی کی سی ہے کہ گڑ کی شیرینی کا ادراک تو ہر عامی شخص کو بھی ہوتا ہے لیکن قند کی شیرینی چونکہ لطیف ہے اس کا کامل ادراک ہر شخص کو نہیں ہوتا صرف لطیف المزاج ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔ دیوبند میں شیخ کرامت حسین نے اپنے فرزند کی شادی کی تو اس میں چاروں کو بھی جو کہ بیگار میں آئے تھے کھانا دینے کا حکم دیا کھانے کے ساتھ فرینی تھی جب فرینی سامنے آئی تو چکھ کر چار کہتے ہیں کہ یہ تھوک سا کیا ہے تو جیسا ان چاروں نے فرینی کی شیرینی کو نہیں سمجھا اسی طرح عامی بھی منتہی کی حالت کو نہیں سمجھ سکتے۔

در نیابد حال پختہ بیج خام پس سخن کوتاہ باید والسلام
(جو ابھی درویشی میں کچا ہے وہ پختہ اور کامل درویشوں کے حالات کو نہیں سمجھ سکتا
بس ٹھیک بات تو یہی ہے کہ ان کے ساتھ بحث و مناظرہ نہ کیا جائے بلکہ انھیں

ان ہی کے حال پر چھوڑ دیا جائے)

اس شعر سے ایک نیا مسئلہ اس وقت یہ بھی سمجھ میں آیا کہ پختہ لوگوں کو چاہیے کہ خام کے گفتگو نہ کیا کریں کیونکہ وہ ان کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا اور اس کی تائید اس شعر سے ہوتی ہے۔

۵۔ بامدعی مگو تیدا سرا عشق وستی بگذارتا بمیسر در در رنج خود پستی
 (جو خواہ مخواہ درویشی کے دعویٰ دار ہوں اُن سے عشق وستی کی راز کی باتیں مت کہو ان کو
 ان کی حالت پر چھوڑ دو تاکہ وہ اپنی اسی خود پستی میں ٹھوکر میں کھاتے رہیں)

کہ ان منکرین کو شبہات ہی میں مرنے دوران سے اسرارِ عشق نہ کہو تو عوام کو منہ ہی کی حالت
 کا ادراک نہیں ہوتا کیونکہ منہ ہی میں جوش و خروش نہیں رہتا چونکہ غلبہ لذت ذکر نہیں رہتا اور
 جب اس لذت کا غلبہ نہیں رہتا اور یہی لذت غالب تھی میلان الی المعصیۃ پر اس لئے کبھی کبھی
 معاصی کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور ناواقفی سے اس وقت سالک کو سخت شکستہ دلی
 ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میری محنت و مجاہدہ بالکل بیکار ہو ا حالانکہ اس کو شکستہ دل
 نہ ہونا چاہیے کیونکہ میلان الی المعصیۃ مذموم نہیں اصل مذموم تو معصیت ہے اور معصیۃ قریب
 الی المذموم تقاضائے معصیت ہے اس لئے اس کو بھی زائل کیا جاتا ہے اور مجاہدے کے
 بعد تقاباتی نہیں رہا اور جب تقاضا باقی نہیں رہا تو معلوم ہوا کہ یہ ناکام نہیں بلکہ کامیاب
 ہے ہاں اگر پھر تقاضا ہونے لگے تو پھر مجاہدہ کرے خیر یہ ضمن میں ایک بات بطور حبلہ معترضہ
 کے یاد آگئی تھی اس کو بھی عرض کر دیا مگر بالاصالہ یہ کہہ رہا تھا کہ قاعدہ کے موافق اتنے
 مجاہدوں کے بعد تبدیل ملکہ میں کامیابی ہوتی ہے مگر ظاہر ہے کہ ہر شخص مجاہدہ کے لئے آمادہ
 نہیں ہے تو پھر ایسے لوگوں کے لئے اس تبدیل کی کیا تدبیر ہے اور ضرورت اس تبدیل کی
 اوپر ثابت ہو چکی ہے کہ بدون اس کے معاصی سے بچنا سخت دشوار ہے سو خدا کا
 فضل ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے اس آیت سے یہ سمجھ میں آیا کہ توبہ کرنے میں بھی وہی نصیبت
 ہے جو مجاہدہ میں ہے یعنی جس مجاہدے نے ملکہ معصیت کو جو کہ منشا گناہ کا تھا بدل دیا تھا۔
 اور جس کا اثر یہ ہوا تھا کہ گناہ کا تقاضا نہ رہا تھا اس مجاہدے کے قائم مقام یہ ایک لمبقت
 بوٹی ہے یعنی توبہ جس کے لئے کہیں جاننا بھی نہیں پڑتا اور جس کے عامل کو یہ کہنے کا
 حق ہے کہ ۵

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ دست چوں کوئی دوسرے ہست بچرا چہ دست

(جس نے خلوت و تنہائی کا مزہ چکھ لیا وہ ہنگامہائے حیات بے نیابت ہے اور جو کو پوچھا جانے کا

آشنا ہو گیا اس کا جنون صحرا و بیابان کی تلاش نہیں کرتا

اور جس کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ

سمت اگر ہوست کشد کہ بسیر سز و سمن در آ تو ز غنچہ کم نہ دمید در دل کشا بہ چین در آ

(اگر تجھے جذبہ عشق و محبت اب بھی چین کے رنگ و بو کی طرف کھینچ لے جائے تو افسوس ہے

تو خود ایک حسین غنچے کی طرح کھلا ہوا ہے اپنے دل کا دروازہ کھول اور اس باغ و بہار کی سیر کر

اور یہ کہیں گے

اے برادر عقل یکدم با خود آر دمبدم در تو خزاں ست و بہار

(اے بھائی عقل کو کام میں لا اور سوچ تو ہی بہار اور خزاں تو ہمہ اوقات تیرے

اندر موجود ہیں)

اس سہل نسخہ کی نسبت الحمد للہ کہ امتحان سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس میں وہی اثر ہے جو مجاہدہ

میں ہے اور مجھے افسوس ہوتا ہے جب دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی سمجھ میں یہ معاملہ نہیں آتا۔ صاجو!

امتحان تو کرو اور بھلا اللہ میں نے تو اپنے دوستوں پر اس کا امتحان کر کے آپ صاحبوں کے سامنے

پیش کیا ہے اور امتحان اس طرح کیا گیا کہ خاص دوستوں کو یہ کہا گیا کہ جب گناہ ہو جایا کسے

تو بہ کر لیا کرو اگر پھر ہو جائے پھر توبہ کر لو پھر ہو جائے پھر توبہ کر لو۔ غرض جب گناہ کا ارتکاب

ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیا کرو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن وہ آئے گا جو گناہ کے مادہ کا بالکل

قلع قمع ہو جائے گا۔ دیکھئے اس میں نہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ

بار بار جو توبہ کرنے کا حکم ہے اس میں یہ بھی ایک مصلحت ہے افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کی قد

تہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ شریعت نے یہ ایک کھیل ہم کو بتلادیا ہے۔ صاجو! اس علاج کا

اثر یہ ہے کہ وہ گناہ ساری عمر چلے ہی گا نہیں کیونکہ ہرگز ممکن نہیں کہ آدمی بار بار توبہ کرے

اور پھر گناہ چلتا رہے بار بار توبہ کرنے کی نسبت فرماتے ہیں وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا

فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاَسْتَغْفَرُوا وَإِلَىٰ ذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرْ

الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ مَا لَكُمْ يَصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا (اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام

کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں

پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے) حدیث شریف میں ہے مَا أَصَدَّ مَنِ اسْتَعْفَرَ وَارَانَ عَادَتِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً (جو توبہ کرتا رہتا ہے پھر چاہے وہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کر بیٹھے گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں) صاحبو! کیا یہ بھی کوئی مشکل بات ہے کہ جب گناہ ہو گیا توبہ بھی کر لی۔ دیکھو جب گناہ کرتے ہو تو کس توجہ سے کرتے ہو کہ پیر بھی ہلاتے ہو یا تھ بھی ہلاتے ہو اور وہ بھی کرتے ہو تو اگر توبہ میں بھی ذرا زبان اور قلب کو حرکت دے لیا کرو تو کیا دشوار ہے اصل یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا کہ یہ تو بڑا چلتا ہوا نسخہ ہے اور سب ہی اس کا استعمال کر لیں گے اور میری ساری کوشش جو گناہ کرنے میں ہوئی تھی مٹ جائے گی تو اس نے ہم کو اس طرح گمراہ کیا کہ اس علاج کی وقعت ہی دلوں سے نکال دی اور یہ سمجھا دیا کہ جب پھر گناہ ہو جائے گا توبہ سے کیا فائدہ چنانچہ عام طور سے سب اس میں مبتلا ہیں کہ توبہ اس وقت کرتے ہیں جبکہ بالکل ہی ترک کا یقین کر لیتے ہیں اور جب تک یہ اندیشہ رہتا ہے کہ پھر ہو جائے گا تو توبہ ہی نہ کریں گے۔ صاحبو! توبہ بہر حالت میں کرنا ضروری اور مفید ہے

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گروہت پرستی باز آ
 ایں در گہ مادر گہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

دو پھر آ تو پھر آ تو جیسا بھی کچھ ہے پھر آ اگر چہ کافر یا بت کا پوجنے والا ہے پھر بھی آجا۔ ہمارا یہ دربار نا امید کی کا دربار نہیں۔ سو دفعہ بھی اگر توبہ کو توڑ چکا ہے پھر بھی آجا

علاوہ اس کے میں کہتا ہوں کہ اندیشہ ابتلاء فی المعصیۃ کی صورت میں اگر بالفرض توبہ مفید بھی نہ ہوتی جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے تب بھی توبہ کر لیتے ہیں کوئی حرج بھی تو نہیں ہے اور اس سے کوئی نقصان بھی تو نہ ہو جائے گا۔ مثلاً اگر ایک شخص دن میں پانچ مرتبہ شراب پیتا ہے اور ہر دفعہ توبہ کر لے تو اس کا نقصان کیا ہوا۔ غرض انتہائی مرتبہ پر پہنچکر میں صلح کرتا ہوں کہ اگر آپ کے خیال کے موافق اس کوئی نفع بھی نہیں لیکن کوئی نقصان بھی تو نہیں ہے۔ افسوس کہ ایسی اکسیر کی پوڑیہ مگر شیطان برتنے

نہیں دیتا۔ صاحبو! یہ عمل دس پانچ مرتبہ کر کے تو دیکھو واللہ یقیناً گناہ چھوٹ جائیں گے
 میں صلائے عام دیتا ہوں کہ جس گناہ کو کوئی شخص چھوڑنا چاہے اس کے لئے یہ کافی
 تدبیر ہے کہ جب وہ ہو جا یا کرے فوراً ہی اس سے توبہ کر لیا کرے۔ کیا کسی نے کبھی ایسا
 سہل علاج سنا ہے۔ یہ میں قرآن شریف کے علوم جو ائمہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے
 ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہر گناہ کے بعد ضرور توبہ کر لیا کرے اس سے ان کے بُرے
 ملکات مبدل بہ ملکاتِ حسنة ہو جائیں گے اس کو فرماتے ہیں فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ
 سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ یہ وعدہ ہے جو قرآن کریم میں کیا گیا ہے اور اگرچہ آیت شریف
 کی دلالت اس پر ظنی ہے لیکن یہ تفسیر دوسری تفسیر سے راجح ہے اور دوسری تفسیر اس کے
 مقابلے میں مرجوح ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے بتلائیے اس علاج میں کیا دشواری
 ہے چونکہ مسلمانوں میں یہ مرض عام ہے کہ وہ گناہ کے چھوڑنے کو سخت دشوار سمجھتے ہیں اس لئے
 میں نے اس کو یہ علاج بتلا دیا کہ بار بار توبہ کر لیا کرو مگر توبہ بھی اسی طرح کی ہو کہ جس طرح سے
 ذاتِ پاک نے ہم کو بتلائی ہے اور اس کی تعلیم ہم کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
 واسطے سے پہنچی ہے اور وہ طریقہ موافق حدیث کے یہ ہے کہ اول وضو کرو اور دو رکعت
 پڑھو اور خوب دل لگا کر دعا مانگو اور دل رگانے کا ارادہ کرو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ
 دل بھی لگنے لگے گا۔ باقی یہ سوال کہ اگر دل نہ لگے تو کیا کریں اس کے جواب میں یہ کہوں گا
 کہ اگر ایسا ہے جیسا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کا اگر تھا کہ امام حنا
 رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں جب کہ سب اپنی اپنی پوچھ رہے تھے ان سے کہا
 کہ تم کبھی کبھی نہیں پوچھتے کہنے لگے کہ اب کے پوچھوں گا امام صاحب نے اثناء تقریر
 میں اتفاقاً یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ جب سورج چھپ جائے تو روزے کے افطار میں تاخیر
 نہ کرے آپ سن کر فرماتے ہیں کہ کیوں حضرت اگر کسی دن سورج نہ چھپے تو کیا کرے امام
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں بھائی تمہارا ساکت ہی رہتا اچھا ہے جس طرح سے
 ایک ساس بہو کی حکایت مشہور ہے کہ بہو بالکل ہی نہیں بولتی تھی ساس نے کہا کہ بہو
 بولا کرو ورنہ لوگ گونگا گونگا کہیں گے۔ آخر کہنے سننے سے بولی تو یہ کہ اماں اگر تمہارا لڑکا

مر گیا تو میرا دوسرا بیابا بھی کرا دوگی اس نے کہا بس بھائی ایسے کا خاموشی کو بہتر ہے تو جیسا حال امام صاحب کے اس شاگرد کا تھا ویسا ہی اگر آپ کا بھی ہے۔ صاحبو پہلے عمل کر کے تو دیکھو پھر دیکھنا دل لگتا ہے یا نہیں ممکن نہیں کہ ایک شخص خدا تعالیٰ کے سامنے دیر تک متوجہ ہو کر بیٹھے اور دل نہ لگے ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور دل لگے گا۔ اولہ جب دل لگنے لگے تو دعا اور استغفار کرو اور قاریغ ہو جاؤ اور اگر وہ گناہ پھر ہو جائے پھر ایسا ہی کرو اس کے بعد دیکھو کہ وہ گناہ کیسا زور چکر ہوتا ہے۔ صاحبو! غضب ہے کہ محمد بن زکریا اگر ایک نسخہ بتلائے تو اس کا تو یقین کر لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بن عبد اللہ کے بتلائے ہوئے نسخہ پر یقین نہ کرو تو کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بن عبد اللہ کا ارشاد نعوذ باللہ محمد بن زکریا کی رائے سے بھی کم ہے۔ اسی ارشاد کی تزیج کی تعلیم فرماتے

ہیں ۵

چند خوانی حکمت یونانیساں ! حکمت ایمانیاں را ہم بجاں
صحت این حس بجوید از طبیب صحت آل حس بجوید از حبیب
صحت این حس ز مسموری تن ! صحت آل حس ز تخریب بدن
یونانی حکیموں کی باتیں تم نے بہت پڑھ لی ہیں اب ایمان والوں کی باتیں بھی پڑھو
جسمانی احساس کی درستی طبیب سے کراؤ اور ایمانی احساس کی درستی مجھ سے کراؤ۔
جسمانی احساس کی درستی جسم کی درستی ہوتی ہے اور ایمانی احساس
کی درستی جسم سے بے نیاز ہو جانے میں ہے)

تخریب بدن کا مطلب یہ ہے کہ حظوظِ نفسانیہ کو چھوڑو و حرام کو بالکلیم اور مباح کو
انہماک کے درجے میں۔ صاحبو! اس میں ہرگز شک نہ کرو آزمائے ہی کے لئے چند
روز تک کر دیکھو

ساہسا تو سنگ بودی دلخراش آزموں را یک زمانے خاک باش
دو برسوں تک پتھر کی طرح دل کو زخمی کرنے والا بنا رہا یہ بھی آزمائے دیکھ لو کہ کچھ دیر
کے لئے مٹی بن جاؤ۔

یہ ہے طریق استعمال کا۔ اب یہ بات رہی کہ اس معالجہ کو اس مرض کے ازالہ میں دخل کیا ہوا اور یہ کیوں مؤثر ہے۔ سوا اول تو یہ سوال ہی لغو ہے کیونکہ ممکن ہے اس میں بالخاصہ یہ اثر ہو جیسے مقناطیس میں جذب آہن کا اثر ہوتا ہے۔ دوسرے اگر یہ مؤثر بالکیفیت ہی ہو تو ہم جاننے کا کب دعویٰ کیا ہے۔ تیسرے اگر ہم جانتے بھی ہوں تو کیوں بتلائیں کیونکہ مرخص کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں کہ گل بنفشہ کیوں مؤثر ہے اور اس کا کیا مزاج ہے دیکھو اگر کوئی بادشاہ کسی کو کچھ روپیہ عطا فرمائے اور وہ سوال کرے کہ یہ بتلائے کہ یہ روپیہ کس سال میں کس طرح بنتا ہے تو اس کو گستاخ اور بے ادب سمجھا جائے گا لیکن ان سب باتوں کے باوجود بھی میں بتلائے دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ نفس کو عبادت کا کرنا سخت ہوتا ہے اور تو بہ خصوص نفلیں پڑھ کر یہ ایک گراں عبادت ہے پس جب کوئی شخص یہ التزام کر لے گا کہ جب گناہ ہو جائے یا کرے ہر دفعہ تو بہ بھی کیا کرے اور اس کے لئے وضو کیا کرے اور نفلیں پڑھا کرے تو نفس اس سے سخت پریشان ہوگا اور باسانی صلح اس پر کر لے گا کہ میں اب گناہ نہ کروں گا اس کی بالکل ایسی حالت ہے جیسے شریہ لڑا کا کہ کسی طرح نہ مانتا ہو لیکن جب اس کے لئے میا بنجی یہ تجویز کر دیں کہ اس کے گلے میں اتنا بھاری پتھر ڈالو کہ اس سے اٹھ ہی نہ سکے تو وہ فوراً سیدھا ہو جاتا ہے تو نفس بھی اعمالِ صالحہ کو چونکہ بوجھ سمجھتا ہے اس لئے اس بوجھ کے رکھتے ہی گناہ سے باز آجاتا ہے اور اس کو عبادت سے یہاں تک گرائی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے بیان کیا کہ میں کسی مقام پر روپیہ دفن کر کے بھول گیا ہوں ہر چند یاد کرتا ہوں لیکن کسی طرح یاد ہی نہیں آتا۔ امام صنّاع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم جا کر نفلیں پڑھنا شروع کرو اور جب تک روپیہ یاد نہ آئے برابر نفلیں پڑھتے رہو اس ترکیب سے ان شاء اللہ بہت جلد یاد آجائے گا۔ چنانچہ اس نے جا کر نفلیں شروع کیں چند ہی نفلیں پڑھی تھیں کہ بہت جلد روپیہ کی جگہ یاد آگئی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فراست سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ شیطان نے اس کو پریشان کرنے کے لئے روپے کی جگہ بھلا دی ہے جب یہ نفلیں پڑھیں

اور شیطان کو نفلیں پڑھنا ناگوار ہوں گی تو نفلوں سے روکنے کے لئے فوراً اس جگہ کو یاد دلادے گا مگر یہ دریافت کرنا بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا کام تھا کہ یہ شیطان نے بہکایا ہے غرض نفس اور شیطان عبادت سے بہت گھبراتے ہیں۔

دوسری مثال اس کی ایسی ہے کہ جیسے بچے کے دودھ چھڑانے کے وقت اکثر چھاتیوں کو ایلو الگا دیتے ہیں کہ وہ جب دودھ پینے کا ارادہ کرتا ہے فوراً ہی تلخی منہ میں پہنچتی ہے بس وہ دودھ ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ عبادت بھی نفس کو سخت بار اور ناگوار ہوتی ہے اس لئے اس کی ناگواری کے اندیشے سے وہ اپنی مرغوب چیز یعنی معصیت کو چھوڑ دیتا ہے لیکن اس میں اتنا شبہ نہ ہا کہ جب یہ علت ہے تو نفس کو تو ہر عمل صالح میں گرائی ہوتی ہے تو پھر توبہ ہی کی کیا تخصیص ہے دوسرے اعمال کا بھی یہی اثر ہونا چاہیے۔ جو اب یہ ہے کہ اول تو اوپر آچکا ہے کہ اس تبدیل کے لئے توبہ کے ساتھ دوسرے اعمال صالحہ بھی شرطِ عادی ہے دوسرے ممکن ہے کہ اور اعمال تو اپنی نوع کے اعتبار سے کہ وہ عمل صالح ہے مؤثر ہوا اور توبہ اپنے مرتبہ شخص میں بھی مؤثر ہو۔

تیسرے توبہ میں یہ تو ضرور ہی کہے گا کہ میرا قصور معاف کر دیجئے اور یہ طبعی بات ہے کہ جب کوئی اپنے کسی بڑے سے بار بار معافی چاہے اور آئندہ موافقت کا عہد کرے تو پھر اس کے خلاف کرتے ہوئے شرما تا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دل سے توبہ ہو کیونکہ اسی سے عہد کے یاد میں رسوخ ہو جائیگا اور اس سے طبعی طور پر حیا غالب ہوگی۔

جو تھی وجہ ایک اور ہے جو کہ قرآن شریف سے سمجھ میں آئی یعنی اگلی آیت شریف میں فرماتے ہیں وَصَنِي تَابٍ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّمَا يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ترجمہ یہ ہے کہ جو توبہ کرتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اب اس آیت شریف کے ساتھ حدیث شریف کو ملائیے۔ فرماتے ہیں حدیث قدسی میں

مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شَبْرًا تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَمَنْ أَتَانِي يَمِينِي أَتَيْتُهُ هَرَوَلَةً (اور یہیں سے آپ کو یہ بھی کافی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ قرآن شریف سے بغیر استعانتِ حدیث شریف کے کسی مقصود کا اثبات کم ممکن ہے۔ جامع، یعنی خدا تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ جو شخص اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے خدا تعالیٰ اس سے زیادہ اس شخص کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ اور اس توجہ سے وہ بُعد جو وجوب اور امکان کے سبب سے تھا اور جس کی وجہ سے بندے کو خدا تک پہنچنا مصیبت تھا وہ جاتا رہتا ہے اور یہ بعد ہر چند کہ خدا تعالیٰ کی توجہ سے دور ہوتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی توجہ کی شرط یہ ہے کہ بندہ متوجہ ہو اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بچہ ہے کمزور اور وہ باپ سے دور کھڑا ہے اب اگر وہ باپ تک پہنچنا چاہے تو وہ بدون اس کے ممکن نہیں کہ خود باپ آگے بڑھ کر اس کو اٹھالے کیونکہ درمیانی مسافت کو وہ بچہ قطع نہیں کر سکتا لیکن بعض اوقات باپ کی توجہ کی شرط یہ ہوتی ہے کہ بچہ ہاتھ پھیلا کر آنے کی کوشش کرے۔ تو ایسی طرح بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان جو بُعد ہے وہ بندہ کے قطع کئے قطع نہیں ہوتا ہے

نہ گزر دد قطع ہرگز جادہ عشق از دوید نہا

کہ میبالد بہ خود این راہ چوں تاک ز برید نہا

(عشق کا راستہ دوڑنے سے طے نہیں ہوتا بلکہ یہ آپ ہی آپ بڑھتا ہے جیسے

شاخیں کاٹنے سے پودے بڑھتے ہیں)

تو جب یہ راہ قطع ہوگی خدا تعالیٰ ہی کی عنایت سے ہوگی مگر اس کے لئے شرط عادی ہے کہ بندہ کی طرف سے توجہ ہو اس لئے فرمایا ہے مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شَبْرًا الْخَيْرُ مِنْهُنَّ طَرَحُ خَدَاتِنَا سِوَا غُيُوشِ رَحْمَتِنَا لِيَلْتَمِسُنَّ مِنْ يَدِي تَوَكُّلاً وَهُوَ تَقَرُّبٌ إِلَى خَدَاتِنَا كَيْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ بَاعًا وَمَنْ أَتَانِي يَمِينِي أَتَيْتُهُ هَرَوَلَةً (اور دوسرا مقدمہ یہ ہوا جو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گا خدا تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو گا جو حدیث شریف سے ثابت ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ جو تو یہ کرے گا خدا تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو گا۔

اب اس کے ساتھ ایک اور مقدمہ ملائیے کہ جس کی طرف خدا تعالیٰ متوجہ ہوں گے وہ یقیناً اعدا کی دست برد سے محفوظ رہے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو توبہ کرے گا وہ اعدا (نفس و شیطان) کی دست برد سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ خود شیطان نے بھی ایسے لوگوں کو مستثنیٰ کیا تھا جبکہ کہا تھا لَا تُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ (میں ضرور ضرور ان سب کو بہکاؤں گا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں) اور معصیت اثر ہے نفس و شیطان کی دست برد کا پس وہ اس سے محفوظ رہے گا اور عادت بدوں تبدیل ملکات کے محفوظی مستعد ہے پس توبہ و عمل صالح پر اس طرح تبدیل ملکات مرتب ہو گیا۔ اور یہی معنی ہیں اس کے اَلْأَمْنُ تَابٌ وَآمَنٌ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ اب اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا ہر طرح اچھی طرح ثابت ہو گیا۔ اب میں مکرر اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں تاکہ یاد رہتا آسان ہو اور اسی پر بیان کو ختم کر دوں گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مجاہدہ نہ کر سکے اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے ترک معاصی کا ایک علاج مقرر فرمایا ہے جو نہایت ہی سہل ہے یعنی جو طالب ہوا اور مجاہدہ پر قادر نہ ہو وہ یہ کرے کہ جب گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیا کرے اور اگر معاودت ہو جائے پھر فوراً توبہ کرے۔ یہ ہے وہ علاج اور اگر اب اس سہولیت پر بھی کوئی اس کو اختیار نہ کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی طبیعت ہی خراب ہے اپنی اصلاح ہی نہیں چاہتا تو اس کے لئے یہ کہا جائیگا کہ ۵

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر

بجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی و تابل ہوتا

اور آخر میں یہ کہا جائے گا کہ اِنَّ اللّٰهَ وَاِنَّ اللّٰهَ لَيَسِيْرٌ رَّاٰ جَعُوْنَ ۝

اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ فہم دے۔ امین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ